مقصودِ حیات

محمد صدیق ڈار توحیدی

کتاب ---------------------- مقصود حیات

مصنف ---------------------- محمد صدیق ڈار توحیدی

سن اشاعت ------------------ اپریل 2009

اشاعت ---------------------- اول

تعداد ---------------------- 1000

قیمت ---------------------- 250 روپے

پبلشر ---------------------- میاں علی رضا

پرنٹرز ---------------------- رحمٰن کمپیوٹرز اینڈ پرنٹرز



مقصودِ حیات

محمد صدیق ڈار توحیدی



مرگِ فرد از خشکیِ رودِ حیات
مرگِ قوم از ترکِ مقصودِ حیات

اقبالؔ

اِنتساب

اِنسانیت کے نام

فہرست

عنوانات | صفحہ نمبر



دیباچہ

اِنسانیت کے نام

اے ابنِ آدم! تو اپنی زندگی کتنی بے فکری سے گزار رہا ہے۔ یہ وقت تو بہت بڑی دولت ہے لیکن تو اِسے انتہائی بے دردی کے ساتھ لٹائے چلا جا رہا ہے۔ تجھے تو معلوم ہی نہیں کہ تو کون ہے؟ تجھے کس نے پیدا کیا؟ یہ دنیا کس لئے بنائی گئی ہے اور تجھے یہاں کیوں بھیجا گیا ہے؟ تو بغیر سوچے سمجھے دوڑے چلا جا رہا ہے۔ اگر کسی مسافر سے پوچھا جائے کہ تو کون ہے کہاں سے آیا ہے، کہاں جا رہا ہے، کس شے کی جستجو ہے، کس سے ملنا ہے اور وہ ہر سوال کے جواب میں یہی کہے کہ مجھے معلوم نہیں تو کیا تم اِس کی عقل پر شک نہیں کرو گے؟

ذرا اپنی حالت پر غور کرلو۔ کیا یہ مثال تم پر صادق نہیں آتی۔ پھر یہ بات بھی تمہارے قلب و ذہن میں رہتی ہے کہ تم اشرف المخلوقات ہو۔ بلا شک و شبہ تمہاری تخلیق احسن تقویم یعنی بہترین صلاحیتوں اور برتر شعور کے ساتھ کی گئی ہے اور اِسی خصوصیت کی وجہ سے تمہیں صاحب ارادہ و اختیار بنایا گیا۔ خالق کائنات نے تمہیں دوسری مخلوقات سے اشرف پیدا کیا ہے تو یقیناً تمہارے ذمے کوئی ایسا اعلیٰ اور منفرد کام بھی لگایا ہوگا جو کسی دوسری مخلوق کے بس کا روگ نہیں تھا۔ لیکن اتنے بڑے اعزاز کا تمہیں احساس ہی نہیں ہے۔ تم تو کولہو کے بیل کی طرح بھوک پیاس، گرمی سردی اور جنسی جبلتوں کی تسکین کے چکر میں مگن صبح و شام کرتے ہوئے عمر تمام کر رہے ہو، تیرا ایسا اندازِ فکر اور طرزِ حیات دوسرے حیوانوں سے کسی طرح بھی مختلف نہیں ہے۔ اتنی منفرد صلاحیتوں کا مالک ہوتے ہوئے حیوانی سطح پر آ گرنا تو شرف انسانیت کی تذلیل اور قابل تعزیر جرم ہے۔ تیرے بہترین حواس اور دل و دماغ اگر نفسانی خواہشات اور مادی لذات سے ماورا کچھ سوچ ہی نہ سکیں اور چاروں طرف بکھرے ہوئے حسن یار کے جلوؤں سے تو محروم رہ جائے تو یہ جینا کس کام کا۔ تیرے ازلی دشمن شیطان نے تجھے اللہ کی یاد سے یکسر غافل کر دیا ہے۔ اِس نے تجھے اپنے

جال میں اس طرح جکڑ لیا ہے کہ تیری سوچیں اور صلاحیتیں تیرے پیٹ کی غلام بن کر رہ گئی ہیں۔ تیری حالت پر افسوس ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے روٹی اس لئے دی تھی کہ تو اس کے استعمال سے قوت پرواز حاصل کر کے اللہ کی محبت کی منازل طے کرے لیکن تیری کج فہمی، کوتاہ نظری اور کم ہمتی کی وجہ سے روٹی تجھے کھا گئی ہے۔ تو حریم کبریا کی طرف پرواز کرنے والے طائر لاہوتی کی بجائے مٹی کا کیڑا بن کر رہ گیا ہے۔ یہ حقیقت بڑی آسان فہم ہے کہ جو شے جس مقصد کیلئے بنائی جاتی ہے اس کو پورا کرنے اور کرتے رہنے ہی سے اِس کی قدر و قیمت قائم رہتی ہے۔ اگر وہ شے مطلوبہ کام سرانجام دینے کے قابل نہ رہے تو اسے کاٹھ کباڑ میں پھینک کر کوڑیوں کے دام بیچ دیا جاتا ہے۔ پھلدار درخت جو پھل نہیں دیتے یا دینا بند کر دیتے ہیں انہیں کاٹ کر ایندھن کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ دھات اور پلاسٹک وغیرہ کی بنی ہوئی اشیاء کو توڑ پھوڑ کر ڈھلائی والی بھٹیوں میں ڈال دیا جاتا ہے۔ اگر تو نے اپنی تخلیق کے مقصد کو پورا نہ کیا تو تیرے ساتھ بھی ایسا ہی برتاؤ کیا جائے گا۔

تمہارے خالق نے عالم ارواح میں ہی تم سے یہ عہد لے لیا کہ تم مجھے ہی اپنا رب مان کر زندگی میرے عطا کردہ آئین حیات کے تحت بسر کرو گے۔ اِس طرح تم دنیا میں بھی مسرت اور مطمئن زندگی گذار سکو گے اور آخرت میں بھی میری رضا حاصل کر کے سرخرو ہو جاؤ گے۔ اللہ رحیم و کریم نے اپنی خصوصی رحمت سے انبیاء کی بعثت کا انتظام فرمایا تا کہ تمہیں تمہاری تخلیق کے مقصد سے آگاہ کر کے اللہ تعالیٰ کی بندگی کے صراط مستقیم پر چلنے اور اس کی محبت کی تکمیل کرنے کیلئے مطلوبہ ہدایت فراہم کریں تا کہ تم دنیا کی بھول بھلیوں، نفس کی خواہشات اور شیطان کے مکر و فریب میں پھنس کر نہ رہ جاؤ۔ لیکن افسوس ہے کہ انسانیت کے ان مخلص محسنوں اور حقیقی خادموں کا ہر دور میں ٹھٹھا اُڑایا گیا۔ انہیں ستایا گیا بلکہ بعض کو موت کے گھاٹ ہی اُتار دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کے اِن منتخب بندوں نے اولادِ آدم کو یہ دعوت دی کہ اللہ کو اپنا رب اور الٰہ مان کر اِس کی بندگی اور ہماری اطاعت کرو۔ انہوں نے اہل ایمان کو جنت کی بشارت دی اور اس میں ملنے والی نعمتوں سے آگاہ کیا اور ابدی حقائق کو جھٹلا کر نافرمانی کی راہ اپنانے والوں کو جہنم کی سزا سے ڈرایا۔ لیکن تھوڑے لوگوں نے ہی اللہ کی دعوت کو قبول کر کے انبیاء کے اتباع کی سعادت حاصل کی۔ اکثر لوگوں نے تکبر کیا

اور میثاق ازل کو فراموش کر کے اللہ اور یوم آخرت کے وجود سے انکار کر دیا اور ''مولا مرضی'' کی بجائے اپنی خواہشات اور ''من مرضی'' کی زندگی گذارنے کو ترجیح دی۔ اے اولادِ آدم! آج بھی تمہاری اکثریت اِسی روش پر کاربند ہے۔ حالانکہ اگر تم اپنے حواس کو صحیح طور پر استعمال کرو تو اِس کائنات کا ذرہ ذرہ اور پتا پتا خالق کائنات کے وجود پر گواہی دیتا ہوا محسوس ہو گا۔ تم اپنے وجود پر ہی غور کر لو کہ کس طرح تمہاری تخلیق پانی کی ایک بوند سے شروع کی گئی اور رحم مادر میں خلق کے بعد خلق کے کئی مراحل کے بعد تمہارا ناک نقشہ درست کیا گیا۔ جسم کے اندرونی و بیرونی اعضاء کا حیرت انگیز نظام وجود میں لایا گیا انہیں ایک دوسرے کے ساتھ منسلک کیا گیا۔ کیا یہ سب کچھ بغیر کسی بنانے والے کے خود بخود بن گیا۔ تمہارے ماں باپ کو خبر بھی نہ تھی کہ رحم کے اندھیروں کے اندر کیا کچھ ہو رہا ہے۔ تم اس وقت کیا تھے اور کہاں تھے۔ اب تو تمہیں باتیں بنانا آ گئی ہیں اس لئے اپنی تخلیق کی کیفیات کو فراموش کر کے اللہ کے وجود کے بارے میں بحث کرتے ہو۔ تمہارے رب نے سورج، چاند اور دن رات کو تمہاری خدمت میں لگا رکھا ہے۔ تمہاری غذا کیلئے ہزار ہا اقسام کے پھل اور غلے پیدا فرمائے۔ تمہارے استعمال کیلئے جانور پیدا کر رکھے ہیں۔ جن کا دودھ پیتے، گوشت کھاتے اور ان کے بالوں، اون، ہڈیوں اور چمڑوں سے قسم قسم کے فائدے اُٹھاتے ہو۔ اس نے تمہارے لئے آسمان سے پانی برسا کر ایک خاص مقدار میں اِس کا ذخیرہ کر دیا ہے اور بارش کے ذریعے اس کی تقسیم کا حیرت انگیز نظام قائم کر رکھا ہے۔ پانی جیسی عظیم نعمت جس پر حیات کا دارومدار ہے کا وجود ابھی تک کسی دوسرے سیارے میں دریافت نہیں ہو سکا۔ تمہارے رب نے تمہیں عزت و اکرام سے نوازتے ہوئے تمہاری سواری کیلئے گدھے، گھوڑے، اُونٹ، خچر، کشتیاں، کاریں، بسیں، ریل گاڑیاں، ہوائی جہاز اور خلائی راکٹ بنا دیئے تا کہ تم اپنے مہربان آقا کی نعمتوں پر اس کی حمد و ثناء کرو اور احسان شناس بندے بن کر اس کے حضور سر بسجود ہو جاؤ۔ تم نے کبھی آگ اور تمہاری زندگی میں جو اس کی اہمیت ہے اس پر غور کیا ہے۔ گھر کی تعمیر میں اینٹیں بننے، کچن میں کھانا پکانے، بجلی کے پاور ہاؤس چلنے، واٹر سپلائی کے پمپوں کے چلنے، سکوٹروں، کاروں اور ریل گاڑیوں کے دوڑنے ہوائی اور خلائی جہازوں کے اُڑنے اور بے شمار صنعتی فیکٹریوں کے چلنے کا دارومدار آگ پر ہی ہے۔ اِس کیلئے ایندھن خواہ لکڑی اور کوئلہ کی

صورت میں ہو یا گیس اور تیل کی صورت میں ہو سب کا منبع درخت ہی ہیں جن کے پیدا کرنے میں تمہارا کوئی ہاتھ نہیں ۔اللہ تعالیٰ کے رسولوں نے تمہیں بار بار زمین میں پھیلی ہوئی خالق کائنات کی ان بے شمار آیات پر غور و تدبر کرنے کی ترغیب دی اور خود اپنے نفسوں کے اندر جھانک کر اور من میں غوطہ زن ہو کر حقائق حیات معلوم کرنے کی دعوت دی تا کہ تم اپنے رب کی معرفت حاصل کر کے حقیقی فوز و فلاح کا راز پا جاؤ اور تمہارے اندر سے سعادت ازلی کے سوتے پھوٹ پڑیں۔ اللہ تعالیٰ نے روز الست تمہارے دل میں جو اپنی محبت کا بیج بو دیا تھا وہ پھوٹ نکلے اور چپے کی یہ بیل پھولوں سے لد جائے اور خوشبو تمہارے انگ انگ میں سما جائے اور تمہاری روح وجد میں آ جائے ۔تمہارے ارد گرد کتنے ہی خوش نصیب انسان موجود ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو اپنا آقا اور حکمران تسلیم کر کے عہد الست کی تجدید کر لی ہے ۔وہ حزب اللہ میں داخل ہو کر اللہ کے دیئے ہوئے نظام حیات کے مطابق مطمئن زندگی بسر کر رہے ہیں اور ہر وقت اس کے فضل اور اس کی رضا کی جستجو میں لگے رہتے ہیں ۔لیکن تو اپنی آنکھوں، کانوں اور اپنے دل و دماغ کی نعمتوں کو حقیقی مقصد کیلئے استعمال کرنے میں ناکام ہو گیا اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہ کر سکا ۔اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تو حیوانوں کی مانند بلکہ اُن سے بھی گیا گذرا اور گمراہ قرار پایا کیونکہ حیوانات تو اپنے کمتر عقل و شعور کے باوصف اپنے خالق کو پہچانتے، اِس کی تسبیح بیان کرتے اور اس کے مقرر کردہ وظیفہ حیات کے عین مطابق زندگی بسر کرتے ہیں ۔ تجھے تو اللہ تعالیٰ نے بہترین صلاحیتوں اور شعور سے نواز کر صاحب اختیار بنایا ۔یہ ایک منفرد اعزاز تھا جو صرف تجھے عطا ہوا اور یہ تمہاری صلاحیتوں اور کردار کا امتحان تھا کہ تو ذمہ داری کا ثبوت دیتے ہوئے اس اختیار کو مثبت طریقہ سے استعمال کر کے اپنے خالق کی رضا حاصل کرتا ہے یا اس کے احکام سے سرکشی اور بغاوت کر کے سزا کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

اے ابن آدم! تیری خصوصی حیثیت کی وجہ سے تیرے لئے جبر روا نہیں رکھا گیا بلکہ دعوت کا طریقہ جاری کیا گیا تا کہ تیری ظاہری بصارت، باطنی بصیرت اور انتخاب کی صلاحیت کا امتحان ہو جائے ۔پوری کائنات اللہ کی الوہیت کے سامنے سربسجود ہے کیا تو محض اس لئے اپنے خالق اور رحیم و کریم آقا کی نافرمانی کر رہا ہے کہ نباتات، جمادات کی طرح تجھے جبری تقدیر میں نہیں جکڑا

گیا؟ کیا تو نے صرف اس لئے جرم و گناہ کی زندگی اپنا رکھی ہے کہ تجھے قانون شکنی کی صلاحیت حاصل ہے۔ یہ تو اختیار کا نہایت ہی گھٹیا اور نا روا استعمال ہے۔ آزادی تو بہت بھاری امانت اور عظیم ذمہ داری کا نام ہے۔ اے انسان اگر تو انبیاء کی دعوت قبول کر کے اپنے محبوب حقیقی اور جان و جہان کے مالک پر ایمان لے آئے اور اس کا بندہ بن کر زندگی بسر کرے تو وہ تمہارا مولا و مددگار اور حامی و ناصر بن کر تمہیں اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لے جائے گا۔ اس کے فرشتے تم پر صلوٰۃ و سلام بھیجنے لگیں گے۔ اس کی رحمت سے تیرا سینہ روشن، دماغ منور اور دل مطمئن ہو جائے گا۔ لیکن اگر تو اپنے خالق کائنات کی آیات کو غور سے دیکھنے کی زحمت ہی نہ کرے اور اندھا رہنا ہی پسند کرے تو پھر تیرا رب تیری آنکھوں پر پردہ ڈال دیگا۔ جب تم اپنے کانوں سے حق کی آواز سننا ہی گوارا نہیں کرو گے تو پھر ان پر بھی مہر لگا دی جائے گی۔ اللہ دنیا میں بھی تمہاری سماعت اور بصارت کی صلاحیت سلب کر سکتا ہے لیکن قیامت کے دن ایسا ضرور ہوگا کہ تجھے اندھا، گونگا اور بہرہ اٹھایا جائے گا اور تو چوپایوں کی مانند منہ کے بل چلے گا۔ تم پریشان ہو کر اللہ سے فریاد کرو گے کہ میں تو دنیا میں بھلا چنگا تھا تو تجھے جواب دیا جائے گا کہ تو نے دنیا میں ان نعمتوں کی قدر نہ کی اور وہاں جا کر ہمیں بھول ہی گئے۔ آج ہماری رحمت نے تجھے فراموش کر دیا اور یہ نعمتیں تجھ سے چھین لی گئیں۔ تمہارے گلے میں طوق ڈال کر تمہیں زنجیروں میں جکڑ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ یہ تمہاری اپنی بداعمالیوں کا صلہ ہوگا۔ اِس دن اللہ کے نیک بندے عرش الٰہی کے سایہ تلے مسرور و شادمان ہونگے۔ اِنکے چہرے تر و تازہ اور اللہ کی عبادت سے چمکتے ہوں گے۔ اِن کی روحوں سے اللہ کی محبت کا نور پھوٹ پھوٹ کر ان کے آگے آگے چلے گا۔ جنت کے فرشتے انہیں کامیاب زندگی گذارنے پر مبارک باد کہیں گے اور جنت میں خوش آمدید کہیں گے جہاں ان کو ایسی نعمتیں ملیں گی جو انسان کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتیں۔ سب سے بڑھ کر انہیں جو نعمت عطا ہوگی وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کا دیدار ہوگا اور وہ اس کی حمد و ثناء میں مشغول رہیں گے۔

اے ابن آدم! اگر تو دنیا کی لذات میں ہی کھو کر رہ گیا اور اپنی ساری صلاحیتیں انہی کے حصول میں صرف کر ڈالیں تو آنے والی زندگی میں تجھے بڑی شرمندگی اُٹھانا پڑے گی۔ تو اپنے آقا سے نظریں نہ ملا سکے گا بلکہ اللہ تیری طرف دیکھے گا بھی نہیں۔ تو سر جھکائے ہوئے التجا کرے گا

کہ مجھے دوبارہ دنیا میں جانے کا موقع دیا جائے تو میں صالح زندگی بسر کروں گا لیکن وہاں تیری شنوائی نہ ہوگی۔ پھر تو پچھتائے گا کہ کاش میں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی ہوتی۔ اس دن تجھے اپنے یہ لنگوٹیے یار بھی بہت یاد آئیں گے جو آج تمہیں کھاؤ پیو اور موج اُڑاؤ کی تلقین کرتے ہیں اور کبھی بھولے سے بھی اللہ اور آخرت کی بات نہیں کرتے۔ اِس دن تو دانتوں سے اپنے ہونٹ کاٹے گا کہ کاش میں نے ان لوگوں کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا۔ یہ اپنے ساتھ مجھے بھی لے ڈوبے۔ اس دن دنیا کے گرمجوش دوست تیرے دشمن بن جائیں گے۔ وہاں صرف اہل ایمان کی دوستی قائم رہے گی کیونکہ ان کا باہمی تعلق دنیوی اغراض کیلئے نہیں بلکہ اللہ کی خاطر تھا۔ انسان پر سب سے زیادہ اور انگنت احسان اللہ تعالیٰ کے ہیں جو انسان اللہ کا وفادار نہیں بنتا وہ بھلا اپنے جیسے انسانوں سے کیسے وفا کریگا۔ اکٹھے مل کر واردا تیں کرنے والے مجرموں کے گروہ جب پکڑے جاتے ہیں تو دنیا کی عدالتوں میں ہی ایک دوسرے کے خلاف ہو جاتے ہیں اور خود وعدہ معاف گواہ بن کر اپنے جانی دوستوں کو پھانسی کے پھندوں پر لٹکوا دیتے ہیں۔ اللہ کی عدالت میں تو انسان اپنے سگے بھائیوں سے اپنے ماں باپ سے، اپنی بیوی اور اولاد سے دور بھاگے گا کہ ان کی خطاؤں میں کہیں میں بھی گرفت میں نہ آ جاؤں۔ لیکن اے غافل انسان تو اس دنیا میں انہی رشتوں کی خاطر شرف انسانیت کو نیلام کر کے اپنے خالق کی کیسی کیسی نافرمانیاں کر کے اس کی ناراضگی مول لیتا ہے۔ ان کے مستقبل کی بہتری کیلئے تو گناہ پر گناہ کئے چلا جاتا ہے اور اپنے نامہ اعمال کو سیاہ کر لیتا ہے۔ تیرے اس جمع کئے ہوئے مال سے موج یہ اڑائیں گے اور سزا تو بھگتے گا۔ جب تو مرے گا تو تمہارے وہم و گمان کے گھڑے ہوئے یہ بت تمہاری دولت سے گُلچھرّے اُڑانے کے شوق سے کہیں گے کہ اسے جلدی جلدی دفن کرو۔ کئی دولت کے دیوانے ایسے بھی ہوتے ہیں جو اسے جلد حاصل کرنے کی غرض سے اپنے ماں باپ کے قتل سے بھی نہیں چوکتے۔

اے انسان! اللہ کے ہاں پہنچ کر سارے پردے اُٹھ جائیں گے اور مال و دولت اور رشتہ و پیوند کی اصل حقیقت واضح ہو جائے گی اس وقت تو اپنی من مرضی کی گذاری ہوئی آزاد زندگی پر سخت پشیمان ہوگا اور چاہے گا کہ مال و اولاد اور دنیا کا سب کچھ فدیہ میں دے کر کسی طرح میری

جان چھوٹ جائے لیکن وہاں سے واپسی ناممکن ہوگی اور تجھے کہا جائے گا کہ دنیا کی زندگی میں تجھے کافی وقت دیا گیا تھا اگر تمہیں سمجھنا ہوتا تو سمجھ جاتا۔اب جزا وسزا کا دن آن پہنچا اب ہر کوئی اپنے اعمال کا بدلہ پائے گا۔جن اللہ کے بندوں کو تو اپنے سے کمتر سمجھ کران کو خشک ملا، وہمی اور جنونی کا نام دے کران کی ہنسی اڑاتا ہے انہیں اللہ کے ہاں اس دن عزت دی جائے گی اور مسکین مومنین سب سے پہلے جنت میں داخل ہونگے اس دن تمہاری کج فہمی، کم عقلی اور بدبختی کی ہنسی اُڑائی جائے گی۔

اے ابن آدم! تو اپنی خام عقلی کی بنا پر حیات ارضی کو ہی سب کچھ سمجھ بیٹھا ہے حالانکہ یہ تو تیری خودی یعنی جوہر انسانیت کیلئے ایک تربیت گاہ ہے تا کہ تو اللہ کی پیدا کی گئی چیزوں اور قوتوں کو تسخیر کرکے اس کی معرفت اور قرب ورضا میں کمال حاصل کر سکے۔زندگانی کی مثال تو سیپ کی طرح ہے جس میں انسانی خودی ابرنیساں کے قطرے کی طرح اس لئے داخل ہوتی ہے کہ اس میں کچھ عرصہ قیام کرکے موتی بن جائے۔لیکن تو اس تربیت گاہ کی دلفریبیوں کی وجہ سے مال واولاد کی محبت میں گرفتار ہوکر اپنے حقیقی مالک ومحبوب اور اصلی وطن کو ہی بھول گیا۔اللہ تعالیٰ اپنی آخری کتاب میں تنبیہہ کرتے ہوئے ارشادفرماتے ہیں:۔

"اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو اور اس دن کا خوف کرو کہ نہ تو باپ اپنے بیٹے کے کچھ کام آئے اور نہ بیٹا اپنے باپ کے کچھ کام آسکے۔بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے۔پس دنیا کی زندگی تم کو دھوکے میں نہ ڈال دے اور نہ فریب دینے والا شیطان تمہیں اللہ کے بارے میں کسی طرح کا فریب دے"۔ (لقمان۔33)

اے ابن آدم! اللہ تعالیٰ اور حیات آخرت پر ایمان ہی تیری حقیقی کامیابی کی بنیاد ہے۔تو اللہ کی ہستی سے کیونکر انکار کرتا ہے۔آج سے پچاس یا سو برس پہلے تو تیرا کوئی نام ونشان بھی نہ تھا۔یہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو تجھے عدم سے وجود میں لائی۔اور تیری بندگی اور اطاعت صرف اِسی کیلئے ہونی چاہیے۔اللہ ہی تمہیں مارے گا اور وہی دوبارہ زندہ کرے گا۔دوبارہ زندہ ہونے میں تجھے تعجب کیوں ہوتا ہے۔جب تو کچھ نہ تھا تو اس نے تجھے وجود عطا فرمایا تو کیا وہ ہستی اب تیری کھوکھری ہڈیوں اور مٹی میں تبدیل ہو جانے والے عناصر کو دوبارہ پہلی حالت میں لوٹا نہیں سکتی۔

پہلی مرتبہ پیدا کرنے سے دوسری مرتبہ پیدا کرنا تو آسان تر ہے۔ تو اپنی ذات پر غور کر کہ اس وسیع و عریض کائنات کے مقابلے میں تیرے اس وجود کی حیثیت ہی کیا ہے۔ جس عظیم ہستی نے یہ کائنات پیدا فرمائی ہے اس کیلئے تمہیں دوبارہ زندگی عطا کرنا کونسا مشکل ہے موت کے بعد زندگی کے مظاہر تو تیرے سامنے مسلسل ہو رہے ہیں بشرطیکہ تیری آنکھوں میں ذوق جہاں بینی ہو۔ دن کے بعد رات ضرور ہے لیکن ہر رات کے بعد صبح طلوع ہوتی ہے یہ حیات و ممات کا منظر نہیں تو اور کیا ہے۔ اسے چھوڑ تو خود ہر رات موت کی بہن "نیند" کی گود میں چلا جاتا ہے اور گذشتہ دن کی زندگی سے لاتعلق ہو جاتا ہے لیکن چند گھنٹوں کے بعد دوبارہ جی اُٹھتا ہے۔ تیرے سامنے نباتات کی ہر نوع اِسی مرحلے سے گذرتی ہے۔ زمین سے فصلیں اُگتی ہیں پھر جوان ہوتی اور آخر کار پک کر چورا چورا ہو کر زمین میں مل جاتی ہیں اور ان کا نام و نشان بھی دکھائی نہیں دیتا۔ زمین بھی خشک ہو کر مردہ دکھائی دینے لگتی ہے۔ ہر طرف دھول اُڑتی ہے اور ایسے لگتا ہے کہ اب یہاں کبھی بھی ہریالی نہیں ہوگی۔ لیکن جب خالق کائنات باران رحمت کا نزول فرماتا ہے تو مردہ زمین زندہ ہو جاتی ہے اور خاک تلے سوئے ہوئے بیج زندہ ہو کر پھر اُگ پڑتے ہیں۔ تمہارا خالق تمہیں بھی موت کے بعد اِسی طرح زمین سے نکال کر کھڑا کریگا اور تم حیرت زدہ ہو جاؤ گے کہ اللہ اور اس کی رسولوں کا کہا ہوا تو سچ ثابت ہو گیا۔ مالک یوم الدین اس دن مجرمین کو مومنین سے الگ ہونے کا حکم دے کر فرمائے گا کہ کیا میں نے تم سے یہ عہد نہ لیا تھا کہ اپنے دشمن شیطان کی بندگی ہرگز نہ کرنا بلکہ میری ہی بندگی کرنا کہ یہی صراط مستقیم ہے۔ اِس دن تمہاری عقل کی عیاری اور زبان کی طراری کسی کام نہ آ سکے گی کیونکہ تمہارے منہ پر مہر خاموشی لگا دی جائے گی اور یہ ہاتھ پاؤں جنہیں تم کج فہمی کی وجہ سے اپنا سمجھے ہوئے ہو سرکاری گواہ بن کر تمہارے خلاف مکمل شہادت دیں گے اور تو جہنم کی جس آگ کا انکار کرتا ہے اس میں ڈال دیا جائے گا۔

کتنے افسوس کی بات ہے کہ جو انسان بہترین صلاحیتیں دے کر پیدا کیا گیا۔ جسے اللہ تعالیٰ نے علم کا وہ مرتبہ عطا فرمایا کہ فرشتے اس کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے۔ جسے اس کی منزل مقصود سے آشنا کرانے کیلئے کچھ عرصہ جنت میں رکھا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھیجنے سے پہلے جس سے اپنی ربوبیت کا عہد لے لیا تا کہ زمین کی عارضی قیام گاہ میں آ کر اسے بھول نہ جائے۔ پھر اپنی مزید

رحمت فرماتے ہوئے اس عہد کی یاددہانی کرانے اور منزلِ مقصود کی طرف راہنمائی کرنے کیلئے اپنے مخلص اور منتخب بندے مبعوث کرنے کا انتظام فرمایا۔ بایں ہمہ اس کا یہ حسرت ناک انجام ہو کہ آخرت میں اسے زنجیروں میں جکڑ کر گرم پانی میں گھسیٹا جائے اور آگ کے شعلوں کے سپرد کر دیا جائے۔ پھر اس مجود ملائک کی ٹھکائی کے لئے لوہے کے ہتھوڑوں اور گرزوں سے مسلح تُرش رُو اور رخت گیر فرشتے کھڑے کر دیے جائیں۔

اے ابن آدم! تو احسان شناس بندہ بننے کی کوشش کرتا کہ تجھے ایمان کا نور نصیب ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری ماں کے رحم میں تمہاری صورت بنائی تو کیا خوب بنائی تمہیں سننے دیکھنے اور سمجھنے سوچنے والا بنایا تا کہ تو حقیقت شناس بن سکے۔ تو نے دنیا میں جس شے کی بھی خواہش کی۔ تیرے پروردگار نے تجھے عطا کر دی۔ اگر تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہے تو ان کا گننا تو درکنار تیری عقل تو ان سب کا احاطہ بھی نہیں کر سکتی۔ اللہ تعالیٰ تجھ سے اتنی محبت کرتا ہے کہ ماں کی مثالی محبت بھی اس کے سامنے ہیچ ہے لیکن تو نے اس کی کما حقہ قدر نہ کی۔ اس نے اپنی ذات کیلئے رحمت لکھ رکھی ہے اور اس کے غضب پر اس کی رحمت کا غلبہ رہتا ہے۔ تیری لغزشوں اور کوتاہیوں کے باوجود وہ رحیم و ودود آقا اپنی نعمتوں میں کمی نہیں کرتا۔ اس کی وسیع مغفرت تجھے اپنی آغوش میں لینے کیلئے ہر آن تیار رہتی ہے بشرطیکہ تو اسے اپنا رب مان کر اپنے کئے پر شرمسار ہو جائے اور اس کا دامن مضبوطی کے ساتھ تھام لے۔ اس منعم حقیقی نے اس دنیا میں جتنی نعمتیں تجھے دے رکھی ہیں اتنی کسی دوسری مخلوق کو نہیں دیں۔ اِس کی ذات تو ہر شے سے غنی ہے۔ وہ تیری عبادت اور بغاوت دونوں سے بے نیاز ہے لیکن ایک بندہ ہونے کی حیثیت سے تیرا یہ فرض بنتا ہے کہ تو اس کی ربوبیت اور الوہیت میں کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائے اور ان گنت نعمتیں عطا کرنے والے پروردگار کو اپنی محبت کا مرکز مان کر اس کے تمام احکام کو قبول کر کے سچا مسلم بن جائے۔ کوئی آقا اپنے غلام کی گستاخیوں اور نالائقیوں پر اگر اسے سزا دے تو یہ اس کا حق بنتا ہے لیکن اطاعت کرنے پر اسے انعام دینا ہرگز ضروری نہیں ہے۔ لیکن اپنے رحیم و کریم آقا کی وسیع رحمت اور بے پایاں محبت کا ذرا اندازہ کرو کہ اس نے اپنے اطاعت شعار بندوں کو نوازنے کیلئے نعمتوں سے بھرپور جنتیں تیار کر رکھی ہیں۔ یہ محض اس کا فضل ہے جو اپنی خوشنودی کے اظہار کیلئے اپنے بندوں پر

فرمائے گا۔

اے ابن آدم! تیرا حقیقی محبوب ومعبود محض اپنی رحمت کے سبب تیرے لئے کفر کی بجائے ایمان کو پسند فرماتا ہے۔اس سے صرف تیری بھلائی مقصود ہے۔ تجھے تیرا رب بڑے ہی پیار سے اور محبت بھرے انداز سے خود بینی اور خدا بینی کی دعوت دے کر آخرت کے انجام سے آگاہ فرماتا ہے۔

''اے انسان تجھ کو اپنے کرم گستر رب کے باب میں کس چیز نے دھوکا دیا۔وہی تو ہے جس نے تجھے پیدا کیا۔تیرے اعضاء کو ٹھیک کیا اور (تیرے قامت کو) معتدل رکھا اور جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا۔مگر ہیہات تم لوگ جزا کو جھٹلاتے ہو حالانکہ تم پر نگہبان مقرر ہیں۔عالی قدر لکھنے والے، جو کچھ تم کرتے ہو وہ اسے جانتے ہیں بے شک نیکو کار نعمتوں کی بہشت میں ہونگے اور بدکردار لوگ دوزخ میں۔جزا کے دن اس میں داخل ہونگے۔اور اس سے چھپ نہیں سکیں گے اور تمھیں کیا معلوم کہ جزا کا دن کیسا ہے۔پھر تمھیں کیا معلوم کہ جزا کا دن کیسا ہے۔جس روز کوئی کسی کا بھلا نہ کر سکے گا اور حکم اس روز صرف اللہ کا ہوگا''۔ (الانفطار۔6تا19)

اِنسانوں کو ان کے مقصودِ حیات سے آگاہ کرنے اور اس کے حصول کے طریقے تعلیم کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کی طرف اپنے پیغمبر بھیجے۔اِن سب کی بعثت کا ایک ہی مقصد تھا کہ انہیں صراطِ مستقیم یعنی سیدھے اور روشن راستہ پر چلنے کی دعوت دی جائے تا کہ وہ دُنیا کی محبت کے پھندوں اور شیطان کے ہتھکنڈوں سے بچتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی کامل بندگی والے آئین پر عمل پیرا ہو کر فلاحِ دارین حاصل کر سکیں۔

آئندہ صفحات میں قرآنِ کریم کی آیات اور حضور نبی رؤف و رحیم ﷺ کے فرمودات کے انوار کی مدد سے کوشش کی گئی ہے کہ قارئین کرام کو انسان کے مقام اور اس کی حقیقی منزل کا شعور ملے اور وہ اپنی صلاحیتوں کو صحیح سمت میں لگا کر اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔

وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيقُ

محمد صدیق ڈار توحیدی

بارِ امانت اور عہد الست

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

تخلیق کا مقصد

اللہ سبحانہ تعالیٰ نے انسان کو مسجود ملائکہ اور اشرف المخلوقات بنایا تو اس کے ذمے یقیناً کوئی ایسا کٹھن کام بھی لگایا ہوگا جو کسی دوسری مخلوق کے بس میں نہیں تھا۔ اس مقدس اور عظیم مہم کو سر کرنے کیلئے جو صلاحیتیں درکار تھیں وہ بھی اس علیم و خبیر مالک نے اسے عطا فرما دیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی مقصود حیات کی اہمیت کے پیش نظر اولادِ آدم سے کچھ عہد و پیمان عالم ارواح میں لے لئے تھے۔ اس باب میں ہم انہیں کے بارے میں گفتگو کریں گے اور یہ جائزہ بھی لیں گے کہ اس ازلی مشن کی تکمیل کی راہ میں کیا کیا رکاوٹیں پیش آتی ہیں اور ہم اس کے حصول میں کس طرح کامیاب ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کائنات میں اس کی اہمیت جتلانے اور اسے اس کی زندگی کے مقصد سے آگاہ کرنے کیلئے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ٥ (الذاریات۔55)

''میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں''۔

بعض مفسرین کے نزدیک یہاں بندگی یا عبادت سے مراد اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کی پابندی ہے۔ لیکن کچھ صحابہ کرام اور متاخرین کا کہنا ہے کہ لِيَعْبُدُوْنِ سے مقصود لِيَعْرِفُوْنِ یعنی اللہ تعالیٰ کی پہچان حاصل کرنا ہے اور حقیقی عبادت یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ سے بھرپور محبت کرتے ہوئے اس کی معرفت و قربت اور رضا و لقاء حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ اس طرزِ حیات کا نام ہی صراطِ مستقیم ہے اور قرآن کریم اس کی تصدیق ان الفاظ میں کرتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۔ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ٥

(ال عمران۔51)

''بے شک اللہ میرا رب ہے اور تمہارا رب بھی وہی ہے۔ اِسی کی بندگی کرو یہی ہے صراط مستقیم''۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کرنا ہی وہ سیدھا راستہ ہے جو بندے کو اللہ تعالیٰ تک پہنچاتا ہے۔ اللہ کی بندگی کی روح اس کی محبت او رمعرفت ہے کیونکہ عبادت سے مراد اگر

احکام کی اطاعت لی جائے تو پھر یہ جنوں اور انسانوں کیلئے کیونکر خاص ٹھہری۔ اس میں تو ہر مخلوق شامل ہے کیونکہ کائنات کی ہر چیز اپنے اپنے شعور کے مطابق اپنے خالق کو پہچانتی، اس کی تسبیح کرتی اور اس کی اطاعت میں لگی ہوئی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے۔

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (الجمعہ۔1)

''جو چیز آسمانوں میں ہے اور جو چیز زمین میں ہے سب اللہ کی تسبیح کرتی ہے''۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِمَا يَفْعَلُوْنَo (النور۔41)

''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں اللہ کی تسبیح کرتے ہیں اور پر پھیلائے ہوئے جانور بھی۔ سب اپنی نماز اور تسبیح کے طریقے سے واقف ہیں۔ اور جو کچھ وہ کرتے ہیں وہ اللہ کو معلوم ہے''۔

وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِo (الرحمٰن۔6)

''اور بوٹیاں اور درخت سجدہ کر رہے ہیں''

ان آیات میں انسانوں کے علاوہ دوسری مخلوق کی تسبیح، سجدہ اور صلوٰۃ کا ذکر کیا گیا ہے اور ان کی اطاعت کا یہ حال ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اپنا اپنا فرض اس طرح ادا کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے سرمو انحراف نہیں کرتا۔ یہ ہے زور آور اور زبردست اللہ کی تقدیر جس کا نباتات و جمادات کو پابند کر دیا گیا ہے۔ لیکن وہ ہمہ تن اور ہمہ وقت خالق سماوات وارض کی بے خطا اطاعت میں مصروف رہنے کے باوجود بھی اس کی محبت کی نعمت سے محروم ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی خلعت فاخرہ حضرت انسان کے وجود کے سوا کسی دوسری مخلوق پر سج ہی نہ سکی۔ اللہ رحیم وودود نے صرف انسانوں کے لئے فرمایا ہے۔ **يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ** (المائدۃ۔54) ''کہ اللہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں'' اس سے معلوم ہوا کہ انسان سے جس بندگی کا تقاضا کیا گیا ہے اس سے مراد معرفت اور محبت سے خالی مشینی قسم کی اطاعت ہرگز نہیں ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

تقدیر کے پابند ہیں نباتات و جمادات
مومن فقط احکامِ الٰہی کا ہے پابند

عرض امانت

بندگی کی اس حقیقت کو مزید واضح کرنے کے لئے سورت الاحزاب کی آخری دو آیتوں کا بغور مطالعہ بہت ضروری ہے جن میں ایک خاص امانت کا ذکر کیا گیا ہے جسے حضرت انسان نے قبول کیا۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ط اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًاo لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ط وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًاo (الاحزاب72تا73)

''ہم نے امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کو دکھائی تو انہوں نے قبول نہ کیا کہ اس کو اٹھائیں اور اس سے ڈر گئے۔اور انسان نے اس کو اٹھا لیا۔بے شک وہ ظالم اور جاہل تھا۔تاکہ اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے۔اور اللہ مومن مردوں اور مومن عورتوں پر مہربانی فرمائے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے''

ان آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ آسمانوں،زمین اور پہاڑوں نے اس امانت کو دیکھا تو اس کی بھاری ذمہ داری کو قبول نہ کیا اور ناکامی کی صورت میں جو سزا ملنی تھی اس سے ڈر گئے۔قرآن کریم کے ان الفاظ سے ہی یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ معاملہ احکام کی اطاعت کا نہ تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں کئی مقامات پر یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ آسمانوں اور زمین میں حکمرانی صرف اللہ تعالیٰ کی ہے اور یہ بھی کہ ہر چیز خوشی کے ساتھ اس کی تابع فرمان ہے تو پھر امانت کو نا لینے اور اس سے ڈرنے کی کیا بات تھی۔اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصل مسئلہ اپنے اعمال کے لئے ذمہ دار ٹھہرائے جانے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کو کمال تک پہنچانے کے کٹھن امتحان کا تھا اور جو بھی مخلوق اس چیلنج کو قبول کرتی اسے اس کے اعمال کے لئے ذمہ دار قرار دے کر جزا و سزا کا مستحق قرار دیا جانا تھا۔اس جرات آزما ذمہ داری اور امتحان سے پیچھے آزمائی کے لئے کوئی آگے نہ بڑھا لیکن حضرت انسان جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا ہی اپنی محبت اور زمین کی خلافت سنبھالنے کے لئے کیا تھا وہ

مصائب کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اور انجام سے بے خطر شہادت گاہ الفت میں کود پڑا اور ظالم و جاہل کہلایا۔علامہ اقبالؒ شکوہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

سختیاں کرتا ہوں دل پر غیر سے غافل ہوں میں
ہائے کیا اچھی کہی ظالم ہوں میں جاہل ہوں میں

ظالم و جاہل اس لئے فرمایا کہ انسان کے اس فیصلے سے زندگی اس کے لئے ایک کٹھن آزمائش کی حیثیت اختیار کر گئی ہے۔اب جو لوگ محبت کی امانت کو اس کے اصل مالک اللہ تعالیٰ کے لئے وقف کر کے اس کی حفاظت نہیں کریں گے یا اس میں غیر مستحق ہستیوں کو شریک کر لیں گے تو وہ گویا امانت میں خیانت کے مرتکب ہونگے۔اسی لئے دوسری آیت میں فرمادیا گیا تا کہ اللہ تعالیٰ منافقین اور مشرکین مرد و زن کو اس جرم کی سزا دے گا اور مومن مردوں اور مومن عورتوں پر پیمان محبت وفا کرنے کے عوض رحمت فرمائے گا اور انہیں انواع واقسام کی نعمتوں سے نوازے گا۔ان آیات کا ایک ایک جزو اس خاص امانت کو اللہ تعالیٰ کی محبت ثابت کر رہا ہے۔اب ہر انسان کو حیات ارضی کے دوران بہت زیادہ محتاط رہنے اور ہر قدم پھونک پھونک کر رکھنے کی ضرورت ہے تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کر سکے۔قرآنی فرمان:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (التین۔4)

کے مطابق اللہ تعالیٰ نے انسان کو احسن تقویم یعنی اعلیٰ صلاحیتوں کے ساتھ پیدا کیا ہے اس لئے بجا طور پر اس سے احسن عمل کی توقع رکھتے ہوئے ارشاد ہوا۔

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ”اللہ تعالیٰ نے موت و حیات کو اس لئے پیدا کیا تا کہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون احسن اعمال بجالاتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی راہنمائی کیلئے کتاب نازل فرمائی اور ارشاد ہوا۔**وَاتَّبِعُوْۤا اَحْسَنَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ** (الزمر۔55)”جو کتاب تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اس کے احسن احکام کی پیروی کرو“اور مزید احسان فرماتے ہوئے اپنے حبیب اور بنی نوع انسان کے محسن اعظم ﷺ کی اطاعت و اتباع کا راستہ دکھاتے ہوئے فرمایا۔ **وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ** o(البقرۃ۔195)اور تم

احسن کارکردگی دکھاؤ۔بے شک اللہ محسنین سے محبت کرتا ہے۔اتنے سارے احسن عوامل اکٹھے ہو جانے کی بناء پر مومن کیلئے مرتبہ احسان تک پہنچنے کے امکانات بڑے روشن ہیں۔اگر وہ اللہ کی محبت، کثرت ذکر اور تسلیم و رضا والی زندگی اختیار کر لے تو وہ مرتبہ و مقام حاصل کر سکتا ہے جہاں اللہ کی حضوری اور اس کے قرب کی دولت نصیب ہوتی ہے۔اس عظیم کامیابی پر انہیں آخرت میں بھی اعلیٰ قسم کی جنتیں عطا کی جائیں گی جن کی بشارت **هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ** o(الرحمٰن۔60)میں دی گئی ہے کہ ''احسن اعمال کا بدلہ احسن جزا کے سوا کچھ نہیں ''جو انسان اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ظاہری اور باطنی صلاحیتوں اور کامل ہدایت کے لئے کئے گئے انتظامات سے پورا فائدہ نہ اٹھائیں گے ان کے لئے فرمان ہوا۔

اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَل (الاعراف۔179)''وہ چار پایوں کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ''ایسے لوگوں کو ہی ظلوم اور جہول کہا گیا ہے۔کیونکہ ظلوم اسی کو کہا جاتا ہے جو عدل کی صلاحیت اور مواقع ہوتے ہوئے بھی ظلم کرے اور جہول وہ ہے جو کھلی اور واضح نشانیاں دیکھتے ہوئے بھی اپنی آنکھیں بند کر لے اور جہالت اور غفلت کو پسند کرے۔اسی لئے اوپر دی گئی آیات میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کو ظلم و جہل اور شرک و نفاق سے بری قرار دیتے ہوئے ان سے رحمت اور مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے۔

عہد الست

بار امانت کی تفویض کے علاوہ ایک خصوصی عہد کا ذکر بھی قرآن کریم میں آیا ہے جو روز ازل ہی تمام ارواح انسانی سے لیا گیا تھا۔اس کے اغراض و مقاصد بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ o اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْ بَعْدِهِمْ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ o وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ o (الاعراف172تا174)

''اور جب تمہارے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد نکالی تو ان سے خود ان کے مقابلے میں اقرار لیتے ہوئے پوچھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔انہوں نے کہا کیوں نہیں ہم گواہ ہیں۔تا کہ قیامت کے دن کہیں یوں نہ کہنے لگو کہ ہم کو تو اس کی خبر ہی نہ تھی۔یا یہ نہ کہو کہ شرک تو پہلے ہمارے بڑوں نے کیا تھا اور ہم تو ان کی اولاد تھے جو ان کے بعد پیدا ہوئے۔تو کیا جو کام وہ اہل باطل کرتے رہے اس کے بدلے آپ ہمیں ہلاک کرتے ہیں اور اس طرح ہم آیات کھول کھول کر بیان کرتے ہیں تا کہ یہ رجوع کریں''۔

اولادِ آدم کی ارواح سے جو بھی عہد و پیمان لئے گئے خواہ وہ میثاق انبیاء ہوں یا عام انسانوں کی ارواح کا عہدالست ہو لیکن ایک بات بلا شک وشبہ کہی جا سکتی ہے کہ مادی زندگی سے پہلے ہی ان کا انعقاد ان کی خصوصی اہمیت ثابت کرنے کیلئے کافی ہے اور یہ بھی کہ اس عہد و پیمان کا ہماری زندگی کے ساتھ یقیناً بڑا گہرا تعلق ہے۔

ان کا ذکر قرآن کریم میں اسی لئے کیا گیا ہے تا کہ انسان اپنے من کی دنیا میں غوطہ زن ہو کر عہدالست کی آواز کو سنے اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور اطاعت کی راہ پر گامزن ہو کر دنیا و آخرت میں سرخرو ہو جائے۔اوپر دی گئی آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولادِ آدم سے اپنی ربوبیت کا عہد لیا اور بلا استثناء ہر روح نے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب تسلیم کیا۔اس سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ ہر انسان ازلی طور پر سعید ہے۔لیکن یہی انسان جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی بندگی کیلئے پیدا فرمایا، جس نے تائیدِ ایزدی سے اللہ تعالیٰ کی محبت کی امانت کو سینے سے لگایا، جس نے اللہ تعالیٰ کو رب مان کر اس کی بندگی یا غلامی کرنے کا عہد کیا وہ حیات ارضی کے دوران راہ راست سے بھٹک کیوں جاتا ہے اس کا بیان آگے چل کر کریں گے۔یہاں ایک فکرانگیز سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان کے بارے میں پہلی بات تو یہ فرمائی گئی کہ میں اسے زمین میں خلیفہ بنانے لگا ہوں۔دوسری یہ کہ میں نے اسے اپنی عبادت یعنی غلامی کیلئے پیدا کیا ہے اور تیسری یہ کہ اس نے محبت کی بھاری امانت اٹھا کر اپنے اعمال کی ذمہ داری قبول کر لی۔لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ جب اس سے عہد لیا گیا تو اس میں خلافت، عبادت اور امانت کا ذکر تک نہیں کیا گیا۔عہد لیا گیا تو صرف اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ کو اپنا رب تسلیم کرتے ہو؟ اس سے یہ حقیقت ہمارے سامنے آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنا

رب مان لینا ایک ایسا فیصلہ ہے جسے دین اسلام میں بُنیادی حیثیت حاصل ہے اور یہ بھی کہ اللہ تعالٰی کو اپنا رب یعنی آقا و مالک تسلیم کئے بغیر خلافت، عبادت اور امانت میں سے کسی ایک کی ذمہ داری بھی کماحقہ پوری نہیں کی جاسکتی۔ یہی وجہ ہے کہ تمام ارواح سے اللہ کو اپنا رب ماننے کا عہد لیا گیا۔ جو بھی انسان اس عہد پر قائم رہے گا وہ اپنی تخلیق کے مقصد کو پورا کر کے فائز المرام ہو جائے گا۔ اس سے پہلے کسی خطبے میں ہم "رب اور عبد" کے عنوان کے تحت یہ وضاحت کر چکے ہیں کہ رب کے معنی کسی چیز کو درجہ بدرجہ کمال تک پہنچانے والی ہستی کے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی رب کے معنی محبوب آقا اور پیارے مالک کے بھی ہیں۔ اس کے مقابلے میں عبد کے معنی غلام کے ہیں۔ یعنی ایسا شخص جو کسی دوسرے کی ملکیت ہو۔ لہٰذا انسان کا کسی ہستی کو اپنا رب تسلیم کر لینا اس بات کا اعتراف ہوتا ہے کہ وہ اس کا عبد یا غلام ہے۔ اسی طرح اگر کوئی انسان یہ اقرار کرے کہ میں فلاں کا عبد ہوں تو اس سے یہ واضح ہو جائے گا کہ وہ اس ہستی کو اپنا رب یا آقا مانتا ہے۔ میثاق الست سے ہر انسان پابند ہو چکا ہے کہ وہ دنیا میں اللہ تعالٰی کا مطیع اور تابع فرمان بن کر رہے گا، سب سے زیادہ محبت بھی اسی سے کریگا اور زمین پر اس کی حکمرانی قائم کر کے خلافت ارضی کا حق ادا کریگا۔

اب تک ہم عالم ارواح میں ہونے والے جو تین اہم واقعات بیان کر چکے ہیں وہ یہ ہیں۔

1۔ اللہ تعالٰی نے انسان کو محبت اور معرفت والی اطاعت کیلئے پیدا فرمایا۔

2۔ انسان نے اللہ کی محبت کی رکھوالی اور اپنے اعمال کی ذمہ داری قبول کر لی۔

3۔ ہر انسان اللہ تعالٰی سے یہ عہد کر کے آیا ہے آپ ہی میرے رب اور میرے محبوب ہیں اور صرف آپ ہی کی بندگی یا غلامی کرونگا۔

اُوپر دی گئی آیات میں عہد الست کی غرض و غایت یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ اس عہد کے بعد کوئی انسان خواہ وہ کسی ملک اور کسی زمانے میں پیدا ہوا ہو قیامت کے دن یہ نہیں کہہ سکے گا کہ مجھے اس بات کی خبر نہ تھی کہ اللہ میرا رب ہے اور اس کا عبد ہونے کی حیثیت سے مجھے اس کی فرماں برداری کرنی تھی۔ چونکہ اس دن مادی ظلمتوں کے سارے پردے اُٹھ جائیں گے اور ہر روح کو عہد الست یاد آ جائے گا۔ اسی طرح اس عہد کے بعد ہر انسان پابند ہو چکا ہے کہ وہ اللہ تعالٰی کی الوہیت اور ربوبیت میں کسی کو شریک نہ کرے اور اس معاملے میں وہ مشرک آباؤ اجداد کی تقلید ہر

گرز نہ کرے۔ کیونکہ ہر فرد ذاتی طور پر عہد کی پابندی کا ذمہ دار ہے اور بزرگوں کی تقلید اور زمانے کے ماحول کا بہانہ کسی کام نہ آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ تفصیل بیان فرما دی ہے تا کہ انسان اپنے رب سے کئے ہوئے عہد کی طرف رجوع کر لے اور آخرت کی شرمساری اور خواری سے بچ جائے۔

حیات ارضی کا آغاز

پہلے جو کچھ بیان ہوا یہ سارا معاملہ حقیقت انسان یعنی روح کے ساتھ پیش آیا۔ تمام انسانی ارواح روز ازل ہی پیدا کر دی گئی تھیں۔ وہ جس مقام پر اکٹھی ہیں اسے روح اعظم یا روح بسیط کہا جاتا ہے۔ وہاں سے ہر روح اللہ تعالیٰ کے حکم پر اس مادی دنیا میں آتی اور معین مدت گذار کر اپنے اعمال کے مطابق عالم مثال کے کسی طبقے میں قیامت تک کیلئے قیام پذیر ہو جاتی ہے۔ عالم امر کے لطیف طبقے روح بسیط سے مادی جسم کے لباس میں ظہور پذیر ہونے کیلئے انسانی روح عالم امر، عالم مثال اور عالم مادی کے بیسیوں طبقات سے گذرتی ہوئی آتی ہے اور اپنی خلقی استعداد کے مطابق ہر طبقہ سے مناسب اثرات سمیٹتی ،لطیف سے کثیف اور کثیف تر ہوتی ہوئی آخر کار مادی جسم کے غلاف میں لپٹی رحم مادر سے باہر آتی اور حیات ارضی کا آغاز کرتی ہے۔ قرآن کریم کی سورۃ والتین میں اس حقیقت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ" ہم نے انسان کو احسن تقویم میں پیدا کیا اور پھر اسے اسفل السافلین یعنی پست سے پست حالت میں لوٹا دیا۔ اس سے وہی نکل پائیں گے جو ایمان لا کر صالح اعمال بجا لائیں گے اور ان کیلئے بے انتہا اجر ہوگا"۔ اس مادی دنیا میں انسان کی زندگی کا کمال یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی لقاء حاصل کرے۔ اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ مادی اور نفسانی کثافتوں سے باہر نکلے۔ متاع غرور کی محبت کو چھوڑے اور رشتہ و پیوند کے بتوں کو توڑ کر قلبی طور پر صرف اللہ کا ہو کر رہ جائے۔

کمال زندگی دیدار ذات است
طریقش رستن از بند جہات است

اللہ تعالیٰ کے دیدار کی بابت یہ نکتہ ذہن نشین کر لیں کہ یہ دولت ہر کسی کو اس کی خلقی استعداد اور روحانی ظرف کے مطابق ہی عطا کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قضا و قدر کے تحت ہر انسان کو مختلف روحانی صلاحیت اور استعداد عطا کر رکھی ہے۔ اس نے جس طرح ہماری ظاہری صورتیں ایک

دوسرے سے مختلف بنائی ہیں بلکہ کمال یہ ہے کہ ایک انسان کی انگلیوں کے نشان ،اس کے بالوں کی بناوٹ اوراس کے خلیوں کی ساخت تک کسی دوسرے انسان سے نہیں ملتی ۔اسی طرح ہماری روحانی صورتیں بھی ایک دوسرے سے نہیں ملتیں ۔ ہرانسان اپنی خلقی استعداد کے مطابق جنت کے ایک خاص مقام تک پہنچنے کیلئے مکلّف ہے ۔جیسا کہ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَانُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ٥ (الاعراف ۔42)

’’اور جولوگ ایمان لائے اور عمل نیک کرتے رہے اور ہم عملوں کے لئے کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے ۔ایسے ہی لوگ اہلِ بہشت ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے‘‘

اس خاص مقام کو اس روح کا مقامِ محمود کہتے ہیں ہر روح جب روح بسیط سے مادی دنیا کی طرف آتی ہے تو اسے کچھ دیر کیلئے مقامِ محمود پر ٹھہرایا جاتا ہے تا کہ وہ اپنی منزلِ مقصود سے اچھی طرح آشنا ہو جائے ۔اس دنیا میں آ کر اس کے لئے فلاح کا ایک ہی راستہ ہے کہ وہ اللہ سے کئے ہوئے عہد و پیمان کی پابندی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب تسلیم کر لے اور اس کے رسول علیہ الصلوۃ والسلام کی اتباع میں زندگی گزارے تا کہ اللہ کی محبت کا جوہر اپنے کمال کو پہنچ جائے اور اس کا مالک اس سے راضی ہو جائے ۔

مس خامے کہ دارم از محبت کیمیا سازم
کہ فردا چوں رسم پیش تو ازمن ارمغاں خواہی

’’آپ نے مجھے جو خام تانبا عطا کیا تھا میں اسے محبت کے بل بوتے پر کیمیا بنا رہا ہوں تا کہ کل جب آپ کے سامنے حاضر ہونگا تو آپ پوچھیں گے کہ دنیا سے میرے لئے کیا تحفہ لائے ہو‘‘

اس عالمِ خاک میں اولادِ آدم کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ یک جہت اور یکرنگ نہیں ہو سکتی کیونکہ اسے نباتات اور جمادات کی طرح جبری تقدیر کا پابند نہیں بنایا گیا ۔اللہ تعالیٰ نے اپنی مرضی سے آزادیٔ عمل کا جو اختیار اسے دے رکھا ہے اس کی وجہ سے انسانوں کے اعمال میں وسیع اختلاف اور آخرت مین ان کے درجات میں عظیم فرق واقع ہوتا ہے ۔قرآن کریم میں بیان کئے گئے قانون: **لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى** (النجم ۔39) کے مطابق ہر انسان اللہ تعالیٰ کی راہ میں جتنی

محنت اور جدو جہد کریگا اتنا ہی اس کا روحانی مرتبہ بلند اور وہ اللہ کے قریب ہوتا جائے گا۔ جو انسان دنیا میں آ کر اللہ تعالیٰ کو بھول کر ہوا و ہوس اور نفس کا غلام بن جائے گا وہ عبد الطاغوت یعنی شیطان کا بندہ قرار پائے گا اور آخرت میں جہنم اس کا ٹھکانا ہوگا۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ اپنی تصنیف حجۃ اللہ البالغہ میں احدیّت کے اسرار کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

مَامِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّاوَقَدْ كُتِبَ لَهٗ مَقْعَدُهٗ مِنَ النَّارِ وَمَقْعَدُهٗ مِنَ الْجَنَّةِo

"یعنی تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جس کا ٹھکانہ دوزخ اور جنت میں لکھا ہوا نہ ہو"

ان دو مقاموں کے درمیان ہی ہر انسان کے لئے سعی اور جدو جہد کا میدان ہے۔ جو انسان اس زندگی ہی میں اپنے مقام محمود پر پہنچ جاتے ہیں اللہ ان سے راضی ہو جاتا ہے اور جو جتنا اپنی منزل سے دور یعنی نیچے رہ جائے وہ اتنا ناکام سمجھا جائے گا۔ اب تک جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے آپ اچھی طرح سمجھ گئے ہونگے کہ ہر انسان کے اندر اس کی روح وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کا دیدار کر کے اور اس کی محبت سے بھرپور بندگی والی زندگی گذارنے کا اقرار کر کے یہاں آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی زندگی کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَفِى الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِلْمُوْقِنِيْنَo وَفِىْ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَo

(الذاریات۔20 تا 21)

"اور زمین میں اہل یقین کے لئے میری نشانیاں ہیں اور تمہارے اپنے نفسوں کے اندر بھی۔ کیا تم دیکھتے نہیں"

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرما رکھا ہے کہ زمین اور آسمانوں میں جو کچھ بھی ہے وہ سب تمہارے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ یہ ایک اصول ہے کہ صنعت سے صانع کی اور مخلوق سے خالق کی پہچان حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے انسان کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ کائنات کی ہر چیز کی حقیقت کو سمجھ کر اسے اپنی خدمت میں لگائے۔ اس سے نہ صرف مادی طور پر قوت و شوکت حاصل ہوگی بلکہ انسان اللہ تعالیٰ کی محبت اور معرفت کے سفر میں بھی برابر آگے بڑھتا چلا جائے گا۔ مادی قوتوں کی تسخیر کے لئے یہ ضروری ہے کہ انسان اپنے اردگرد پھیلی ہوئی کائنات اور اس کی ہر شے میں

دلچسپی لے اور تمام مظاہر فطرت میں تدبر و تفکر کرے۔اس کام کے لئے انسان کو نفس عطا کیا گیا ہے۔نفس خواہشات کا منبع ہے اور وہ خواہشات کی تسکین کے لئے انسان کو تسخیر و تعمیر کی نئی نئی راہیں دکھاتا رہتا ہے۔لیکن اس کی سرشت میں جو بغاوت اور شرارت ہے اس کی وجہ سے وہ اسے اللہ تعالیٰ کی بندگی سے ہٹا کر مادی خواہشات کے اندھیروں میں گم بھی کرسکتا ہے۔اس خطرے سے نمٹنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کے دامن کو مضبوطی کے ساتھ تھام کر جادۂ شریعت پر چلتا رہے کیونکہ صراط مستقیم سے ہٹانے کیلئے قدم قدم پر شیطانوں کے کارندے یہاں موجود ہیں۔اللہ تعالیٰ نے حیات ارضی کے آغاز پر جو تنبیہہ اولاد آدم کو کی اس کا ذکر قرآن کریم میں دو جگہ کیا ہے تا کہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ کامیابی اور سلامتی کا راستہ کونسا ہے۔

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ٥ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ٥ (البقرہ 38 تا 39)

"جب ہم نے فرمایا کہ تم سب یہاں سے اُتر جاؤ۔جب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو اس کی پیروی کرنا۔جنہوں نے میری ہدایت کی پیروی کی ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے اور جنہوں نے اسے قبول نہ کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ دوزخ میں جانے والے ہیں اور وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے"۔

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَاىَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ٥ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ٥ (طہ۔123، 124)

"فرمایا کہ تم دونوں یہاں سے نیچے اُتر جاؤ۔تم میں بعض بعض کے دشمن ہونگے۔پھر میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آئے تو جو شخص میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ تکلیف میں پڑے گا اور جو میری نصیحت سے منہ پھیرے گا اس کی زندگی تنگ ہو جائے گی اور قیامت کو ہم اسے اندھا کر کے اُٹھائیں گے"۔

ان آیات سے واضح ہو گیا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی ہدایت کا اتباع

Markaz Taameer-i-millat, Waheed colony, Kot Shahan, Gujranwala, Pakistan. Contact: +92-0344-9000042
Silselah-i-Tauheediyah, Website: http://www.tauheediyah.com/

کریں گے وہ ہر لحاظ سے کامیاب ہو جائیں گے اور جنہوں نے اس سے روگردانی کی انہیں قیامت کے دن اندھا کر کے اُٹھایا جائے گا اور ان کا ٹھکانہ جہنم میں ہوگا۔

اپنے رب کے بندے بنو

انسان کو چاہئے کہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے دئے ہوئے ظاہری اور باطنی حواس کو بروئے کار لا کر اپنے رب اور اس کی ہدایت کو پہچانے اور اس کے رسول ﷺ کا اتباع کر کے دنیا میں بھی امن و امان اور عزت و آبرو سے زندہ رہے اور آخرت میں بھی بلند مرتبے پائے۔ یہ تو بڑی سیدھی سی بات ہے کہ جو ہستی کسی چیز کو عدم سے وجود میں لاتی ہے وہی اس کی مالک قرار پائے گی۔ اللہ تعالیٰ چونکہ کائنات کا خالق ہے اس لئے وہی اس کا رب یا مالک ہے اور وہی اس کا الہ یعنی فرمارو ا ہے۔ اس حقیقت کو تسلیم کر لینا ایمان کی بنیاد ہے۔ انسان چاہے تسلیم کرے یا نہ کرے قرآن کریم کی سورت الناس کے مطابق اللہ تعالیٰ ہی **رَبِّ النَّاسِ، مَلِكِ النَّاسِ اور اِلٰهُ النَّاس** ہے۔ لیکن حیات ارضی کے دوران نسل انسانی اپنے خالق کی عطا کردہ انتخاب و اختیار کی آزادی کے استعمال میں اختلاف کرتی ہے۔ ایک گروہ اللہ تعالیٰ کو اپنا خالق اور رب مان کر صراط مستقیم پر چل پڑتا ہے اور دوسرا گروہ اللہ تعالیٰ کو اپنا خالق ہی تسلیم نہیں کرتا اور گمراہ ہو جاتا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ فَمِنْکُمْ کَافِرٌ وَّمِنْکُمْ مُّؤْمِنٌ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ o (التغابن۔2)

"وہی تو ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر تم میں سے کسی نے تمہیں مانا اور کسی نے مان لیا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھتا ہے"۔

اپنے پیدا کرنے والے اللہ ہی سے انکار کرنے والے ناقدر شناس گروہ کی کج فہمی اور بے عقلی کا جس قدر بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔ ایسے ناشکرے انسانوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ o
(الانفال۔55)

"جانداروں میں سب سے بدتر اللہ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو کافر ہیں سو وہ ایمان نہیں لاتے"۔

جولوگ اللہ تعالیٰ کو اپنا خالق اور مالک نہیں مانتے وہ اپنی خواہشات کے غلام اور شیطان کے پیروکار بن کر رہ جاتے ہیں۔اس طرح وہ لحظہ بہ لحظہ اپنے رب سے دور ہوتے چلے جاتے ہیں۔ سورت الواقعہ میں اللہ تعالیٰ جہنمیوں کو ملنے والی سزاؤں کی تفصیل بیان کرتے کرتے ایکدم فرماتے ہیں۔ **نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ**o (الواقعہ۔57) ''ہم نے تم کو پیدا کیا ہے تو تم اس حقیقت امری کو کیوں سچ نہیں سمجھتے؟''یعنی اگر تم اس بنیادی بات کو تسلیم کرلو تو تم پر ہدایت کی راہ کھل جائے اور ان عذابوں سے بچ جاؤ۔

اللہ تعالیٰ کا کوئی بھی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔اس نے اولادِ آدم کی ارواح سے جو عہد الست لیا وہ بے مقصد تو نہیں ہوسکتا۔اگرچہ عام انسانوں کو شعوری طور پر اس عہد کی کوئی بات یاد نہیں ہوتی لیکن اس کے اثرات ہر انسان کے لاشعور پر ثبت ہوتے ہیں اور اس مادی دنیا میں آ کر اپنا مطاع اور محبوب تلاش کرنے کی اُمنگ اس میں ضرور اُبھرتی ہے۔یہ علیحدہ بات ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کھلی آیات کو نظر انداز کر کے غلط فیصلہ کرے اور اپنے خالق کی بجائے کسی مخلوق کو اپنا رب قرار دے کر اس کی محبت میں گرفتار ہو جائے۔میثاق ازل کے زیر اثر کئی دہریہ قسم کے دانشور بھی کلمہ حق کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔بڑے بڑے مغربی سائنسدانوں کا شروع ہی سے یہ موقف تھا کہ اگر یہ کائنات قدیم ہے یعنی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی تو پھر کسی خالق کے وجود کی کوئی ضرورت اور گنجائش نہیں ہے۔اس کے برعکس اگر یہ ثابت ہو جائے کہ کائنات حادث ہے یعنی کسی وقت پیدا کی گئی ہے تو پھر اس کے پیدا کرنے والی کسی ہستی کے وجود کو تسلیم کرنا ضروری ہو جائے گا۔اب جب کہ دنیا بھر کے سائنسدانوں نے یہ حقیقت تسلیم کر لی ہے کہ یہ کائنات قدیم نہیں ہے بلکہ اس کی تخلیق کی ابتدا آج سے تقریباً بارہ سے اٹھارہ ارب سال قبل ہوئی تھی۔اس طرح دہریت کا بت ریزہ ریزہ ہو کر رہ گیا ہے۔جان کلوورمونز ما کی لکھی ہوئی ایک کتاب "The Existance of God in the Expanding Universe" جس کا اُردو ترجمہ "خدا موجود ہے" کے عنوان سے دستیاب ہے میں بڑے ہی ایمان افروز بیانات درج ہیں۔اس میں ایک ماہر ریاضیات و فلکیات مرلن گرانٹ سمتھ کا بیان ہے کہ "اگر خدا موجود ہے تو وہ صرف ہمارا پیدا کرنے والا ہی نہیں ہے بلکہ ہمارا مالک و آقا (یعنی رب) بھی ہے۔اس لئے ہمیں اس

کے دونوں قسم کے پسندیدہ افعال واعمال کے بارے میں معلومات حاصل کرنی چاہئیں ۔یعنی ان افعال کے بارے میں بھی جن کا تعلق براہ راست خدا سے ہے اور ان کے بارے میں بھی جن کا تعلق ہم جنس انسانوں سے ہے"۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ عقل سلیم کے حامل ایک دانشور کے دل کی آواز دین فطرت اور شریعت سے کس قدر ہم آہنگ ہے ۔اللہ تعالیٰ کے دین میں بھی انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی بندگی کی دعوت فطری انداز اور منطقی استدلال کے مطابق ہی دی جاتی ہے ۔

مندرجہ ذیل آیات قرآنی میں اسلوب دعوت ملاحظہ فرمائیں ۔

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِيْلٌo (الزمر ۔62)

"اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز کا نگران ہے"۔

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَیْءٍo (الانعام ۔164)

"آپ کہہ دیں کہ کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں اور وہی تو ہر چیز کا رب ہے"۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰی تُؤْفَكُوْنَo (المومن ۔62)

"یہی ہے اللہ تمہارا رب جو ہر چیز کا خالق ہے ۔اس کے سوا کوئی الہٰ نہیں پھر تم کہاں بھٹک رہے ہو"۔

میثاق الست کی وجہ سے انسان کے اندر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے ساتھ روحانی محبت اور فطری کشش موجود ہے ۔اور اللہ تعالیٰ اپنی ربوبیت کی شان کی طرف متوجہ کر کے بنی نوع انسان کو اپنی عبادت کی طرف بلاتا ہے تا کہ وہ لاشعوری لگاؤ کی وجہ سے اس دعوت پر لبیک کہے ۔قرآن مجید فرقان حمید کا انداز دعوت دیکھئے ۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَo (البقرہ ۔21)

"اے لوگو اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تا کہ تم بچ جاؤ"۔

یہ دعوت پوری نسل انسانی کو دی جا رہی ہے اور فرمایا جا رہا ہے کہ اپنے رب کی عبادت کرو جو نسل انسانی سمیت پوری کائنات کا رب ہے۔ یہاں ربکم یعنی تمہارا اپنا رب اس لئے فرمایا گیا ہے کیونکہ ہر انسان اللہ کو اپنا رب ازل ہی سے تسلیم کر چکا ہے۔ اور اس دنیا میں آ کر میثاق ازل کی تجدید کا نام ہی ایمان ہے اور یہی اللہ کے رسولوں کی دعوت رہی ہے۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ o (الحدید۔8)

''اور تم کیسے لوگ ہو کہ اللہ پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ اس کے رسول تمہیں بلا رہے ہیں کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ۔ اور اگر تم کو باور ہو تو وہ تم سے اس کا عہد بھی لے چکا ہے''۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ o (البقرہ۔28)

''تم اللہ کی ذات سے کیونکر منکر ہو سکتے ہو حالانکہ تم حالت موت میں تھے تو اس نے تم کو زندہ کیا پھر وہی تم کو موت دیگا پھر وہی تم کو زندہ کریگا پھر اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے''۔

قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت یعنی اس کی محبت و اطاعت کی دعوت کے نظام میں میثاق ربوبیت کو مرکزی اہمیت حاصل ہے۔ زبانی دعوت اور روحانی فیض دونوں کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ انسان کے اندر عہد الست کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی جو محبت اس کے دل میں گھر کر چکی ہے اسے بیدار کر کے حصول کمال کی راہ پر ڈال دیا جائے۔ نزول قرآن کی پہلی وحی ہو یا انسانوں کو اللہ کی طرف بلانے کا حکم ہو یا لوگوں کا اس پر چلنے کا معاملہ ہو ہر جگہ ربوبیت کے تعلق کا حوالہ موجود نظر آتا ہے۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ o (العلق۔1)

''اے محمد ﷺ اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیا''۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ o (النحل۔125)

''آپ لوگوں کو اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور پیاری پیاری نصیحت سے بلائیے''۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًاo (المزمل۔19)

''یہ قرآن تو یاددہانی ہے سو جو چاہے اپنے رب تک پہنچنے کا راستہ اختیار کرلے''۔

اللہ تعالیٰ کو اپنا رب یعنی آقا و مالک مان لینے پر ہی انسان کی کامیابی کا انحصار ہے۔ ایمان لا چکنے کے بعد بھی مومن کیلئے یہ اشد ضروری ہے کہ عہد الست اس کے شعور میں ہر دم تازہ رہے جس کیلئے پنجوقتہ نماز فرض قرار دی گئی ہے۔ اس اہم ترین رُکن اسلام کے قیام و قومہ اور رکوع و سجود میں بار بار اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا ہی اقرار کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو رب مان کر اس پر قائم رہنا ہی حقیقی کامیابی کی ضمانت ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَo اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا جَزَآءً ۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَo (الاحقاف۔13۔14)

''جن لوگوں نے اقرار کیا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر قائم رہے تو ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے یہی اہل جنت ہیں کہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ یہ اس کا بدلہ ہے جو وہ کیا کرتے تھے''۔

جب انسان اللہ تعالیٰ کو اپنا رب تسلیم کر لیتا ہے تو وہ اپنے نفس سمیت ہر شے کی اطاعت سے منہ موڑ کر اللہ تعالیٰ کی غلامی میں داخل ہو جاتا ہے اور کائنات کی ہر چیز سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے اسے محبت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بعد رسول اللہ ﷺ کی ذات اس کی محبت کا مرکز ہوتی ہے اور باقی ساری محبتیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نسبت سے ہوتی ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شدید محبت ہی کو ایمان کی علامت قرار دیا گیا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ط (البقرۃ۔165)

''اور لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو شریک بناتے اور ان سے اللہ کی سی محبت کرتے ہیں اور جو ایمان والے ہیں وہ شدید محبت اللہ سے کرتے ہیں''

دین اسلام کے بنیادی عقائد انسان میں اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور آخرت کی زندگی سے

محبت کا شعور پیدا کرتے ہیں اور اس کی ساری فرض عبادات دنیا کی محبت کو چھڑانے اور اللہ تعالیٰ کی محبت بڑھانے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ مومن کے دل میں جس قدر اللہ تعالیٰ کی محبت اور اخلاص ہوگا اسی نسبت سے اس کے اعمال کی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبولیت ہوگی۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کو اعمال کی روح کی حیثیت حاصل ہے۔

عقل ودل ونگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق
عشق نہ ہوتو شرع ودیں بتکدہ تصورات

حضور سید الانبیاء احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ کے حبیب ہوتے ہوئے بھی اللہ سے اس کی مزید محبت طلب فرمایا کرتے تھے۔ احادیث میں طلب محبت کے ضمن میں آپ کی دو دعائیں روایت کی گئی ہیں۔ پہلی یہ ہے۔

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِی حُبَّکَ وَحُبُّ مَنْ یَّنْفَعُنِي فِیْ حُبِّکَ ''یااللہ آپ مجھے اپنی محبت عطا فرماتے جائیں اور ایسے شخص کی محبت بھی جو آپ کی محبت کے حصول میں مجھے نفع پہنچائے''۔ یہاں اللہ سے اللہ کی محبت کے سلسلے میں فائدہ پہنچانے والے نیک بندوں کی محبت بھی مانگی گئی ہے کیونکہ اللہ والوں سے محبت من دون اللہ نہیں بلکہ فی سبیل اللہ ہوتی ہے۔ دوسری دُعا کے الفاظ اس طرح بیان کئے گئے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ اُرْزُقْنِی حُبَّکَ وَاجْعَلْھَا اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَفْسِیْ وَاَھْلِی وَمَالِیْ وَمِنْ مَّـاءِ بَـارِدٍ۔ ''یااللہ مجھے اپنی محبت عطا فرماتے جائیں اور اسے میرے نزدیک میری جان، اہل وعیال، مال و دولت اور ٹھنڈے پانی سے بھی عزیز تر کردیں۔ حضور نبی رحمت ﷺ جن کے اتباع کے بغیر اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہو ہی نہیں سکتی انکی عملی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ ایک لحظہ کے لئے بھی اس کی یاد سے غافل نہ ہوتے تھے۔ آپ جب استراحت فرماتے تو صرف آنکھیں سوتی تھیں لیکن دل کبھی نہ سوتا تھا۔ آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کی راحت کا سامان نماز میں تھا۔ جب اذان ہوجاتی تو اللہ کی محبت کے جوش سے آپ کی کیفیت ایسے ہوجاتی گویا گھر والوں کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہ ہو۔ دنیا اور اس کے متاع سے آپ کی بے رغبتی اور بے نیازی کا جو عالم تھا اس سے کون واقف نہیں۔ آپ فرماتے تھے دنیا میں میری حالت تو اس مسافر کی

سی ہے جو کسی درخت کے نیچے آرام کرنے کی خاطر تھوڑی دیر کے لئے رک جائے ۔اس فرمان عالیشان نے دنیا کی اصل حقیقت واضح کردی ہے کہ ابدی زندگی کے مسافروں کے لئے یہ تھوڑے سے آرام اور عارضی قیام کی جگہ ہے اس لئے اپنے اصلی گھر اور دائمی ٹھکانے کی فکر کرو اور دنیا کی عارضی اور گھٹیا نعمتوں اور لذتوں پر محبت کی دولت نہ لٹاؤ۔

اللہ تعالیٰ اس کے پیارے رسول ﷺ اور اس کے مقرب بندوں سے محبت کرنے والے فقیروں کے لئے حضور ﷺ کی مندرجہ ذیل حدیث بہت بڑی بشارت ہے

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّهٗ (بخاری و مسلم)

یعنی انسان جس سے محبت کرتا ہے قیامت میں اس کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا۔اور روایت کیا گیا ہے کہ آپ کے صحابہ کرامؓ نے اس بشارت کو سن کر اس دن بڑی خوشی منائی ۔اس لئے ہمیں چاہیئے کہ اللہ والوں کی صحبت اور اللہ کے ذکر کی مجالس کی برکات سے مستفیض ہونے کے لئے ضرور وقت نکالا کریں تاکہ دلوں میں محبت کی شمع روشن رہے

محبت کی تکمیل

انسان نے عالم ارواح میں اللہ تعالیٰ کی محبت کی امانت اٹھائی ۔یہاں دنیا میں اللہ تعالیٰ کی شدید محبت اور عشق الٰہی کو مومنین کی خاصیت قرار دیا گیا ہے ۔اللہ تعالیٰ انسان سے بے پناہ محبت کرتا ہے اور اس محبت کی بنا پر اسے ان گنت نعمتیں عطا کر رکھی ہیں جن میں سے کچھ کا ذکر قرآن کریم میں بار بار کیا گیا ہے تاکہ انسان اللہ تعالیٰ کے پیار کو محسوس کرے اور انسان میں احسان شناسی کا جذبہ اور اللہ کے ساتھ محبت برابر ترقی کرتی چلی جائے ۔اللہ تعالیٰ کا دین ایک مکمل نظام حیات ہے جس کی روح رواں اللہ تعالیٰ ،رسول اللہ ﷺ ، بنی نوع انسان اور حیات آخرت کی محبت ہے ۔حضور نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث مبارکہ میں فرمایا گیا ہے کہ **اَلْحُبُّ اَسَاسُ دِیْنِیْ** یعنی محبت میرے دین کی اساس و بنیاد ہے ۔حضرت علامہ اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے ۔

علم حق غیر از شریعت ہیچ نیست
اصل سنت جز محبت ہیچ نیست

یعنی علم حقائق کا منبع شریعت الٰہیہ ہے اور حضور ﷺ کی سنت یعنی حیات طیبہ میں محبت کے سوا کچھ ہے ہی نہیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے سب جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور آپ کے طریقہ پر چلنے سے فرد اور معاشرہ دونوں سراپا محبت بن کر اس مقام پر فائز ہو جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنا محبوب بنالیتا ہے۔ طالبان محبت کو ان کی منزل مقصود تک پہنچانے کی خاطر ہی اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ اے میرے حبیب ﷺ آپ وشگاف الفاظ میں بنی نوع انسان کو آگاہ کر دیجئے۔

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌo (ال عمران۔31)

"آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہیں اللہ کی محبت مطلوب ہے تو میری پیروی کرو۔ اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمہارے گناہ معاف کردیگا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے"

دین اسلام میں داخلے کا مطلب ہی اللہ تعالیٰ کو اپنا مقصود و مطلوب و محبوب بنالینا ہے۔ محبت تو ہمیشہ قربانی مانگتی ہے اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے سورت التوبہ آیت 111 میں فرمایا ہے کہ "اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور مال و دولت جنت کے بدلے خرید لئے ہیں"۔ محبت کی راہ میں خود فروشی کی اس ابتدا کو کمال تک پہنچانے کے لئے ہی رسول اللہ ﷺ کے اتباع کو لازمی قرار دیا گیا ہے کیونکہ آپ ہی کاروان عشق و محبت کے سالار ہیں۔ دوسری طرف شیطان ہے جو اپنے ہتھکنڈوں اور مکر و فریب کے ذریعے انسانوں کو لغو کاموں اور فضول دلچسپیوں میں الجھا کر نماز اور اللہ کے ذکر سے روکتا ہے۔ انسانوں میں تفرقے پیدا کر کے ان کے درمیان دشمنی اور بیر ڈالنا چاہتا ہے۔ انہیں فاقوں کا خوف دلا کر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے روکتا ہے اور انہیں مادی لذات کا شیدا بنا کر اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی رضا کے مشن میں ناکام کرانا چاہتا ہے جو انسان شیطان کے جال میں پھنس کر اللہ تعالیٰ کو بھول جاتے ہیں وہ میثاق ازل کو توڑنے کا صریح جرم کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اَلَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ وَیَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ اَنْ یُّوْصَلَ وَیُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَo (البقرہ۔27)

”جو اللہ کے اقرار کو پکا کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور جس چیز کو اللہ نے جوڑے رکھنے کا حکم دیا ہے اس کو قطع کرتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں۔ یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں“

انسان کی اصل کامیابی عالم ارواح میں کئے ہوئے عہد و پیمان کی پابندی پر منحصر ہے۔ اس جہان میں زندگی کا لمحہ لمحہ انسان کی آزمائش کرتا ہے کہ وہ اپنا سرمایہ محبت کہاں صرف کر رہا ہے۔ یہ بات ہم اکثر دہراتے رہتے ہیں کہ دنیا میں خرابی نہیں ہے کیونکہ انسان کو تو پیدا ہی اس کی خلافت کے لئے کیا گیا تھا۔ اور اسی کی خاطر اسے مسجود ملائکہ بنایا گیا۔ بلکہ اصل خرابی اللہ تعالیٰ کی بجائے دنیا کو اپنا محبوب بنا لینے میں ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے۔ **حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَتِهٖ** ”کہ سب خرابیوں کا منبع اور جڑ دنیا کی محبت ہے“ دنیا کی ساری زندگی محبت کی امتحان گاہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اور آخرت کی محبت کے مقابلے میں دنیا اور اس کی زینت سے پیار کرنا ہی اصل جرم ہے اس کوتاہی کی شدت کا اندازہ لگانا ہو تو سورت الاحزاب کی آیات 28 اور 29 کا مطالعہ فرمائیں جن میں سید الکونین ﷺ کی ازدواج مطہرات کے بارے میں ہدایت نازل ہوئی ہے۔

(ترجمہ) o ”اے میرے پیارے نبی آپ اپنی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی رونق و نمائش چاہتی ہو تو تمہیں کچھ فائدہ دے کر اچھی طرح رخصت کر دوں۔ اور اگر تم اللہ، اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو چاہتی ہو تو جو تم میں سے محسنات ہیں ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے“

ذرا خط کشیدہ الفاظ پر غور فرمایئے کہ ایک طرف حیات دنیا اور اس کی زینت ہے اور دوسری طرف اللہ، اس کا رسول ﷺ اور آخرت کا گھر ہے اور حکم ہو رہا ہے کہ ان میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہوگا۔ یہ حکم تو مومنین کی ماؤں کیلئے نازل ہوا جن کا معیار زندگی ویسے بھی فقیرانہ ہی تھا۔ اسی طرح اہل ایمان کو متاع غرور کی محبت سے باز رکھنے کیلئے مادی دنیا کی پرکشش چیزوں کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

(ترجمہ) ”آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور

تمہاری بیویاں اور تمہارے خاندان کے آدمی اور مال جو تم کماتے ہو اور تجارت جس کے بند ہونے سے ڈرتے ہو اور مکانات جن کو پسند کرتے ہو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے تمہیں زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیجے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا''۔ (التوبہ۔24)

مندرجہ بالا آیات کی میزان میں ہم سب اپنے آپ کو ڈال کر اپنا وزن معلوم کر سکتے ہیں۔ لیکن ان سے مراد ترک دنیا لینا ہرگز درست نہیں ہے کیونکہ اسلام میں رہبانیت حرام ہے۔ مقصود صرف یہ ہے کہ دنیا کے کاروبار اور مال و اولاد یا کسی بھی شے کی محبت اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی یاد پر ہرگز غالب نہ آنے پائے اور زندگی کے ہر قدم پر ترجیح ہمیشہ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور آخرت کی زندگی کو دی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے جو بھی مقام مرتبہ عطا کر رکھا ہو اس کی محبت میں گرفتار ہونے کی بجائے اسے اللہ تعالیٰ کی محبت اور رضا کے حصول کا ذریعہ بنایا جائے۔ اسلام دنیا کو چھوڑنے کی تعلیم ہرگز نہیں دیتا بلکہ دنیا کو دین کے تحت بسر کرنے کا حکم دیتا ہے۔

نمی گویم کہ از عالم جدا باش
بہر کارے کہ باشی باخدا باش

روشنی اور رحمت کی طرف

ہر انسان کے اندر اس کی وہی روح کارفرما ہے جو اللہ تعالیٰ کو اپنا رب تسلیم کر چکی ہے۔ اس کا تعلق مادے سے نہیں بلکہ عالم امر سے ہے۔ اس کی سرشت میں اللہ تعالیٰ کی محبت ڈال دی گئی ہے۔ گویا ہر انسان کے اندر اللہ کی محبت کا ازلی چراغ روشن ہے لیکن مادی وجود کی وجہ سے اس جوہر لطیف کے گرد طرح طرح کی کثافتیں لپٹی ہوئی ہیں۔ اس دنیا میں آ کر جوں جوں انسانی جسم پھلتا پھولتا اور اس کے حواس ترقی کرتے ہیں اس کے علم میں اضافہ ہوتا ہے تو خواہشات بھی بڑھتی اور پھر بڑھتی چلی جاتی ہیں اور لامحدود ہو جاتی ہیں۔ اگر انسان اللہ تعالیٰ کو بھول کر ان کی پیروی میں لگ جائے، قناعت اور توکل کو چھوڑ کر مادی آسائشوں کے سمیٹنے کی دلدل میں پھنس جائے تو پھر اس کی ہوس اسے ''زیادہ سے زیادہ اور سب سے زیادہ'' کے سراب کے پیچھے بھٹکاتی پھرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی حرماں نصیبی کی اس

داستان کو دو لفظوں میں بیان کر دیا ہے۔ **اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ** ''کثرت کی جستجو نے ہی تجھے بھٹکا دیا ہے''۔ اللہ تعالٰی سے کئے گئے عہد و پیان اور اس کی طرف سے بھیجے گئے ہدایت کے سامان کے باوجود کفر و ایمان کے راستوں میں سے کسی ایک کا انتخاب انسان کی اپنی صوابدید پر ہے۔ وہ چاہے تو اپنے رب کی محبت اور اطاعت کی راہ اختیار کر کے مادی کثافتوں اور متعلقہ اندھیروں سے نکل کر حریم کبریا کی طرف محو پرواز ہو جائے اور چاہے تو اپنے محبوب حقیقی کو بھول کر مادی لذات اور نفسانی خواہشات کے اندھیروں میں گم ہوتا چلا جائے۔

فَاَلْھَمَھَا فُجُوْرَھَا وَتَقْوٰھَا o قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا o وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰھَا (الشمس۔8تا10)

''پھر اسے بدکاری اور پرہیز گاری کرنے کی سمجھ دی۔ جس نے روح کو پاک رکھا وہ مراد کو پہنچا اور جس نے اسے خاک میں ملا دیا وہ خسارے میں رہا''۔

اللہ تعالٰی کے دین کا ہر جزو اس ہدف کے حصول کیلئے وضع کیا گیا ہے کہ انسان دنیا و مافیھا کی محبت میں گرفتار نہ ہو اور اس کے اندھیروں سے نجات پا کر اللہ تعالٰی کی محبت اور اس کی رضا حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کی فرض عبادات علائق دنیا کی محبت کو توڑنے اور اللہ تعالٰی کی محبت کو فروغ دینے کے پر از حکمت اور بہترین ذرائع ہیں۔ شریعت میں جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ سب اللہ تعالٰی کی محبت کے چراغ کو غذا فراہم کرتے، دل کی سیاہی کو دھوتے اور اللہ کے قریب کرتے ہیں اور جن کاموں سے منع کیا گیا ہے وہ اللہ تعالٰی کی یاد سے غافل کرتے، قلب کو سیاہ کرتے اور اللہ سے دوری کا سبب بنتے ہیں۔ جو اعمال اللہ تعالٰی سے بہت زیادہ دور کرنے والے ہیں وہ کبیرہ گناہ کہلاتے ہیں اور باقی صغیرہ۔ مجھے اُمید ہے کہ یہ بات آپ کی سمجھ میں آ گئی ہو گی کہ ثواب و گناہ کا پیمانہ روح کی لطافت اور کثافت ہی ہے۔ آپ اس نکتۂ نظر سے احکام شریعت پر جتنا غور فرمائیں گے یہ حقیقت روشن ہوتی چلی جائے گی کہ پورا نظام ہی انسان کو ازل میں کئے گئے عہد و پیان پر قائم رکھنے کیلئے ترتیب دیا گیا ہے تا کہ وہ صراط مستقیم پر چلتے ہوئے اپنے مقام محمود تک پہنچ جائے۔

ایں ہمہ اسباب استحکام تست
پختہ و محکم اگر اسلام تست

روح چوں رفت از صلوٰۃ و از صیام
فرد ناہموار و ملت بے لگام

شریعت کے تمام احکام تمہیں تقویت پہنچانے اور اللہ کی راہ میں استقامت بخشنے کے اسباب ہیں بشرطیکہ تیرا اسلام زبانی کلامی او ررسمی نہ ہو بلکہ پختہ و پائیدار ہو اور تو اللہ کی محبت کا سچا طلبگار ہو۔ اللہ تعالیٰ کی محبت ہی دین کا مقصود اور عبادات کی روح رواں ہے۔ جب سے یہ حقیقت نظر سے اُوجھل ہوئی اور ہم اصلی کی بجائے نسلی مسلمان بن گئے اللہ تعالیٰ کی محبت کا ذوق وشوق ہماری عبادات سے رُخصت ہوگیا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اسلامی معاشرہ کے افراد افراط وتفریط کا شکار ہوکر جادہ حق سے ہٹ گئے ہیں اور من حیث القوم ان کا شیرازہ بکھر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا عشق اور اس کے رسول ﷺ کی محبت ہی ملت اسلامیہ کی شیرازہ بند قوت ہے۔ وحدت افکار و کردار سے ملی اتحاد پیدا ہوتا ہے۔ جب عشق کی آگ بجھی تو یہ اُمت جو ایک شعلہ جوالہ تھی راکھ کے ڈھیر میں تبدیل ہوکر رہ گئی۔ اسلامی شعائر کا ظاہری ڈھانچہ اور اس کے بنیادی ارکان نماز، روزہ، قربانی و حج تو سب باقی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی خاطر اپنے مال اور جانیں فروخت کر دینے والی قوم اور حضور رحمتہ اللعالمین ﷺ کے خلق عظیم کی حامل خیر الامت باقی نہیں رہی۔ دین کی اصل حقیقت آنکھوں سے اوجھل کر دینے اور فروعات کو دین بنا دینے کی وجہ سے ہی فرقہ پرستی نے جنم لیا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ عالمگیر محبت، اکرام انسانیت اور رفلاح آدمیت کے علمبردار مسلمانوں کے ہاتھ آج اپنے ہی مسلمان بھائیوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں اور ہم خود ہی اسلام کی رسوائی کا باعث بن کر اللہ رحیم وکریم کی رحمت سے دور ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول علیہم السلام انسانوں کے درمیان پیدا ہونے والے اختلافات مٹانے، تفرقے ختم کرنے اور خون ریزی روکنے کیلئے بھیجے تا کہ وہ زندگی کے اصل مقصود یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کیلئے متحد ہو جائیں۔ حضور رحمتہ اللعالمین ﷺ کے فرمان **اَلدِّیْنُ نَصِیْحَۃ** دین تو خیر خواہی کا نام ہے جس میں انسانوں کو پیار بھری نصیحتوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی بندگی کیلئے دعوت دی جاتی ہے۔ اس میں ظالموں کا خاتمہ اور بے کسوں کی دستگیری ہے۔ اس میں مخلوق خدا کی خدمت اور بھلائی کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔ جس دین میں جبر کیلئے کوئی جگہ نہ ہو۔ جس میں کسی بھی انسان کو

برے القاب سے پکارنے اور اس کی دل آزاری سے روک دیا گیا ہو۔جس میں باطل مذاہب کے جھوٹے خداؤں اور بتوں کو بھی گالی دینے سے منع کیا گیا ہو،اس سراپا رحمت دین میں عداوت ونفرت اور بدزبانی کیونکر جگہ پا سکتی ہے۔یہ ساری خرابیاں قرآن وسنت سے ہٹ کر گھڑے گئے عقیدوں،مسلک پرستی اور شخصیت پرستی کے شاخسانے ہیں۔دین اسلام کا تو ہر پہلو رحمت ورافت کا مظہر اور ہر حکم اللہ تعالیٰ،اس کے پیارے رسول ﷺ اور اس کی پیاری مخلوق کی محبت کا داعی ہے۔اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کی دعوت بھی نوری ہے اور نور کے ذریعے نور کی طرف ہی راہنمائی کرتی ہے تا کہ انسان اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب بن کر صراط مستقیم پر گامزن ہو جائیں۔

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌo يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍo (المائدۃ15-16)

"بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب آ چکی ہے جس سے اللہ اپنی رضا پر چلنے والوں کو نجات کے راستے دکھاتا ہے اور اپنے حکم سے اندھیرے میں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا اور ان کو سیدھے راستے پر چلاتا ہے"۔

دوسری طرف ایک ناری دعوت بھی موجود ہے جو نار سے پیدا کئے گئے شیطان کی طرف سے ہے اور نارِ جہنم کی طرف لے جانے والی ہے۔اس کا ذکر قرآن کریم میں اس طرح آیا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُo اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِo (فاطر-5تا6)

"لوگو اللہ کا وعدہ سچا ہے۔تم کو دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ شیطان فریب دینے والا تمہیں فریب دے۔شیطان تمہارا دشمن ہے پس تم بھی اسے دشمن ہی سمجھو۔وہ اپنے گروہ کو بلاتا ہے تا کہ وہ دوزخ والوں میں سے ہو جائیں"۔

دنیا کی زندگی کے دھوکے اور مادی لذتوں کے اندھیرے نہایت خطرناک اور سخت بگاڑ پیدا کرنے والے ہیں اسی لئے ان سے بچنے کی بار بار تاکید کی گئی ہے۔انسان کی تخلیق کے موقع پر

ملائکہ نے صرف مادے کے ظلمات کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا کہ انسان زمین میں خون ریزی اور فساد برپا کریگا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر جو اپنی محبت کا شوق اور بندگی کا ذوق ودیعت فرمایا تھا اس کی بناء پر فرمایا کہ جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ درست ثابت ہوئی ہیں۔ جو انسان اللہ تعالیٰ کی بندگی سے منہ موڑ کر مادی خواہشات کے اندھیروں کے قیدی بن گئے انہوں نے یہاں خوب فساد مچایا اور خون بہایا ہے اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے عہدو پیمان کے مطابق اطاعت و محبت والی زندگی بسر کی وہ مخلوق خدا کیلئے سراپا رحمت بن کر کامیاب ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کا دین اہل ایمان کو اللہ کے رنگ میں رنگ کر رحمت و رافت اور محبت و شفقت کے عملی نمونے بنانا چاہتا ہے۔ ایسا کیوں نہ ہو کہ دین کا سارا نظام ہی رحمت پر استوار ہے۔ قرآنِ کریم میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے بارے میں یہ ارشاد فرمایا۔ **كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ** (الانعام۔54) تمہارے رب نے اپنی ذات کیلئے رحمت لکھ رکھی ہے اور اپنے پیارے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں فرمایا **وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْن** (الانبیاء۔107)

اور ہم نے آپ کو سب جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے" اور یہ بھی آپ ہی کی شان میں ارشاد ہوا۔ **حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُفٌ رَّحِيْمٌ** (التوبۃ۔128) ''وہ تمہاری بھلائی کے بہت خواہشمند ہیں اور مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والے اور مہربان ہیں''۔ آپ پر اللہ تعالیٰ نے جو کتاب انسانوں کی ہدایت کیلئے نازل کی اس کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی۔ **وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ**o (بنی اسرائیل۔82) ''اور ہم قرآن کے ذریعے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لئے شفا اور رحمت ہے'' اور رحمت کے اس نظام میں داخل ہونے والے مومنین کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے۔ **اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ** (الفتح۔29)

''وہ کافروں کے حق میں تو سخت ہیں اور آپس میں رحم دل ہیں''۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی بے پناہ محبت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اپنی مخلوق کے ساتھ ستر ماؤں سے بھی زیادہ محبت کرتا ہے اور آپ نے اہل ایمان کو ارشاد فرمایا کہ تم جنت میں نہیں جاسکتے جب تک

مومن نہ بنو اور تم مومن نہیں ہو سکتے جب تک آپس میں محبت میں نہ کرو ۔ یہ ہے قرآن کریم کی تعلیم کے مطابق اسلام کا مزاج اور اس کا رنگ ۔ اب بتایئے کہ دین رحمت کے گلشن کی پیار بھری فضاؤں میں غصہ و نفرت، بغض و عداوت، جبر و ظلم، بدزبانی، گالی گلوچ، دل آزاری اور خون ریزی کے لئے کیا جگہ ہے؟ اُمت مسلمہ کے ہر فرد کو اللہ تعالیٰ کی محبت اور حضور رحمتہ اللعلمین ﷺ کے خلق عظیم کا نمونہ بن کر اہل جہان کے لئے باعث رحمت بن جانا چاہئے۔

فطرتِ مسلم سراپا شفقت است
خلق را دست و زبانش رحمت است

اتمام نور

اللہ تعالیٰ کے دین میں عقائد کی اصلاح ، ارکان اسلام کی پابندی، کثرت ذکر ، تزکیہ نفس، تصفیہ قلب کی ایک ہی غرض و غایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے قلب میں اپنی محبت کا جو نور ڈال رکھا ہے وہ کمال تک پہنچ جائے اور یہ مرحلہ عالم خاک ہی میں طے ہو سکتا ہے ۔ علامہ اقبالؒ نے اس کے لئے بڑی عمدہ مثال دیتے ہوئے فرمایا ۔

زندگانی ہے صدف اور قطرہ نیساں ہے خودی
وہ صدف کیا جو قطرے کو گہر کر نہ سکے

ابر نیساں سے برسنے والے قطرے میں موتی بننے کا جوہر موجود ہوتا ہے اور سیپ میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ اس قطرہ آب کو کچھ عرصہ کے لئے اپنی قید میں رکھ کر اسے آبدار موتی میں تبدیل کر دے ۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کا جوہر جسے خودی بھی کہہ سکتے ہیں ابر نیساں کے قطرے کی مانند بلندیوں سے زمین کے مادی صدف میں آ کر قید ہو جاتا ہے اگر اس عارضی قیام کے دوران خودی اپنے کمال کو پہنچ جائے تو یہ زندگی کامیاب ہوگئی ورنہ ناکام ۔ اگر انسان اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی اتباع اختیار کر لے تو آپ کے اسوہ حسنہ کی برکت سے اپنے مقصود حیات کو حاصل کر سکتا ہے ۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ مَنْ كَانَ يَرْجُوْ اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا (الاحزاب ۔21)

''تمہارے لئے اللہ کے رسول کی مثال بہترین نمونہ ہے جو اللہ سے ملاقات اور روز آخرت کی امید رکھتا ہو اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتا ہو''

اس آیت مبارکہ میں حضور ﷺ کی حیات طیبہ کو اسوہ حسنہ فرمایا گیا ہے لیکن **من کان** کے الفاظ نے اسے ایک مخصوص گروہ انسانی کے لئے وقف کر دیا ہے اور اس کی صفات یہ بیان کی گئی ہیں کہ جو دنیا اور اس کی زینت کی دلدادہ ہونے کی بجائے اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت کے طلب گار ہوں اور اللہ تعالیٰ سے شدید محبت رکھنے کے باعث اللہ کا ذکر کثرت سے کرنے والے ہوں۔ ایسے سچے طالبوں کے لئے متاع دنیا سے بے نیاز آپؐ کا انتہائی سادہ اور فقیرانہ طرز حیات اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل توکل، معراج انسانیت اور کمال عبدیت کا ایسا اعلیٰ وارفع نمونہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں اور نسل انسانی سبھی کو فخر ہے اور سب اُنؐ پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔ آپؐ انسانیت کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز اور اللہ تعالیٰ کے حبیب ہیں۔ آپؐ کی ذات جامع کمالات ہے۔ جس مقصد کے لئے انسان کو پیدا کیا گیا اسے کمال تک پہنچانے والی ہستی آپؐ ہی ہیں۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے عبادات کے لئے پیدا فرمایا اور مقام عبدیت ہی بلند ترین مرتبہ ہے اور صرف آپ ہی ''**عَبۡدُهٗ وَرَسُوۡلُهٗ** '' کے خصوصی مقام پر فائز ہیں۔ اس کے بعد عالم ارواح میں اللہ تعالیٰ کی محبت کی امانت جو انسان نے اٹھائی تھی اس امانت کا حق ادا کرنے کا سہرا بھی آپؐ ہی کے سر ہے اور آپؐ ہی کو ''**اَلۡاَمِیۡنُ** ' کا لقب عطا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ اولاد آدم سے جو عہد الست لیا گیا تھا اس کو سچ کر دکھانے کا اعزاز بھی حضور ﷺ ہی کو ملا اور اسی لئے آپ ''**اَلصَّادِق**'' کہلوائے۔ آپ ازل تا ابد بنی نوع انسان کے سردار ہیں اور آپ کی حیات طیبہ سب کے لئے اسوہ حسنہ رہی ہے اور رہے گی۔ آپ کی زندگی ہی سے انسان کو یہ سبق ملتا ہے کہ وہ کائنات میں اپنے مقام کو پہنچانے تاکہ اس کی نظر میں وسعت و رفعت پیدا ہو اور وہ مادی لذات، نفسانی خواہشات اور مال منال کی محبت کی بندھنوں سے چھٹکارا حاصل کر کے منزل کبریا کی طرف اپنی پرواز شروع کر سکے۔ انسان کا اللہ تعالیٰ اور حیات آخرت پر ایمان لانا نہ صرف حیات ارضی کی ظلمتوں اور محدود مادی خوہشات سے اوپر اٹھ کر اللہ تعالیٰ کی محبت کے سفر کا آغاز کرنا ہے۔ بلکہ ایک طرح سے ظلمات کے پردوں کو پھاڑ کر اپنی اصل حقیقت کو پالینا بھی ہے۔

اے ز خود پوشیدہ خود را بازیاب
در مسلمانی حرام است ایں حجاب

اے مسلمان تو اپنے اصل مقام سے آگاہ نہیں ہے تو اپنی حقیقت کو پہچاننے کے لئے جدوجہد کر اور غفلت وجہالت کے پردوں سے باہر نکل آ۔ کیونکہ یہ پردہ دین اسلام میں حرام ہے۔

اہل ایمان کو متاع دنیا اور اس کے مکر وفریب کے اندھیروں سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی محبت کے نور کو کمال تک پہنچانے کے لئے جن خصوصی نوازشوں کا ذکر قرآن کریم میں کیا گیا ہے اب ان کا مختصر سا حال بیان ہوگا۔ اس سے ظلمات سے نور کی طرف ہونے والے باطنی سفر اور اتمام نور کی جو اہمیت دین میں ہے وہ نکھر کر سامنے آ جائے گی۔ دین اسلام میں داخل ہونے کے لئے جن ہستیوں اور چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے وہ ہیں اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے، اس کی کتابیں اور اس کے رسول اور انہی کی رحمت و برکت اور ہدایت سے اہل ایمان کے نور کا اتمام ہوتا ہے اور وہ دنیا و آخرت میں کامیاب وکامران ہوتے ہیں۔ اب قرآن کریم کی آیات کی روشنی میں ظلمات سے نور کی طرف طے ہونے والے روحانی اور باطنی سفر میں ان کے مبارک کردار کا ملاحظہ فرمائیں۔

1۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (البقرہ۔257)

''جولوگ ایمان لائے اللہ ان کا دوست ہے کہ ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے جاتا ہے''

2۔ فرشتوں کے بارے میں

هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ۝ (الاحزاب۔43)

''اللہ وہی تو ہے جوتم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی تا کہ تم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائے او راللہ مومنوں پر بہت مہربان ہے''

3۔قرآن کریم کے بارے میں

هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِهٖۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَ اِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌo (الحدید۔9)

''اللہ وہی تو ہے جو اپنے بندے پر واضح آیات نازل کرتا ہے تا کہ تم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائے اور بے شک اللہ تم پر نہایت شفقت والا مہربان ہے''

4۔رسول اللہ ﷺ کے بارے میں

رَسُوْلًا یَّتْلُوْا عَلَیْكُمْ اٰیٰتِ اللّٰهِ مُبَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِo (الطلاق۔11)

''اور رسول تم پر واضح آیات پڑھتے ہیں تا کہ جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کرتے ہیں انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے آئے''

جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت پر ایمان لا کر نیکی کی زندگی اختیار کر لیتے ہیں ان کے باطن کا نور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے روز بروز بڑھتا چلا جاتا ہے اور وہ آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے قریب ہوتے چلے جاتے ہیں ۔قیامت کے دن ان کے نور کی یہ شان ہوگی کہ ان کے آگے اور داہنے چل رہا ہوگا ۔اور وہ اس دن بھی اللہ تعالیٰ سے اس کی مزید محبت کے طلبگار ہو کر اتمام نور کی دعائیں کرتے ہوں گے۔

یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰهُ النَّبِیَّ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ نُوْرُهُمْ یَسْعٰى بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ بِاَیْمَانِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَ اغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌo (التحریم۔8)

''اس دن اللہ پیغمبر کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے رسوا نہیں کریگا۔ان کا نور

ان کے آگے اور داہنی طرف روشنی کرتا ہوا چل رہا ہوگا اور وہ التجا کر رہے ہوں گے کہ اے ہمارے رب ہمارا نور ہمارے لئے پورا کر اور ہمیں معاف فرما دے۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے''۔

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُo (الحدید۔12)

''اس دن آپ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو دیکھیں گے کہ ان کا نور ان کے آگے آگے اور داہنی طرف چل رہا ہے۔ ان سے کہا جائے گا تم کو بشارت ہو کہ تمہارے لئے باغ ہیں جن کے تلے نہریں بہہ رہی ہیں ان میں ہمیشہ رہو گے یہی بڑی کامیابی ہے''۔

جن لوگوں نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت و محبت کو اپنا مقصودِ حیات بنا کر اتباعِ رسول ﷺ کی راہ اپنا لی قیامت کے دن ان کا نور پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا ہوگا۔ فرشتے مبارک سلامت کی صداؤں سے ان کا استقبال کریں گے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے مقامات یعنی جنتوں میں داخل کیا جائے گا۔ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے ہوئے عہد کو دنیا میں توڑ دیا انہیں قیامت کے دن اپنی بے نوری کا احساس ہوگا۔ باطنی نور کے ساتھ ساتھ ان کی ظاہری آنکھوں کا نور بھی چھین لیا جائے گا۔ اس وقت وہ پچھتائیں گے اور مومنین سے اقتباسِ نور کے لئے التجائیں کریں گے لیکن اس وقت ان کی منت سماجت کی شنوائی نہ ہوگی کیونکہ اللہ کے مقرب بندوں سے فیضانِ نظر حاصل کرنے کا کام دنیوی زندگی کے دوران کرنے کا تھا۔ قرآن کریم میں ان کی کیفیت اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمائی ہے۔

يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُo **يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ**o **فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَاْوٰىكُمُ النَّارُ هِيَ مَوْلٰىكُمْ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ**o (الحدید۔13-15)

''اس دن منافق مرد اور منافق عورتیں مومنوں سے کہیں گے کہ ہماری طرف نظر شفقت کیجئے کہ ہم بھی آپ کے نور سے روشنی حاصل کرلیں تو ان سے کہا جائے گا کہ پیچھے کو لوٹ جاؤ اور نور تلاش کرو۔ پھر ان کے بیچ میں ایک دیوار کھڑی کردی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا۔ جو اس کی اندرونی جانب ہے اس میں تو رحمت ہے اور جو بیرونی جانب ہے اس طرف عذاب ہے۔ منافق لوگ مومنوں کو پکاریں گے کہ کیا ہم دنیا میں تمہارے ساتھ نہ تھے۔ وہ کہیں گے کیوں نہیں تھے لیکن تم نے خود اپنے آپ کو بلا میں ڈالا اور ہمارے حق میں حوادث کے منتظر رہے اور دین کے بارے میں شک کیا اور بے ہنگم آرزوؤں نے تم کو دھوکا دیا یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ پہنچا۔ اور اللہ کے بارے میں تمہیں دغاباز شیطان نے ورغلا لیا۔ پس آج تم سے کوئی معاوضہ قبول نہ کیا جائے گا۔ اور نہ کافروں سے۔ تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہے وہی سنبھالنے کو تمہارے لائق ہے اور وہ بری جگہ ہے''۔

میدان حشر میں عہد الست توڑنے کے مرتکب لوگوں کو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔

''اے جرم کرنے والو آج تم الگ ہو جاؤ۔ اے اولاد آدم کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا تھا کہ شیطان کی بندگی ہرگز نہ کرنا کہ وہ تمہارا صریح دشمن ہے اور صرف میری (یعنی اپنے رب کی) بندگی کرنا یہی صراط مستقیم ہے''۔ (یٰسین۔59 تا 61)

الحمدللہ! عالم ارواح میں کئے جانے والے عہد و پیان اور نور محبت سے جو بات شروع ہوئی وہ میدان حشر میں اتمام نور تک پہنچ گئی۔ اس فقیر کی نظر میں یہ طرز استدلال دین کے اسلوب دعوت میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ لیکن اس کا ذکر بہت کم کیا جاتا ہے۔ اب جو انسان اس دنیا میں حقیقت شناس بن کر اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مان کر صراط مستقیم پر چلے اور اس کا بندہ بن کر اس کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرے تو گویا وہ عہد الست پر پورا اترا اور یہ اس کی صداقت کا ثبوت ہے۔ اسی طرح محبت کی جو امانت انسان نے قبول کی تھی اس کی بناء پر وہ مکلف ٹھہرا کہ اس کٹھن ذمہ داری کو احسن طریقے سے نبھائے اور محبت کی دولت کو اپنے رب کیلئے وقف کردے۔ نہ تو حقیقی مالک کو لوٹانے سے انکار کرکے کافر ٹھہرے اور نہ ہی کسی غیر کو اس میں حصہ دار بنا کر شرک کا ارتکاب کرے۔ یہ اس کی امانت شمار کی جائے گی۔ اس لئے صداقت اور امانت کو صرف دنیا کے معاملات

تک ہی محدود نہیں رکھنا چاہیے بلکہ میثاق ارواح کے حوالے سے ان کی اہمیت کہیں زیادہ بڑھ کر ہے۔چنانچہ احادیث میں آیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ اپنے ہر خطبے میں بالعموم یہ فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص کے اندر امانت کا پاس نہیں اس میں ایمان نہیں اور جس شخص میں عہد کی پابندی نہیں اس کا کوئی ایمان نہیں۔

حضور ﷺ کے ان فرمودات کو محبت کی امانت اور عہد الست کی صداقت پر کیوں منطبق نہ کیا جائے جب کہ ان سے وفا کرنے پر ہی کامیابی کا انحصار ہے۔

اسی طرح ایک حدیث پاک میں آپ نے منافق کی چار علامات بیان فرمائی ہیں،ان میں پہلی یہ ہے کہ امانت میں خیانت کرے اور دوسری یہ کہ جب وعدہ کرے تو اسے پورا نہ کرے۔ اگر چہ ان اخلاقی اصولوں کی وسعت پوری زندگی پر حاوی ہے لیکن انہیں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے عہد اور محبت کی امانت پر منطبق کرنا بھی یقیناً درست ہے۔

واجب الاحترام بھائیو اور پیارے بیٹو! دین مبین کا بنیادی کام یہی ہے کہ وہ انسان کو مادی کثافتوں اور روحانی حجابات کے اندھیروں سے نکال کر اللہ تعالیٰ اور اس کی محبت کے نور کی طرف لے جائے۔ یا آسان الفاظ میں یوں کہہ لیجئے کہ انسان کی میل کچیل صاف کر کے اور اسے بنا سنوار کر میدان حشر میں اس کے رب کے سامنے پیشی کیلئے تیار کرے۔اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے اوامر و نواہی کی غرض و غایت ان تمام رذائل سے جنہیں اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتے انسان کو پاک کرنا اور پسندیدہ خصائل و صفات اس میں پیدا کرنا ہے۔بلکہ حضور نبی کریم ﷺ کے فرمان **تَخَلَّقُوا بِاَخلَاقِ اللّٰهِ** کے مطابق بندوں کو اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگ کر مولا صفات بنانا ہے۔کیونکہ حقیقی محبت کا تقاضا اپنے محبوب کی صفات کو اپنے اندر سمولینا ہوتا ہے۔قرآن کریم میں بھی ارشاد ہوا ہے۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ○

''اللہ کے رنگ کا کیا کہنا اور اللہ کے رنگ سے اچھا کس کا رنگ ہے اور ہم اسی کی عبادت کرنے والے ہیں''۔ (البقرۃ۔138)

اب آپ اس بات پر غور فرمایئے کہ بنی نوع انسان کو ان کے رب کی بندگی کیلئے دعوت دے کر انہیں دنیا و آخرت کی فلاح کا راستہ دکھانے والے دین اسلام اور انسانوں کا تزکیہ و تصفیہ کر کے

انہیں اللہ کے رنگ میں رنگ دینے کے مقدس کام میں اختلافات اور فرقوں کی گنجائش کیسے ہو سکتی ہے۔ اسلام تو انسان کو اللہ تعالیٰ کی ذات اور آخرت کی زندگی سے آگاہی عطا کر کے اسے مکمل باخبر بناتا ہے۔ اسے مقصودِ حیات سے روشناس کر کے صراطِ مستقیم پر چلنے کی دعوت دیتا ہے۔ یہاں تو اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرنے کا انتظام اور ظاہر و باطن کی طہارت کا اہتمام ہے۔ حضور سید البشر ﷺ کی **تَوَكَّل عَلَى الله** اور **تَبَتَّل اِلَى الله** والی زندگی کی اتباع کی ترغیب ہے۔ میدانِ حشر میں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی کیلئے اپنی اصلاح کی مسلسل فکر سر پر سوار رہے اور اہلِ ایمان اپنا مال و جان اللہ کی رضا کیلئے وقف کر کے اللہ تعالیٰ کی محبت کی شاہراہ پر ہر لحظہ نئی آن نئی شان سے آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ یہ ہے اسلام کی محبت بھری اور زندگی بخش تعلیم اور فلاحِ دارین کا ضامن لائحہ عمل جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کیلئے اتارا تا کہ وہ صراطِ مستقیم پر چل کر کامیاب ہو جائیں۔

ہمارے مرشد و محسن حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے سلسلہ عالیہ توحیدیہ اسی لئے قائم فرمایا تا کہ اپنے مسلمان بھائیوں کو اسلام کی سچی تعلیم سے روشناس کرایا جائے۔ اور روحانی فیض کے ذریعے ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت کو بیدار کر کے کثرتِ ذکر سے اسے فعال بنایا جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی محبت کے چراغ کو غذا فراہم کرتا، دلوں کی سیاہی دور کرتا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کو مضبوط بناتا ہے۔ دل کی تمام بیماریوں اور اخلاقی کمزوریوں کو دور کرنے والا نسخہ کیمیا اللہ تعالیٰ کی محبت ہی ہے اور محبت ہی سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا شعار ہے۔

دین اور عبادت

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کا دین

اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان پر بہت بڑا احسان فرمایا جو حضور نبی کریم رحمت اللعالمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کیلئے اپنا رسول بنا کر بھیجا اور ان پر اپنی آخری کتاب قرآن کریم نازل فرمائی اور اسے ایک مکمل ضابطہ حیات قرار دیا تا کہ وہ اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کے اِس آئین کے تحت بسر کر کے دُنیا و آخرت میں کامران و سُرخرو ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب کائناتی حقائق کی بنیاد پر جو اندازِ فکر اور نظامِ حیات پیش کرتی ہے۔ اس کا نام اللہ کا دین ہے۔ اب پوری انسانیت کی فلاح کا انحصار اس نظام کو قبول کر کے رسول اللہ ﷺ کی قیادت و سیادت کے سامنے اپنا سر جھکا دینے پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامِ** یعنی اللہ کے ہاں فرمانبرداری اور گردنوں کو جھکا دینا ہی اصل دین ہے اور اہل ایمان کو یہ حکم دیا گیا کہ **اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً** یعنی جزوی طور پر نہیں بلکہ پورے کے پورے اسلام یعنی اطاعت و فرماں برداری میں داخل ہو جاؤ۔ کیونکہ نظام حیات کوئی سا بھی ہو جب تک اپنی تمام جزئیات سمیت نافذ نہ کیا جائے۔ مطلوبہ نتائج پیدا نہیں کر سکتا۔ اس لئے دین اسلام بھی اپنے مزاج کے لحاظ سے کسی دوسرے نظام کی پیوند کاری اور مداخلت قبول نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کا دین اپنی اصل اور مکمل صورت میں ہمارے پاس موجود ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی توضیح و تشریح اور آپ کے سکھائے ہوئے طریقوں کے مطابق عمل کرنا ہی فلاح دارین کی ضمانت ہے۔

اولادِ آدم سے بے کراں محبت کرنے والے رحمٰن و رحیم اللہ کا عطا کردہ یہ آئین اکرام انسانیت اور فلاح آدمیت کا علمبردار ہے۔ اس میں جہاں انسانوں کو یہ ترغیب دی گئی ہے کہ وہ اپنے اندر پوشیدہ تعمیر و تسخیر کی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر عقل و فکر اور سائنسی علوم کے دائروں کو وسیع تر کرتے چلے جائیں وہاں انہیں اللہ تعالیٰ کو ہر وقت یاد رکھنے اور اس کی رضا حاصل

کرنے کے طریقے بھی بتائے گئے ہیں۔ کیونکہ ان دونوں کو یکجا کرنے ہی سے خلافت ارضی کا حق ادا کیا جاسکتا ہے۔

فقر قرآں اختلاط ذکر و فکر
فکر را کامل نہ دیدم جز بہ ذکر

قرآن کا فقر ذکر اور فکر دونوں کو اکٹھا رکھنے کا حکم دیتا ہے۔ کیونکہ فکر کی قوتیں اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی راہنمائی کے بغیر اپنے کمال تک پہنچ ہی نہیں سکتیں۔ اللہ تعالیٰ کا دین، حضور محسن انسانیت ﷺ کی قیادت میں ایک عالمگیر معاشرہ یا امت تشکیل دینا چاہتا ہے جس کی بنیاد گذشتہ امتوں کی طرح رنگ، نسل، زبان اور یا وطن کی بجائے چند ازلی و ابدی حقائق کو تسلیم کرنے پر رکھی گئی ہے اور وہ ہیں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت و الوہیت، حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی عبدیت و رسالت، قرآن کریم کی ہدایت و حقانیت اور حیات آخرت پر ایمان لانا۔ کسی قوم کی تشکیل کے لئے عقیدہ و ایمان کو بنیاد بنانے کا یہ بے مثال تجربہ پہلی مرتبہ سامنے آیا۔ اس طرح رنگ، وطن اور نسل پرستی کی عصبیت سے نجات ملی اور انسانی فکر کے لئے حریت اور اس کے جان و آبرو کے احترام کی راہیں ہموار ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ﷺ نے وحی الٰہی کی ہدایت کے مطابق بڑی محنت سے ان اصولوں کی بنیاد پر ایک جماعت کھڑی کی جو اللہ تعالیٰ کے غلاموں، شمع رسالت کے پروانوں اور فکر آخرت سے سرشار مخلص انسانوں پر مشتمل اور ہر لحاظ سے اللہ کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰه صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ο

(البقرۃ۔138)

"اللہ کے رنگ کا کیا کہنا اور اللہ کے رنگ سے اچھا کس کا رنگ ہے اور ہم اسی کی عبادت کرنے والے ہیں"۔

اس انسانی جماعت نے اللہ کی بندگی یعنی غلامی میں داخل ہو کر اس کے دین کو پوری زندگی کے نظام پر غالب کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے خیر الامت یعنی بہترین قوم اور حزب اللہ یعنی اللہ کے

گروہ کا قابل رشک لقب عطا فرمایا۔ جب اللہ تعالیٰ کی تائیدونصرت سے زمام اقتدار ان کے ہاتھوں میں آئی تو انہوں نے دوسری قوموں کو اپنا غلام نہیں بنایا بلکہ انہیں ظالم اور جابر انسانوں کی غلامی سے آزادی دلا کر اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کی برکتوں سے آشنا کیا۔ ان کی بستیوں کو پامال کرنے کی بجائے ان کے مال وجان، عزت وآبرو اور عقائد و مذاہب کے محافظ بن گئے۔ حکومت الٰہیہ کی رعایا کے تمام افراد کی بنیادی ضروریات کی کفالت خلافت اسلامیہ کی ذمہ داری قرار پائی۔ اس طرح انسانیت حقیقی امن وامان، صلح وآشتی اور خوشحالی سے آشنا ہوئی۔ بقول علامہ اقبالؒ

مرد حق از کس نہ گیرد رنگ و بو
مرد حق از حق پذیرد رنگ و بو
ہر زماں اندر تنش جانے دگر
ہر زماں اورا چوں حق شانے دگر
بندہ حق بے نیاز از ہر مقام
نے غلام اورا، نہ او کس را غلام

''مرد حق کسی دوسرے کا اثر نہیں لیتا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا رنگ اختیار کرتا ہے۔ زمانہ جوں جوں آگے بڑھتا ہے تو نئے حالات کے مطابق اس کے جسم کو نئی روح عطا کی جاتی ہے۔ جس طرح اللہ کے بارے میں **كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ** آیا ہے اسی طرح مومن بھی ہر زمانے میں نئی آن وشان سے ابھر کر اپنے وقت کے مخصوص مسائل کو قرآن وسنت کی روشنی میں حل کرتا چلا جاتا ہے۔ بندہ مومن کو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب ہوتی ہے اور وہ اس دنیا میں کسی صلہ و مقام کا خواہشمند نہیں ہوتا۔ اس لئے وہ نہ تو کسی کا غلام بنتا ہے اور نہ ہی خود کسی کو غلام بناتا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کے آئین کے تحت قائم ہونے والے نظام میں زندگی کے ہر شعبے پر اللہ کی حکمرانی قائم کی جاتی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی تمام نعمتیں دنیا کے تمام انسانوں کی دسترس میں آجائیں اور ظلم واستحصال کی کوئی صورت کہیں بھی باقی نہ رہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرون اولیٰ میں تعلیم و تربیت، صنعت وتجارت، تقسیم وراثت، سیاست وعدالت، معیشت ومعاشرت الغرض حیات

ارضی کا پورا نظام اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے مطابق رواں دواں تھا اور ہر طرف اخوت و مساوات، مودت و محبت خوشحالی اور فارغ البالی کا دور دورہ تھا۔

عظیم الشان ادارے

انسانی زندگی کے دو اہم پہلو اس کی معاشرت اور معیشت کے وسیع میدان ہیں۔ ان دونوں کو سراپا رحمت و برکت بنانے کی خاطر اللہ تعالیٰ نے اپنے دین میں بنیادی اہمیت کے حامل دو عظیم الشان ادارے قائم فرما دیے جو اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ ہیں۔ اقامت صلوٰۃ جہاں افراد کیلئے اطمینان قلب، روحانی معراج، تعلق باللہ کی مضبوطی، اصلاح کردار اور مقصود حیات کو شعور میں ہمہ وقت تازہ رکھنے کا ذریعہ ہے وہاں رب العالمین کی حاکمیت کے اظہار کیلئے روزانہ پنج وقتہ تقریب بھی ہے۔ جونہی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے نام پر دی جانے والی اذان کی آواز بلند ہوتی ہے تو دنیا بھر کے مسلمان اللہ تعالیٰ کے گھروں یعنی مساجد میں حاضری کیلئے لپکے چلے آتے ہیں۔ مساجد کیا ہیں؟ یہ اُمت مسلمہ کی مرکزی اسمبلی مسجد الحرام کی مقامی شاخیں اور اللہ کی حاکمیت کی علامت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔

وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا (الجن۔18)

"اور یہ مسجدیں اللہ کیلئے ہیں اس لئے ان میں اللہ کے سوا کسی دوسرے کو ہرگز نہ پکارو"۔

اقامت صلوٰۃ کی ترکیب و ترتیب، اس میں شامل افراد کی حرکات و سکنات اور اس میں دہرائی جانے والی آیات و تسبیحات سے اللہ تعالیٰ کی عظمت و ربوبیت اور انسانوں کی عاجزی اور عبودیت کا نہایت عمدہ اظہار ہوتا ہے۔ اگرچہ نماز کی قیادت کیلئے ایک امام ہوتا ہے لیکن وہ بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی بندگی کا اظہار اسی طرح کرتا ہے جس طرح دوسرے کرتے ہیں۔ مسجد میں مکمل اخوت و مساوات کے اظہار کیلئے کسی بھی شخص کیلئے کوئی جگہ مخصوص نہیں ہوتی۔ کیونکہ دین اسلام وحدت الوہیت کے ساتھ وحدت انسانیت کا بھی علمبردار ہے۔ وہ انسانوں کو فرقوں اور درجوں میں تقسیم کرنے کی بجائے انہیں رشتہ اخوت میں پرونا چاہتا ہے۔ اللہ کی مساجد میں اس اصول کی عملی تربیت دی جاتی ہے کہ حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کیلئے روا ہے اور کسی انسان کو دوسرے انسانوں پر حکمرانی کا حق حاصل نہیں ہے۔ قرآن مجید کی تعلیم آقائی اور خواجگی کی خواہش

کونیست ونابود کرنا چاہتی ہے کیونکہ یہ شوق ہی زمین پر فساد پھیلانے کا اصل سبب بنتا ہے۔اس کے برعکس یہ تعلیم بے سہاروں اور کمزوروں کی دستگیری اور اعانت کو یقینی بناتی ہے۔عملی زندگی میں اللہ کی حاکمیت کے تحت جو حکومت قائم ہوتی ہے اس کی امارت کا منصب عوام کے مشورے سے ملت کے سب سے متقی فرد کے سپرد کیا جاتا ہے۔عام مسلمانوں سے بڑھ کر اس کا کوئی استحقاق نہیں ہوتا۔وہ انہی کا سا لباس پہنتا، انہی کے درمیان رہتا اور انہی کی طرح عدالت کے سامنے جوابدہ ہوتا ہے۔اسے مسلمانوں کے اوسط گھرانے کے اخراجات کے برابر وظیفہ ملتا ہے۔وہ پانچوں وقت اپنے بھائیوں کے ساتھ نماز ادا کرتا اور جمعے کا خطبہ دیتا ہے۔چونکہ یہ اللہ کے بندوں کی حکومت ہوتی ہے اس لئے شاہی شان وشوکت اور رعب و دبدبہ کی بجائے فقر و غناء اور خدمت خلق کی مظہر ہوتی ہے۔قرآنی تعلیم اور اس کے نظام حیات کی برکتوں کے بارے میں شاعر مشرقؒ نے فرمایا۔

چیست قرآں خواجہ را پیغام مرگ
دستگیر بندہ بے ساز و برگ
کس دریں جا سائل و محروم نیست
عبد و مولا، حاکم و محکوم نیست

''قرآن کیا ہے؟ حاکموں اور آقاؤں کیلئے یہ موت کا پیغام ہے۔اور مال ومنال سے محروم یتیموں، بیواؤں، مسکینوں اور ضعیفوں کیلئے خوشحالی کی نوید ہے۔اسلام کے نظام رحمت میں ہر انسان کی ضروریات کی کفالت کا ایسا اجتماعی نظام ہے کہ مانگنے والا یا محروم نظر ہی نہیں آتا اور اکرام انسانیت اور اخوت کی جہانگیری کا یہ عالم ہے کہ اس میں نہ تو کوئی غلام ہوتا ہے نہ ہی کوئی آقا۔نہ کوئی حاکم ہوتا ہے نہ ہی محکوم۔بلکہ سب اللہ کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی ہوتے ہیں''۔

یہ بات ذہن میں رکھئے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کا اصل ہدف انسانوں کو ایمان کی دعوت دے کر رضائے الٰہی کی راہ پر لگانا ہے۔اس لئے ان کی مادی ضروریات کی کفالت کے کام کو مقصود بالذات نہ سمجھتے ہوئے بھی اسے نہایت اہم قرار دیتا ہے تا کہ وہ ان چھوٹے چھوٹے تفکرات سے

آزاد ہو کر پورے اطمینان کے ساتھ اللہ کی محبت کے حصول کیلئے جدوجہد کر سکیں۔ اسلامی سلطنت کا امیر، صوبوں کے گورنر اور شہروں کے والی انہیں لوگوں کو مقرر کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی محبت اور فکر آخرت سے سرشار اور خدمت خلق کو رضائے الٰہی کا ذریعہ جاننے والے ہوتے ہیں۔ گورنروں کے ذہنوں سے قدیم طرز حکمرانی والی سوچ مٹا کر انہیں خدام قوم بنانے کیلئے حضرت عمرؓ ان سے یہ تحریری عہد لیا کرتے تھے کہ تمہارے در پر کوئی دربان کھڑا نہیں ہوگا۔ تم ترکی گھوڑے پر سواری نہیں کرو گے، باریک کپڑا نہیں پہنو گے اور چھنے ہوئے آٹے کی روٹی نہیں کھاؤ گے۔ اس طرح انہیں مزید حقوق دینے کی بجائے ان پر کڑی پابندیاں عائد کر دی جاتی تھیں کیونکہ حکومت کا مقصد خواص کو نوازنے کی بجائے پوری اُمت کے مفادات کا تحفظ کرنا ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی حکمرانی کے نظام نے حقیقی اخوت و مساوات، عدل و انصاف اور احترام انسانیت کا جو نقشہ تاریخ انسانی میں رقم کیا اس کی مثال زمانہ قدیم کی بادشاہت اور نہ ہی جدید جمہوریت میں نظر آ سکتی ہے کیونکہ ان دونوں کا مقصود خلق خدا کا استحصال اور کمزوروں کا خون چوسنا ہوتا ہے۔ اقامت صلوٰۃ کے بعد اس سے ایک ہی درجہ نیچے زکوٰۃ کا رکن ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید میں اکثر مقامات پر ایمان کے بعد صرف دو اعمال صالحہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ایک نماز کا دوسرے زکوٰۃ کا۔ کیونکہ ان دونوں کے قیام پر ہی پورے دین کا انحصار ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے قرب کے حصول کیلئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ انسان کا دل دنیا کی محبت سے خالی ہو جائے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ دنیا کی محبت ہی ہر برائی کی جڑ ہے اور دنیا کی علامت مال و دولت اور سونا چاندی ہیں۔ اس لئے انہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرنا انسان کو بخل، لالچ اور ہوس سے بچا لیتا ہے۔ اس طرح اسلام کا دوسرا اہم رُکن زکوٰۃ حُبِ دنیا کی جڑ کاٹنے کا نہایت ہی موثر طریقہ ہے۔ مومنین کی باطنی طہارت کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ کی مد میں اکٹھی ہونے والی دولت سے اسلامی نظام کا وہ عدیم المثال فلاحی ادارہ وجود میں آ جاتا ہے جس کے ذریعے اُمت کے حاجتمند افراد کے اخراجات پورے کئے جاتے ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے۔

وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ٥ لِّلسَّآئِلِ وَ الْمَحْرُوْمِ٥

(المعارج 25-24)

''اور دولت مندوں کے اموال میں سائلین اور محرومین کا مقرر حق بھی شامل ہے''۔
اس کی وضاحت حضورﷺ نے اس طرح فرمائی کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جوانکے مالداروں سے لی جائے گی اور ان میں کے حاجتمندوں کو دے دی جائے گی۔اسلامی نظام معیشت میں رزق کی تقسیم کو اس قدر اہمیت دی گئی ہے کہ حیوانوں کی ضروریات کی مناسب دیکھ بھال کرنے کی ہدایات بھی موجود ہیں۔ایسا کیوں نہ کیا جاتا جب کہ رسول اللہﷺ کا فرمان عالیشان ہے۔اَلْحُبُّ اَسَاسُ دِیْنِیْ ''یعنی میرے دین کی اساس محبت ہے'' چنانچہ منقول ہے کہ خلافت کی ذمہ داری سنبھالتے وقت حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ 'عمر! تم پر بڑی بھاری ذمہ داری آن پڑی ہے۔اگر دریائے فرات کے کنارے کسی بکری کا بچہ بھی بھوکا رہ گیا تو اس کی پرسش تم سے ہوگی''۔جس طرح اسلام کے سیاسی نظام میں حاکمیت کی بجائے خلافت و امارت کا نظام ہے اسی طرح معاشی نظام کا ہدف یہ ہے کہ بنیادی ضروریات کی محتاجی اور محرومی کا یکسر خاتمہ کردیا جائے۔

کس نباشد در جہاں محتاج کس
نکتہ شرع مبیں ایں است و بس

''اسلامی شریعت کا معاشی نظام صرف ایک نکتہ کے گرد گھومتا ہے کہ اس دنیا میں کوئی انسان کسی دوسرے انسان کا محتاج نہ رہے بلکہ حکومتی ادارہ کا فرض ہے کہ مساکین کے حصے کا رزق ان کا حق سمجھ کر باعزت طریقے سے ان تک خود پہنچائے''۔اللہ تعالیٰ کے دین کے تحت مسلمانوں ہی نے دنیا میں پہلی فلاحی مملکت قائم کی جہاں پیدا ہوتے ہی بچے کا وظیفہ مقرر ہو جاتا تھا۔جہاں حاجت مندوں اور ضعیفوں کی سرکاری خرچ سے کفالت کی جاتی اور طالب علموں کو تعلیم اور رہائش کی سہولتیں مفت فراہم کی جاتیں۔ایک مغربی محقق نے اسلامی نظام کی برکتوں کے بارے میں لکھا کہ ''اسلامی دنیا میں کسی بچے کا یتیم ہوجانا ہی اس کے لئے دنیا بھر کی نعمتوں کے حصول کی ضمانت بن جاتا تھا۔کیونکہ حکومت کے علاوہ معاشرہ کے مخیّر افراد بھی یہ کوشش کرتے تھے کہ یتیم کو کسی چیز کی کمی محسوس نہ ہو''۔قرآن کریم میں کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ کی مدد کرنے کا ذکر آیا ہے۔اس کا مطلب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پیاری مخلوق کو سیاسی اور معاشی غلامی سے نجات دلا کر ان کو زیادہ

سے زیادہ سہولتیں مہیا کی جائیں اور اُخروی کامیابی کیلئے انہیں حکمت اور پیاری پیاری نصیحتوں کے ذریعے ایمان کی دعوت دی جائے تاکہ وہ زندگی کا اصل مقصد حاصل کر سکے۔انسانیت کی مادی خدمت اور روحانی رہنمائی کرنا ہی اللہ تعالیٰ کی مدد کرنا ہے کیونکہ اس سے آدم علیہ السلام کی خلافت ارضی کا مشن کامیاب ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت کو یہ فرما کر مشروط کر دیا ہے کہ" اے اہل ایمان! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا"۔(محمد۔7) جب تک اُمت مسلمہ حزب اللہ بن کر اللہ تعالیٰ کی منشاء و مرضی کے مطابق انسانیت کی اصلاح و فلاح کی راہ پر گامزن رہی تو اللہ کی تائید و نصرت سے اقوام عالم کی قیادت و سیادت اسی کے ہاتھ میں رہی اور دوسرا کوئی نظام حیات ان کے مقابلے میں سر اُٹھانے کی ہمت نہ کر سکا۔

ترکِ مقصودِ حیات

اسلامی تہذیب انسانوں میں مقصد حیات کا شعور پیدا کرنا چاہتی ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لا کر حُبِّ دُنیا سے خلاصی پا کر اللہ تعالیٰ کی محبت کی راہ پر لگ جائیں۔اگرچہ اللہ کے دین میں دنیا کو ترک کرنے کا حکم نہیں ہے لیکن اس کی زیب و زینت سے دھوکہ کھانے کی اجازت بھی نہیں ہے۔لیکن قوموں کیلئے فتوحات کے بعد کثرت مال و دولت کے سبب عیش و عشرت کی زندگی اور اس کے عواقب سے بچنا مشکل ہو جاتا ہے۔خلافت راشدہ کے دور میں حضرت عمرؓ کو جب ایران کی فتح کی خبر ملی تو آپ مسجد نبوی ﷺ میں تشریف لے آئے۔کسریٰ شاہ ایران کے خزانے کے نوادرات اور دوسرا مال غنیمت جب پیش خدمت کیا گیا تو سونے، چاندی اور جواہرات کے ڈھیر لگ گئے اور دیکھنے والوں کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔لیکن حضرت عمرؓ کو حضور ﷺ کا یہ فرمان یاد آ گیا کہ "ہر اُمت کیلئے اللہ تعالیٰ نے کسی نہ کسی چیز کو فتنہ بنایا اور میری اُمت کیلئے مال فتنہ ہوگا"۔تو آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔احباب کے پوچھنے پر فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ دولت کی یہ فراوانی اپنی خرابیاں بھی ساتھ لائے گی۔چنانچہ ایسا ہی ہوا اور حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد ہی فتنوں نے سر اُٹھانا شروع کر دیا اور پھر خلافت راشدہ کی جگہ ملوکیت نے لے لی اور دنیا کی محبت نے سیاسی گروہ بندیوں اور سازشوں کو جنم اور فروغ دیا۔دولت کی فراوانی اور زندگی کی نئی نئی سہولتوں کی دستیابی کی وجہ سے بادشاہوں نے اپنے محلات میں

عیش وعشرت کی زندگی اختیار کرلی اوران کی تقلید میں عام مسلمان بھی اللہ اوراس کے رسول ﷺ کے راستے سے ہٹتے چلے گئے اور آخر کار بھول ہی گئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خیرالامت کا اعزاز عطا کر کے اس زمین پر حکومت الٰہیہ کے نفاذ اور دعوت الی اللہ کی ذمہ داری سونپی تھی۔ ہماری یہ غفلت اقوام عالم کیلئے بھی ایک سانحہ بن گئی کیونکہ بنی نوع انسان کوغلامی سے نجات دلانے کی مدعی قوم بذات خود ہی ہواوہوس کی غلام بن گئی۔ جولوگ وحدت انسانیت اوراخوت کے علمبردار بن کر اُٹھے تھے وہ سینکڑوں فرقوں میں بٹ کر ایک دوسرے کا خون بہانے لگے تو اللہ تعالیٰ کی نصرت نے بھی ان سے منہ موڑلیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نصرت ہمیشہ کردار کے ساتھ مشروط ہوتی ہے۔ دنیا میں ہر چیز کی قدر و قیمت اس وقت تک ہی باقی رہتی ہے جب تک وہ خاص مقصد پورا کرتی رہے جس کیلئے اسے بنایا گیا ہو۔ جب وہ اس اہلیت سے محروم ہوجاتی ہے تو اسے کاٹھ کباڑ میں پھینک دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بیکار قوموں کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کرتا ہے۔ مسلمانوں میں بھی جب سے اللہ اوراس کے رسول ﷺ کے عشق کی آگ سرد پڑگئی ہے وہ اپنی کثرت کے باوجود راکھ کا ڈھیر بن کر رہ گئے ہیں جسے اغیار کی سازشیں اور زمانے کی آندھیاں جدھر چاہتی ہیں اُڑائے پھرتی ہیں۔ جس قوم کے سامنے زندگی کا کوئی نصب العین ہی نہ رہے اس کی فکریں منجمد، قویٰ مضمحل اور صلاحیتیں زنگ آلود ہوتی چلی جاتی ہیں اور ترقی کی دوڑ میں دوسری قوموں سے پیچھے رہ جانا اس کا مقدر بن جاتا ہے۔ بقول حکیم الامت حضرت اقبالؒ

مرگ فرد از خشکی رود حیات
مرگ قوم از ترک مقصود حیات

''فرد کی موت اس وقت واقع ہوتی ہے جب اس کی زندگی کی ندی خشک ہوجائے لیکن قومیں اس وقت مرتی ہیں جب وہ اپنے مقصودحیات کو ترک کردیتی ہیں''۔

خیرالامت نے بھی جب وہ نصب العین چھوڑدیا جس کیلئے اسے تیار کیا گیا تھا تو وہ جہانگیری وجہانبانی کے ولولوں سے محروم ہوگئی۔ طائران لاہوتی اپنی پرواز بھول کر عالم خاک کے رزق کے متوالے بن گئے۔ صحراؤں، دریاؤں اور فضاؤں میں تکبیر کا نعرہ بلند کرنے کی بجائے مسجدوں اور خانقاہوں میں تسبیح ومناجات کرنے ہی کو دین اور دین کی معراج گردانا جانے لگا۔ اس طرح جب ولولے سرد اور ہمتیں دم توڑگئیں تو ہم نے قرآن کے معانی کو اپنے فکروکردار کی پستی کے مطابق

ڈھالنے کیلئے نئی نئی تاویلوں کا سہارا لینا شروع کردیا یعنی اپنے آپ کو بدلنے کی بجائے قرآن کو بدلنے کا کام شروع کردیا۔اب حال یہ ہے کہ ہماری ساری توجہ سمٹ سمٹا کر شکم پر مرکوز ہو کر رہ گئی ہے کیونکہ غلام قومیں اسی فکر میں صبح و شام کرتیں اور کولہو کے اس چکر ہی میں اپنی عمر تمام کر دیتی ہیں۔ہماری فکری پستی کا یہ عالم ہے کہ آج جو لیڈر آٹا سستا کرنے کا نعرہ لگا دے وہی ہماری آنکھ کا تارا بن جاتا ہے۔جو بجلی کم کرنے کی نوید سنا دے وہی ہمارا نجات دہندہ قرار پاتا ہے اور جو ہماری گلیاں اور نالیاں پکی کرا دینے کا وعدہ کر دے وہی ہمارا قومی ہیرو قرار پاتا ہے۔ہماری آنکھوں کو تو ایسے مردِ خدا کیلئے ترسنا چاہئے جو مسلم اُمت کو پھر سے مقصودِ حیات کے حصول کی کٹھن راہ پر ڈال دے۔جو ہمیں روٹی بوٹی اور کار کوٹھی کے سفلی چکر سے نجات دلا کر حزب اللہ کے سپاہی بنا دے۔جو ہمیں مال و دولت کی ہوس سے نکال کر فقر و استغناء کی بے نیازی سے آشنا کر دے۔آیئے ذرا اپنے قومی شاعر، حکیم الامت حضرت علامہ محمد اقبالؒ سے پوچھتے ہیں کہ امت کی امامت کا منصب کسے سونپنا چاہئے اور وہ قوم کو کس راہ پر چلانے کیلئے جدوجہد کرے۔

تو نے پوچھی ہے امامت کی حقیقت مجھ سے
حق تجھے میری طرح صاحبِ اسرار کرے
ہے وہی تیرے زمانے کا امامِ برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے
موت کے آئینے میں تجھ کو دکھا کر رُخِ دوست
زندگی تیرے لئے اور بھی دشوار کرے
دے کے احساسِ زیاں تیرا لہو گرما دے
فقر کی سان چڑھا کے تجھے تلوار کرے
فتنۂ ملت بیضا ہے امامت اس کی
جو مسلماں کو سلاطیں کا پرستار کرے

(ضربِ کلیم)

خیرالامت کازوال

ذرا اپنے ماضی پر تو نظر ڈالیئے کہ موجودہ ہزار سالہ دور جواب ختم ہونے کو ہے جب اس کی ابتداء ہوئی تو مسلمان ایک برتر قوت کی حیثیت سے دنیا پر چھائے ہوئے تھے۔قوت وشوکت،صنعت وحرفت،عدل وانصاف،امن وامان،علوم وفنون اور اخلاق عالیہ کے میدانوں میں چار سو انہی کا ڈنکا بج رہا تھا۔پھر یوں ہوا کہ تاریخ عالم کی یہ منفرد اور بے مثل قوم جو دنیا بھر کے انسانوں کو ان کی تخلیق کے مقصد سے آگاہ کرکے اللہ اور حیات آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دینے پر معمور من اللہ تھی۔وہ خود ہی متاع دنیا کے فریب میں آکر اللہ اور اس کے دین سے دور ہونا شروع ہوگئی۔جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ باہمی اتحاد واتفاق ختم ہوگیا،تعمیر وتسخیر کائنات کے ولولے سرد پڑ گئے،فلاح انسانیت کیلئے دعوت حق کا جذبہ ٹھنڈا پڑ گیا اور راہ حق میں جان دینے کی تڑپ باقی نہ رہی تو اسلام دشمن طاقتوں کے غلبہ کی راہ ہموار ہوگئی۔مغربی اقوام مسلمانوں سے حاصل کردہ علوم کو آگے بڑھا کر صنعتی دور میں داخل ہوگئیں اور پھر جدید اسلحہ اور نظم وضبط کی قوت کے بل بوتے پر ممالک اسلامیہ پر قابض ہوتی چلی گئیں۔انہوں نے ہمارے تمام شعبہ ہائے حیات سے اللہ کے دین کو یکسر خارج کرکے اپنے مادہ پرستانہ نظام کو مسلط کر دیا۔مسلمان جو پہلے ہی نفس کے غلام بن کر شیطان کے ساتھ اچھے مراسم پیدا کر چکے تھے انہیں خارج میں ابلیسی نظام کو قبول کرنے میں کسی خاص کرب کا سامنا نہ کرنا پڑا۔پھر آہستہ آہستہ خواص وعوام خوئے غلامی میں پختہ ہوتے چلے گئے اور متاع کارواں کے لٹنے کا احساس بھی باقی نہ رہا۔نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ کافر آقاؤں کو ملت اسلامیہ کا محسن قرار دے کر ان کے خلاف جہاد کو حرام قرار دینے والے کذاب کو نبی مان لینے والے بھی ہمارے ہی بھائی تھے۔ہماری بے حسی اور خود فریبی کا یہ عالم ہے کہ ہم شان وشوکت کے چھن جانے اور اغیار کی غلامی میں مبتلا کئے جانے کو اللہ تعالٰی کی سزا تسلیم ہی نہیں کرتے بلکہ ہم تو صفحۂ ہستی سے مٹا دئے جانے ہی کو عذاب یا سزا سمجھتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ سیاسی آزادی مل جانے کے بعد بھی ہم نے اپنے زوال کے اسباب جاننے کی مطلق کوئی کوشش نہیں کی۔اگر ہم ملت اسلامیہ کی عالمی سیادت سے معزولی کو اللہ کی جانب سے دی گئی سزا تسلیم کر لیتے تو پھر اس عظیم ملی سانحہ کو جنم دینے والے امور کا کھوج لگانے کیلئے کوئی اعلٰی سطحی کمیشن

ضرور قائم کرتے اور پھر اس کی سفارشات کی روشنی میں مستقبل کیلئے قومی لائحہ عمل مرتب کر کے اس پر عمل پیرا ہوتے۔ لیکن افسوس ہے کہ یہ اہم ترین کام جس قدر ہماری توجہ کا مستحق تھا اسی قدر اس سے بے اعتنائی برتی گئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم اپنی پرانی ڈگر پر ہی چلتے رہے بلکہ اخلاقی پستی کی طرف ہمارے سفر کی رفتار مزید تیز ہو گئی۔ ہم نے نہ تو اپنی لغزشوں سے توبہ کر کے اللہ کی طرف رجوع کیا، نہ ہی قرآن مجید کو اپنا آئین حیات بنایا اور نہ ہی وحدت اُمت، نظم وضبط، امانت و دیانت اور سائنس و ٹیکنالوجی کے فروغ کیلئے کوئی منصوبہ بندی کی۔ قوموں میں اچھے اخلاق اور نیک اطوار پیدا کرنے کیلئے اسی طرح جدوجہد کرنا پڑتی ہے جس طرح پھل دینے والے کسی باغ کی تیاری کیلئے کی جاتی ہے۔ جبکہ بری عادتیں اور بدنظمی زمین کے جھاڑ جھنکاڑ کی طرح بغیر کسی محنت کے خود بخود ہی پیدا ہو جاتی ہیں۔ اب اگر ہم گذشتہ نصف صدی پر محیط اپنی قومی کارکردگی کا جائزہ لیں تو بغیر کسی دقت کے یہ حقیقت سامنے آ جاتی ہے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت کے سبب ملنے والی آزادی کی کماحقہ قدر نہیں کی۔ نہ ہی ہم نے قائداعظمؒ جیسے محسن کے اس فرمان کو قابل اعتناء سمجھا کہ پاکستان بذات خود ہمارا مقصود ہرگز نہیں ہے بلکہ ہم تو ایک خطہ زمین اس لئے حاصل کرنا چاہتے ہیں تا کہ وہاں اسلام کے سنہری اصولوں اور شاندار روایات کے مطابق اپنی زندگیاں گذار سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے بارے میں فرمایا۔

وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌo اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِo (الحج40-41)

"اور جو شخص اللہ کی مدد کرتا ہے اللہ اس کی ضرور مدد کرتا ہے۔ بے شک اللہ قوت والا اور زبردست ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انکو ملک میں دسترس دیں تو وہ صلوٰۃ قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور نیک کام کرنے کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے"۔

ہم نے یہ ملک اسلام کے نام پر حاصل کیا لیکن مندرجہ بالا آیت مبارکہ پر عمل پیرا نہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی نصرت کے دروازے اپنے اوپر خود ہی بند کر لئے اور جب اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال

نہ رہے تو پھر کہیں سے بھی مدد نہیں ملتی۔ ہم نے اللہ اور قرآن کو چھوڑ دیا تو اس نے نہ صرف ہمارا ملک توڑ دیا بلکہ ہمارا حلیہ بگاڑ دیا ہے۔ اب دوست اور دشمن ہمارا مذاق اڑا رہے ہیں۔ ایک باکردار اور مثالی اُمت بننے کی بجائے ہم مزید اخلاقی انحطاط کا شکار ہو گئے ہیں ۔ بے ایمانی، دھوکہ دہی، جعل سازی، فریب کاری، رشوت ستانی اور قتل و غارت کی تباہ کن راہوں پر ہم اس انداز سے آگے بڑھے ہیں کہ بعض شعبوں میں تو ہم دنیا بھر میں اول مقام پر آ گئے ہیں۔ اب ہر طرف سے یہی آواز اُٹھ رہی ہے کہ انگریزوں کی غلامی کے دوران یا آزادی کے اوائل میں تو ہم ایسے نہ تھے، جرائم اس قدر دیدہ دلیری سے تو نہیں ہوتے تھے۔ رشوت اس قدر عام تھی اور نہ ہی دھڑلے سے لی جاتی تھی۔ انسانی خون اس قدر ارزاں تھا اور نہ ہی دن دہاڑے ڈاکے ڈالے جاتے تھے اور اللہ کی مساجد میں خونریزی کا تو کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ کیا گورے آقا کا ڈنڈا اُٹھ جانے کی وجہ سے ہماری بداخلاقی اور درندگی کے بند ٹوٹ گئے ہیں یا یہ ترقی معکوس ہمارے نام نہاد اور بے بصر سیاسی لیڈروں، تنگ نظر علماء اور جاہل صوفیاء کی مرہونِ منت ہے کہ پوری قوم تباہی کے دہانے پر آ کھڑی ہوئی ہے؟

یہ پیرانِ کلیسا و حرم اے وائے مجبوری
صلہ ان کی کدو کاوش کا ہے سینوں کی بے نوری

قرآن سے دوری

ہماری فلاح کا ایک ہی راستہ ہے کہ ہم اپنی جان پر، اپنے ملک پاکستان پر اور پھر اللہ کی نصرت سے پورے جہان پر قرآنی آئین کے تحت اللہ کا دین نافذ کریں۔ یہ نفاذ جزوی طور پر نہیں بلکہ مکمل صورت میں ہی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا باعث بن سکتا ہے۔ جزوی ایمان اور جزوی نفاذ نہ تو انفرادی طور پر قابل قبول ہے نہ ہی اجتماعی طور پر۔ البتہ نتائج کے حصول میں کمی یا کوتاہی نظر انداز کی جا سکتی ہے۔ جزوی طور پر ایمان کے عواقب بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 85 میں فرمایا "کیا تم کتاب کے بعض احکام کو تو مانتے ہو اور بعض سے انکار کئے دیتے ہو۔ تو جو تم میں سے ایسی حرکت کریں ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ دنیا کی زندگی میں تو رسوائی ہو اور قیامت کے دن سخت سے سخت عذاب میں

ڈال دیئے جائیں اور جو کام تم کرتے ہو اللہ ان سے غافل نہیں"۔

کیا اس آیت مبارکہ کی وعید ہمارے دلوں میں اللہ کا خوف اور توبہ کا احساس پیدا نہیں کرتی کہ جزوی ایمان والوں کو دنیا کی رسوائی کے علاوہ آخرت میں بھی سخت عذاب میں ڈالا جائے گا۔ جو قوم اللہ کی پوری زمین پر زندگی کے ہر شعبے میں اللہ کے آئین کے نفاذ کیلئے مامور ہو بھلا وہ یہ جرم کیسے کر سکتی ہے کہ اپنی سرزمین پر کسی غیر اسلامی اور غیر قرآنی نظام کو مسلط کر کے اس کے مطابق زندگی کے امور طے کرے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکامات کے مطابق فیصلے نہ کرنے والوں کے بارے میں جو فیصلہ سنایا گیا ہے وہ سن لیجئے۔

(1) وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ○

(المائدہ۔44)

"اور جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں"

(2) وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ○

(المائدہ۔45)

"اور جو لوگ اللہ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے تو ایسے لوگ ظالم ہیں"۔

(3) وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ○

(المائدہ۔47)

"اور جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں"۔

ہم نے یہ سب کچھ بننا منظور کر لیا لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے آئین رحمت کی طرف رجوع نہیں کیا۔ ہم نے ترقی پسند اور جمہوری ملک کہلوانے کے شوق میں قرآن کریم کو پس پشت ڈال دیا اور کفار کی نقالی پر فخر محسوس کیا۔ جن قوموں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے واضح ہدایات دے رکھی ہیں کہ وہ لوگ کبھی تمہارے دوست نہیں ہو سکتے ہم نے انہی کے ساتھ دوستی کے معاہدے کئے۔ اس کھلی نافرمانی کی سزا تو ملنا ہی تھی اور بڑی سخت ملی۔ جس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔

لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ اب بھی ہماری عقل ٹھکانے نہیں آئی ورنہ اس سوال کا جواب تلاش کرنے میں ہمیں مشکل پیش نہ آتی کہ ہماری زندگی کے ہر شعبے اور حکومت کے ہر محکمے میں خرابی کیوں پیدا ہوگئی ہے۔ ہمارے ساتھ جو کچھ بھی ہوا یہ ہماری اپنی ہی شامت اعمال ہے۔ لیکن اب بھی موقع ہے کہ اپنے گناہوں سے توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آ جائیں اور رسول اللہ ﷺ کا دامن اور قرآن کریم کو مضبوطی سے تھام لیں۔ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا اور خطائیں معاف کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی سزا کے پیچھے بھی اس کی رحمت ہی کارفرما ہوتی ہے تا کہ کسی طرح انسان توبہ کر کے اللہ کی طرف لوٹ آئیں۔ مندرجہ ذیل آیت مبارکہ کا اطلاق اگرچہ پوری انسانیت پر ہوتا ہے لیکن حاملین قرآن کی حیثیت سے اس کے اولین مخاطب ہم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی فرد یا قوم پر ہرگز ظلم نہیں کرتے بلکہ ہم خود ہی ظلم اور جہالت کی راہ پر چل نکلتے اور اپنے کئے کی سزا پاتے ہیں۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ٥ (الروم۔41)

"یہ جو خشکی اور سمندر میں فساد پھیل گیا ہے یہ انسانوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے تا کہ ہم ان کے کچھ اعمال کے نتائج کا مزا انہیں چکھا دیں شاید کہ وہ (اللہ کے آئین کی طرف) پلٹ آئیں"۔

ہمارے لئے بھی اس کے سوا کوئی چارا نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ آئین حیات کی طرف لوٹ آئیں۔ ہماری رسوائی کی ایک ہی وجہ ہے کہ ہم نے قرآن حکیم فرقان مجید کو قوانین کا منبع تسلیم نہیں کیا۔ حالانکہ قائداعظمؒ سے جب پوچھا گیا کہ پاکستان کا آئین کیا ہوگا تو اس مرد مومن نے بھی یہ فرمایا تھا کہ ہمارا آئین چودہ سو سال پہلے تیار کیا جا چکا ہے۔ حضرت اقبالؒ نے بھی فرمایا

خوار از مہجوری قرآں شدی
شکوہ سنج گردش دوراں شدی

"تو اپنی کج فہمی کے سبب زمانے کے حالات اور گردش دوراں کے شکوے کرتا ہے۔ حالانکہ تیری خواری کا اصل سبب قرآن کریم سے دوری و مہجوری ہے"۔

ہماری اخلاقی پستی کی ایک اور وجہ ہماری غلامانہ سوچ اور کج فہمی ہے۔جب اغیار نے حکومت چھین کر ہمیں زندگی کے تمام شعبوں سے بے دخل کر دیا اور ہمارے قبضے میں صرف مساجد رہ گئیں تو ہم نے عبادت کو غلط معنی پہنا کر دین کو صرف نماز و روزہ اور دیگر بنیادی ارکان اسلام کی پابندی تک محدود کر لیا۔اس اندازِ فکر کی وجہ سے ہم اپنی ذات یا حالات میں تبدیلی لانے کی کوئی خاص کوشش نہیں کرتے۔اور اسی وجہ سے ہمارے چند حاجی نمازی بھائی بعض اخلاقی کوتاہیوں کے باعث معاشرے کی نظروں سے گر جاتے ہیں۔حالانکہ ارکان اسلام کی پابندی سے مقصود تو اخلاق و کردار کے وہ تمام محاسن اپنے اندر پیدا کرنا ہے جن سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی اور جنت میں داخلہ ملتا ہے۔کیا ہمیں قرآن کریم میں جنت میں جانے والے مومنوں کے یہ اوصاف دکھائی نہیں دیتے کہ وہ اپنی نمازوں میں خشوع کرنے والے، زمین پر عاجزی سے چلنے والے، اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے والے، غصے کو پی جانے والے، لوگوں کی خطاؤں سے درگزر کرنے والے ہونگے۔وہ امانت دار، دیانت دار، ناپ تول کے پورے، قول کے سچے اور وعدوں کے پکے ہونگے۔وہ تھوڑے رزق پر قناعت کرنے والے، مصیبتوں پر صبر کرنے والے، نعمتوں پر شکر کرنے والے، یتیموں، مسکینوں اور بیواؤں کی دستگیری کرنے والے ہوں گے۔وہ جھوٹ، فریب، غیبت، حسد، بغض، کسب حرام اور لغو کام سے بچنے والے، راتیں قیام و سجود میں گزارنے والے اور کام کاج کے دوران کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے ہوں گے۔کیا ہماری فلاح دارین کا انحصار حضور رحمتاً للعالمین ﷺ کے اتباع پر نہیں ہے جن کی شان میں **اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیْمٍ** آیا اور جن کا اخلاق قرآن کریم کی تعلیم کا عملی نمونہ تھا۔جب تک ہم اپنے اخلاق واطوار کو حضور ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے سانچے میں نہیں ڈھالیں گے اس وقت تک نہ تو آپ کے اتباع کا حق ادا ہوگا اور نہ ہی جنت میں داخل ہو پائیں گے۔کیا مخبر صادق ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ میری بعثت کا مقصود ہی یہ ہے کہ بزرگ ترین اخلاق اور نیک ترین اعمال کی تکمیل ہو۔کیا حضور ﷺ کے یہ فرمان ہماری آنکھوں سے اوجھل ہو گئے کہ میرے دین کی اساس محبت ہے ایمان لانے کے بعد سب سے بڑی دانائی مخلوق خدا سے محبت کرنا ہے، کامل ایمان اس کا ہے جس کا اخلاق اچھا ہے۔قیامت کے دن مومن کے نامہ اعمال میں سب سے وزنی شے حسن خلق

ہوگا،تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو مخلوق خدا کو نفع پہنچائے اور مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھوں سے دوسرے انسان امن وسلامتی میں ہوں۔کیا ہم نے حضور ﷺ کے اِس انتباہ کو نظر انداز کر دیا کہ جس نے ہم پر ہتھیار اُٹھایا،جس نے دھوکہ فریب کیا، جو اپنے بڑوں کی عزت اور چھوٹوں پر شفقت نہ کرے،جس کے ہمسائے اس کی شرارتوں سے تنگ ہوں وہ ہم میں سے نہیں ہے یعنی اُمت مسلمہ سے خارج ہے۔کیا حدیث شریف میں نہیں آیا کہ حضور ﷺ بالعموم اپنے ہر خطبہ میں ارشاد فرماتے تھی کہ جس شخص کے اندر امانت کا پاس نہیں اس میں ایمان نہیں اور جس شخص میں عہد کی پابندی نہیں اس کا کوئی ایمان نہیں۔کیا ہم نے اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ کے اِنذار سے اپنے کان بند کر رکھے ہیں کہ یہ چار علامات منافق کی ہیں کہ امانت میں خیانت کرے، وعدہ کرے تو پورا نہ کرے،بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب جھگڑا کرے تو گالی دے اور یہ بات ہم سب کے علم میں ہے کہ منافقین دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے۔ذرا غور فرمایئے کہ قرآن وسنت کے اس معیار اور ہمارے کردار میں کیا مناسبت ہے۔اخلاق اور کردار کا جو مقام اللہ کے دین میں ہے اس کی اہمیت واضح کرنے کیلئے میں اپنے ہادی ومرشد حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی تصنیف ''تعمیر ملت'' سے ایک اقتباس آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔آپ نے فرمایا۔''ایمان،عقائد اور عبادات سب کی غرض وغایت یہ اور صرف یہ ہے کہ دنیا اور آخرت دونوں میں راحت اور آرام کی زندگی حاصل ہو اور یہ اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک انسان معاملات میں صادق اور اخلاق میں کامل نہ ہو جائے۔بالفرض کوئی آدمی پانچ وقت نہیں بلکہ دس وقت نماز پڑھے،مہینہ بھر نہیں سال بھر روزے رکھے،ہر سال حج کرے،زکوٰۃ دے لیکن دوسرے لوگوں کے متعلق اپنے فرائض ادا نہ کرے۔مثلاً بیوی بچوں کو نان ونفقہ سے تنگ رکھے،لوگوں کا مال دھوکے سے ہضم کر جائے،غیبت کرے،جھوٹ بولے،چوری کرے،رشوت لے،فرائض منصبی دیانتداری سے ادا نہ کرے،کم تولے،کم ناپے،لوگوں کو لڑائے اور قوم میں تفرقہ ڈلوائے۔تندخو،مغرور اور مغلوب الغضب ہو،دوسروں کو حقیر وذلیل سمجھے اور ان سے سیدھے منہ بات کرنا اپنی توہین جانے تو آپ کا کیا خیال ہے کہ وہ مرتے ہی جنت میں چلا جائے گا اور ان بد اعمالیوں کی سزا نہ پائے گا''۔

دین ودنیا کی غلط اصطلاح

اخلاق کی طرف سے ہماری لاپرواہی کی ایک وجہ ''دین ودنیا'' کی اصطلاح بھی ہے جو دورِ غلامی میں ہمارے ذہنوں پر کچھ اس طرح سوار ہوگئی کہ اس نے زندگی کی وحدت کو دین اور دنیا کے علیحدہ علیحدہ خانوں میں بانٹ دیا۔ اس طرح عملی زندگی میں ہم نے بہت سے کاموں کو دنیا داری قرار دے کر دین کی گرفت سے آزاد کرا لیا اور اپنی کج فہمی کے باعث یہ فیصلہ کر لیا کہ دنیا داری کے میدان میں نیکی اور پارسائی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ حالانکہ ہم پیچھے بیان کر آئے ہیں کہ دین سے مراد وہ مکمل آئین ہے جو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی زندگی گذارنے کیلئے انسانوں کو عطا فرمایا۔ اور دنیا حیاتِ ارضی کا نام ہے اور اس کے مقابلے میں قیامت کے بعد نا ختم ہونے والی زندگی کا نام آخرت ہے جو اہل ایمان ہوتے ہیں وہ اس دنیا کی پوری زندگی اللہ کے آئین کے مطابق گذارتے ہیں جس میں انسانی زندگی کے ہر شعبے کیلئے اصولی ہدایات موجود ہیں۔ یعنی وہ دنیا کو دین کے تحت کر لیتے ہیں۔ جو لوگ اللہ اور آخرت کی زندگی کو نہیں مانتے وہ اس آئین یعنی اللہ کے دین کو بھی نہیں مانتے، اپنی زندگی کے ساری کام اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوگیا کہ مختلف قسم کے کاموں کا نام دین اور دنیا نہیں ہے۔ بلکہ کام سارے دنیا ہی کے ہیں اور اس زمین پر بسنے والے سارے انسانوں کو آپ دنیا دار کہہ سکتے ہیں اور اللہ کا دین وہ آئین ہے جو ہر خطا سے مُبرّا ہے اور جسے اپنانے سے دنیا اور آخرت دونوں سدھر جاتی ہیں۔ اس لئے میں یہ کہنے کی جسارت کرونگا کہ ''دین و دنیا'' کی یہ اصطلاح ہی غلط ہے کیونکہ اس کی ترکیب سے یہ تاثر جنم لیتا ہے کہ دین اور دنیا دو علیحدہ علیحدہ، متضاد اور ایک دوسرے سے مختلف چیزوں کا نام ہے۔ ہمیں قرآن کریم میں کہیں بھی نظر نہیں آئے گا کہ دنیا کو دین کے مقابلے میں بیان کیا گیا ہو بلکہ ہر مقام پر دنیا اور آخرت کو آمنے سامنے رکھا گیا ہے۔ کیونکہ دو زندگیاں ہیں ایک ہماری موجودہ حیاتِ ارضی ہے جو گھٹیا ہے، ختم ہونے والی ہے اور ہمارے لئے تربیت گاہ اور آزمائش ہے۔ دوسری حیات آخرت ہے جو بہت بڑھیا اور نہ ختم ہونے والی ہے اور جہاں ہمیں ہمارے اعمال کی جزا و سزا ملے گی۔ لفظی اور لغوی طور پر بھی دنیا کے معنی ہی ادھر، نزدیک والی، نچلی اور گھٹیا ہے۔ دنیا ادنیٰ کی مونث ہے، جس طرح علیا اعلیٰ کی مونث ہے۔ یعنی

اس کے مقابلے میں ایک اعلیٰ و برتر زندگی موجود ہے جو حیات آخرت ہے ۔اسی لئے قرآن میں خسارہ اُٹھانے والے لوگوں کے بارے میں یہ نہیں فرمایا کہ اُنہوں نے دین کے کام چھوڑ کر دنیا کے کام کئے بلکہ یہ فرمایا **اَسْتَحَبُّوا الحَیٰوۃَ الدُّنْیَا عَلَی الْاٰخِرَۃِ** (نحل ۔107)

کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے مقابلے میں عزیز رکھا۔ یہ بھی فرمایا کہ سب سے زیادہ نقصان اُٹھانے والے لوگ وہ ہوں گے **اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُھُمْ فِی الْحَیَاۃِ الدُّنْیَا** o(کہف ۔104)

جن کی ساری تگ و دو دنیا کی زندگی ہی کے لئے برباد ہوگئی ۔اسی طرح سورۃ اعلیٰ کے آخر میں فرمایا کہ ''تم لوگ تو حیات دنیا ہی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے''

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مومنین کو بہترین دعا میں **رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً** دنیا میں بھی بھلائیاں اور آخرت میں بھی بھلائیاں طلب کرنے کا سلیقہ سکھایا۔ کہیں بھی دین مانگنے کا نہیں فرمایا کیونکہ وہ تو کامل صورت میں رسول اللہ ﷺ کے توسط سے عطا کیا جا چکا ۔اسی طرح جہاں کسی ناہنجار قوم کے انجام کا ذکر فرمایا وہاں **خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ** کہا گیا یعنی ان کی دنیا اور آخرت دونوں برباد ہوگئیں۔کہیں بھی دین برباد ہونے کا ذکر نہیں آیا کیونکہ اللہ کا دین برباد ہو ہی نہیں سکتا۔ دراصل ہم انسانی زندگی کی سرگرمیوں کو دین اور دنیا میں تقسیم کر ہی نہیں سکتے ۔آپ قرآن وسنت کی روشنی میں غور فرمائیے کہ بچے کی پیدائش پر کانوں میں اذان دینا، سر منڈانا، عقیقہ کرنا، ختنہ کرنا، بڑا ہونے پر اسے تعلیم واخلاق سے آراستہ کرنا، اسے کوئی ہنر سکھانا، جوان ہونے پر نکاح کا حکم، میاں بیوی میں جھگڑا ہو جائے تو مصالحت کا طریقہ، طلاق اور نکاح ثانی کے مسائل، رزق کمانے اور خرچ کرنے کی حدود، وفات پر جائیداد کی تقسیم کے قوانین، گھروں میں داخل ہونے، میل ملاقات، کھانے پینے، خلوت وجلوت اور سفر وحضر کے آداب، استنجا، وضو اور غسل کی تعلیم، مرد اور عورت کے ستر کی حدود، جرائم کے لئے سزاؤں کا تقرر، دوسری قوموں کے ساتھ صلح و جنگ کے قوانین، مال غنیمت اور جنگی قیدیوں کے بارے میں جو مفصل ہدایات دی گئی ہیں تو ان کاموں کو آپ دین کے کھاتے میں ڈالیں گے یا دنیا کے۔ اگر یہ سب کچھ دُنیا ہے تو پھر قرآن کریم اور سنت رسولؐ میں ان کی موجودگی کا کیا جواز ہے۔اور اگر

یہ سب کچھ دین ہے تو پھر دُنیا کس چڑیا کا نام ہے۔ دین و دنیا میں دوئی ہماری پست فکر نے پیدا کی اور اسی نے دینی علوم، دینی کام اور دینی فائدے جیسی مزید اصطلاحوں کو متعارف کرایا۔ درحقیقت دنیا کے کام بٹے ہوئے نہیں ہیں۔ بلکہ انسان دو گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جو اللہ اور یوم آخرت کے منکر ہیں اور اپنی زندگی خواہشات نفس کی پیروی میں اور اپنی مرضی کے مطابق گزارتے ہیں۔ یہی لوگ کافر اور خسارہ اٹھانے والے ہیں۔ دوسرے وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لاکر اللہ کے دین کے تحت مولا کی مرضی کے مطابق زندگی گزارتے ہیں۔ یہ صاحب ایمان اور فلاح دارین حاصل کرنے والے ہیں۔ دین کی وسعت کا اظہار حضور ﷺ کے اس ارشاد سے بھی ہوتا ہے کہ ایمان کے ستر سے کچھ اوپر شعبے ہیں جن میں سب سے افضل کلمہ طیبہ کا اقرار ہے، حیاء بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے اور ان میں سب سے کمتر راستے میں سے کسی مضر چیز کا ہٹا دینا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس مکمل آئین میں زندگی سے متعلقہ تمام سرگرمیوں کے علیحدہ علیحدہ شعبے وقف ہیں۔ لہٰذا دین چند مخصوص اعمال کا نام ہرگز نہیں بلکہ چند ازلی و ابدی لیکن نظر نہ آنے والے حقائق (ایمان بالغیب) پر قائم ایک مکمل نظام حیات کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو دنیا کی زندگی احسن طریقے سے گذارنے کے لئے دیا تو پھر ان دونوں میں علیحدگی کا جواز کہاں سے پیدا ہو گیا۔ ہمارے کئی اعلیٰ تعلیم یافتہ بھائی بھی اپنی کم کوشی اور بے عملی کا اظہار کرنے کے لئے یہ کہتے ہیں کہ جی ہم تو دنیا دار لوگ ہیں۔ میں ان سے یہی گذارش کیا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا دین ہم دنیا داروں کے لئے ہی بھیجا ہے تا کہ ہم اس زندگی کی بھول بھلیوں میں بھٹکتے نہ پھریں۔ دین کی ضرورت جمادات، نباتات، حیوانات اور فرشتوں کو نہیں ہے لیکن ہمارے لئے اس کے بغیر کوئی چارا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر بہت بڑا احسان کیا کہ اپنے رسول ﷺ کو دین حق دے کر بھیجا۔ میں اپنے بھائیوں سے یہ بھی عرض کرتا ہوں کہ کیا حضور ﷺ کے صحابہؓ دنیا دار نہیں تھے؟ کون سے کام ہیں جو ہم ان سے زیادہ کر رہے ہیں۔ انہوں نے شادیاں کیں اور ہم سے زیادہ کیں، ان کے بچے تھے اور ہم سے زیادہ تھے، وہ تاجر اور کسان تھے، مزدور اور گلہ بان تھے، صنعت کار تھے شاہسوار تھے، انہوں نے ہجرت کی، جنگیں لڑیں، حکمرانی کی، قاضی اور والی بنے، فوجوں کے سپہ سالار بنے، قوموں کے معلم اور رہنما بنے اور اللہ کا پیغام

پھیلانے کے لئے دور دراز سفر کئے۔باایں ہمہ انبیاء علیہم السلام کے بعد انہی کا درجہ سب سے بلند ہے اور اس دنیا کی دولت اور نعمتیں بھی اِن کے قدموں میں چلی آئی تھیں کیونکہ وہ مولا مرضی والے دنیا دار تھے اور ان کے پیشِ نظر اللہ تعالٰی کی رضا کے سوا اور کچھ نہیں تھا اور ہم جو بزعم خود دیندار ہیں وہ بھی من مرضی والے ہیں۔اسی لئے ہماری نمازیں اور دعائیں، ہمارے وظیفے اور چلے بلکہ بزرگوں سے عقیدت واحترام کا تعلق بھی دنیا ہی کی خاطر ہوتا ہے لیکن پھر بھی یہ دنیا ہم سے دور دور ہی رہتی ہے۔

ایسی ہی غلامانہ سوچوں نے نہ صرف ہماری روحانی اور اخلاقی حالت کو متاثر کیا بلکہ تعمیر و تسخیر کی صلاحیتوں کو زنگ آلود کر کے سائنسی ترقی کو بھی منجمد کر دیا ہے۔دین کو اس طرح محدود کر دینے کی وجہ سے زندگی کی سرگرمیوں کے دائرے سکڑتے چلے گئے اور شہ لولاک ﷺ کے شاہین کنوئیں کے مینڈک بن کر رہ گئے۔علامہ اقبال غلامی اور آزادی کی زندگی کا فرق بیان کرنے کے لئے فرماتے ہیں۔

بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحرِ بیکراں ہے زندگی
آشکارا ہے یہ اپنی قوتِ تسخیر سے
گرچہ اک مٹی کے پیکر میں نہاں ہے زندگی

(بانگِ درا)

عبادت کی حقیقت

اب ہم اللہ تعالٰی کی توفیق سے قرآن کریم کی ایک بنیادی اور نہایت ہی اہم اصطلاح ''عبادت'' پر کچھ روشنی ڈالیں گے تاکہ بہت سی غلط فہمیوں سے نجات حاصل کرنے میں آسانی ہو۔عربی لغت میں عبد کے معنی غلام ہیں۔جو شخص کسی دوسرے کے تحت ہو اور اپنی مرضی کا مالک نہ ہو اُسے عبد کہا جاتا ہے۔اس طرح اللہ تعالٰی کی عبادت کا صحیح مفہوم اپنی مرضی کو قربان کر کے اللہ تعالٰی کی غلامی کرنا ہے۔ایک عارضی ملازم یا کرائے کا مزدور تو یہ سوال

اٹھا سکتا ہے کہ مجھے کیا کام کرنا ہوگا یا کتنے گھنٹے کرنا ہوگا لیکن ایک غلام کے لئے اس قسم کی شرائط خارج از بحث ہیں کیونکہ اس کا آقا جس وقت بھی اسے جو کام کرنے کا حکم دے گا وہ اسے کرنا پڑتا ہے ۔حقیقی بندگی تو اللہ تعالیٰ کی محبت کی راہ میں اپنا تن من دھن بیچ ڈالنے کا نام ہے ۔اگر چہ بندگی کی یہ تشریح ہماری سوچوں سے کافی مختلف اور مشکل دکھائی دیتی ہے لیکن حقیقی فلاح کے حصول کی خاطر ہمیں اپنے اندازِ فکر اور طرزِ عمل کو بدلنا ہی ہوگا۔ یہ تجارت تو بڑی ہی بابرکت اور اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت ہے کہ ہماری جانیں اور ہمارے اموال جو اس نے ہمیں بغیر کسی استحقاق کے محض اپنے فضل سے عطا کر رکھے ہیں انہیں وہ بڑی اونچی قیمت کے بدلے خریدنے پر رضامند ہو جائیں اور اعلان فرمادیں۔

اِنَّ اللّٰـهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَo (التوبہ۔111)

''اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لئے ہیں کہ ان کے لئے جنت تیار کی ہے''

اس سے یہ صاف ظاہر ہو گیا کہ دائرہ اسلام میں داخلہ گویا اپنی جان اور مال کے حقوق سے دستبرداری کا نام ہے ۔حضور نبی کریم ﷺ کے دست مبارک پر اور آج کل ہم لوگ جو بزرگوں کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں تو گویا یہ اللہ تعالیٰ سے کئے جانے والے سودے کی توثیق ہے کیونکہ بیعت کی معنی ہی بیچ ڈالنے کے ہیں ۔اگر ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کو غلامی کے معنوں میں قبول کرلیں تو ہمارے ذہنوں کی پیدا کردہ دنیا کے کاموں اور دین کے کاموں والی تقسیم کا طلسم ٹوٹ جائے۔ کیونکہ جب ہم اللہ تعالیٰ کی غلامی میں داخل ہو جائیں تو پھر اپنی مرضی سے دستبردار ہوکر اپنی خواہشات کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تحت رکھنے کے پابند ہونگے اور زندگی اس کی اطاعت کے لئے وقف ہو جائے گی ۔پھر یہ غلامی تو ذوق وشوق سے اختیار کی گئی اپنے حقیقی محبوب کی غلامی ہے اس لئے یہاں چون و چرا کی گنجائش ہی کہاں باقی رہتی ہے۔

عبادت کا مفہوم اتنا وسیع ہے کہ یہ ایک لفظ پورے نظام حیات کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ اللہ کی بندگی پوری زندگی پر محیط اندازِ فکر اور طرزِ حیات کا نام ہے اور اس کا نام اللہ کا دین ہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کو اپنا الٰہ اور رب تسلیم کرکے اس کی بندگی میں داخل ہو جاتے ہیں اور اس کے

رسول ﷺ کی اتباع میں زندگی بسر کرتے ہیں وہ مسلم کہلاتے ہیں اور جو لوگ اللہ کی بندگی کے نظام میں داخل نہیں ہوتے وہ شیطان کے اتباع میں اپنے نفس کے غلام بن کر کفار کے دین یعنی کافرانہ طرزِ حیات کی پیروی کر کے دنیا و آخرت میں نقصان اٹھاتے ہیں۔ اگر ہم قرآن کریم کی ایک مختصر سورت **الْکٰفِرُوْنَ** کی چھوٹی چھوٹی آیات پر غور و فکر کریں تو ہمیں نظر آئے گا اس میں عبادت کے علاوہ کسی دوسری بات کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اس میں صرف عبادت کے مفہوم کو مختلف انداز میں آٹھ مرتبہ دہرایا گیا ہے اور آخر میں عبادت کے اختلاف کی بناء پر ہی کفار سے یہ کہنے کا حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کے ماسواء کی عبادت والا تمہارا دین تمہارے لئے اور اللہ کی عبادت والا میرا دین میرے لئے۔ معلوم ہوا کہ عبادت اور دین ایک ہی حقیقت کے دو رُخ ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں ایک دوسرے مقام پر صاف صاف فرما دیا گیا۔

اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ط اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاهُ ط ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَo (یوسف۔40)

''اللہ کے سوا کسی کی حکومت نہیں ہے۔ اس نے حکم فرمایا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے''۔

ہم پیچھے یہ حقیقت بیان کر چکے ہیں کہ انسان کی تخلیق کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے قرب کا حصول ہے۔ اس منزل پر پہنچنے کیلئے صراطِ مستقیم کی نشاندہی ہو جانا سالکین راہِ خدا کیلئے بہت بڑی نعمت ہے۔ حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے عبد اور رسول ہیں اور آپ کیلئے سورۃ یاسین میں فرمایا گیا **اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ** کہ بے شک آپ مرسلین میں سے ہیں اور صراطِ مستقیم پر ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا اتباع ہی عبدیت ہے اور اسی کا نام صراطِ مستقیم ہے۔ دوسری جگہ مزید واضح کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت یعنی اس کی غلامی اختیار کر لو کہ یہی صراطِ مستقیم ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ط هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌo

(آل عمران۔51)

''بے شک اللہ ہی میرا اور تمہارا رب ہے تو اسی کی عبادت کرو یہی صراطِ مستقیم یعنی سیدھا راستہ ہے''

اب یہ بات کھل کر سامنے آ گئی کہ عبادت کا دائرہ بہت ہی وسیع اور پورے دین پر محیط ہے اور اسی کا نام صراط مستقیم بھی ہے۔ہم نے بہت سی کج فہمیوں کی بناء پر صرف نماز کو عبادت سمجھنا اور کہنا شروع کر دیا۔اگر چہ نماز اور دوسرے ارکان اسلام عبادت و دین کا بہت اہم حصہ ہیں کہ انہی سے وہ کردار تعمیر ہوتا ہے جس کی بدولت مومن معاملات میں اللہ تعالیٰ کی رضا کو پیش نظر رکھتا اور اس کی نافرمانی سے بچتا ہے لیکن بنیادی ارکان ہی کو پورا دین سمجھنا ہرگز درست نہیں ہے۔نماز تو اللہ تعالیٰ کے فرمان **اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکۡرِیۡ** کے مطابق اللہ تعالیٰ کی یاد کو قلب و ذہن میں تازہ رکھنے کے لئے قائم کی جاتی ہے۔اہل ایمان تھوڑے تھوڑے وقفوں کے بعد اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہو کر اس کو اپنا رب یعنی آقا مان کر ہر رکعت میں یہ عہد کرتے ہیں کہ زندگی کی آزمائش گاہ میں صرف تیری غلامی کریں گے۔اس طرح اللہ کے فرمان **اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنۡھٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡکَرِ** کے مطابق نماز ہمیں فحشائے عظیم یعنی اپنے حقیقی آقا و مالک سے بے وفائی یعنی اسے چھوڑ کر دنیا کی محبت میں پھنس جانے اور برائیوں کے ارتکاب سے روک لیتی ہے۔جس طرح اللہ کی ربوبیت میں کسی دوسرے کو شریک کرنا ظلم و ستم ہے اس طرح اللہ کو چھوڑ کر اس کے ماسوا کی محبت میں گرفتار ہو جانا سب سے بڑی بے غیرتی اور فحاشی ہے۔

اس کے علاوہ غور فرمائیے کہ ہمارے دین میں جو عمارت نماز کے لئے وقف ہوتی ہے اس کا نام مسجد یعنی سجدہ گاہ ہے اور اسے معبد یعنی عبادت گاہ نہیں کہا گیا۔کیونکہ عبادت کی وسعت تو ہماری تجارت، معاشرت، معیشت، عدالت، صنعت و حرفت، تعلیم تربیت، کاشتکاری، گلہ بانی اور حکمرانی سب کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہے۔ایک اور خاص بات یہ ہے کہ حضور ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ میری نبوت کی یہ بھی ایک خصوصیت ہے کہ ساری زمین کو میری اُمت کیلئے مسجد بنا دیا گیا ہے۔اس طرح جہاں اُمت مسلمہ کو مسجد کے باہر بھی ہر جگہ نماز ادا کر سکنے کی سہولت عطا ہوئی ہے وہاں اس پر یہ فرض بھی عائد ہو گیا کہ پوری زمین کو مسجد کی مانند مقدس و محترم جانتے ہوئے کسی بھی جگہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ارتکاب نہ کرے۔

اب ہم آپ کے سامنے قرآن کریم کی وہ آیات پیش کرتے ہیں جن میں صلوٰۃ اور عبادت کو واضح طور پر ایک دوسرے سے علیحدہ بیان کیا گیا ہے۔

(1) اِنَّنِیۡۤ اَنَا اللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدۡنِیۡ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ

لِذِکْرِیْo(طٰہٰ-14)

"میں ہوں اللہ، میرے سوا کوئی معبود نہیں، سو میری عبادت کرو اور میری یادگاری کیلئے نماز قائم کرو"۔

(2) **یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ وَافْعَلُوْا الْخَیْرَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ**o(الحج-77)

"اے ایمان والو رکوع کرتے رہو اور سجدہ کرتے رہو اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہو اور نیک کام کرو تاکہ فلاح پاؤ"

(3) **وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ حُنَفَآءَ وَیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوا الزَّکٰوۃَ وَذٰلِکَ دِیْنُ الْقَیِّمَۃِ**o(البینہ-5)

"اہل کتاب کو حکم تو یہی ہوا تھا کہ اخلاص کے ساتھ یکسو ہو کر اللہ کی عبادت کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور یہی سچا دین ہے"

ان آیات بینات کے علاوہ وتر کی نماز کے دوران دعائے قنوت میں ہم پڑھتے ہیں **اَللّٰھُمَّ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَلَکَ نُصَلِّیْ** جس کے معنی ہیں کہ اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تیرے لئے نماز پڑھتے ہیں۔اس لئے ہمیں چاہئے کہ عبادت کو قرآن کریم میں بیان کی گئی حقیقت کے مطابق پوری زندگی پر محیط سمجھیں اور اسے صرف نماز تک محدود کر کے نافرمانی کے مرتکب نہ ہوں۔

خواہشات اور شیطان

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین میں ہر چیز کو انسان کے لئے پیدا کیا اور انسان کو بے پناہ صلاحیتیں عطا کر کے حکم دیا کہ علم و عقل کے بل بوتے پر سب پر اپنی بالادستی قائم کر کے اپنی خدمت میں لگا لو۔اولاد آدم ہونے کے ناطے سے دنیا کی ساری قومیں اپنی اپنی بساط کے مطابق سائنسی ترقی کیلئے پیش رفعت کر رہی ہیں۔لیکن فیضانِ سماوی سے محروم اس مادی ترقی نے جہاں نئی نئی ایجادات کی صورت میں زندگی کے لئے بے شمار سہولتیں مہیا کی ہیں وہاں انسان کو لامتناہی خواہشات کے حصول کی دوڑ میں ڈال کر اس کی زندگی کو جہنم بنا دیا ہے۔اس کا نتیجہ یہ ہے کہ حیرت انگیز ایجادات کے باوجود بھی چاروں طرف بے اطمینانی

اورحزن وخوف کی حکمرانی ہے۔اس صورت حال کی اصلاح کے لئے یہ امرنا گزیر ہے کہ انسان کی خواہشات میں اعتدال وتوازن پیدا کرنے کے اقدامات کئے جائیں اوراللہ تعالیٰ کی محبت اوراس کی رضا کے حصول کی خواہش کو دوسری تمام خواہشات پر غالب کرنے کے لئے تمام ذرائع ابلاغ وتعلیم کو متحرک کیا جائے کیونکہ انسان کو اسی مقصد کیلئے پیدا کیا گیا ہے ۔فرد اور معاشرے کے درمیان صحتمند توازن قائم کرنے کے لئے ہی اللہ تعالیٰ نے دین اتارااورخواہشات کی حدود وقیود مقرر فرمادیں ۔کیونکہ اللہ تعالیٰ ہماری فطرت اور ہمارے بھلے برے کو خود ہم سے بھی بہتر جانتا ہے اس لئے شریعت کی اصل محبت اور رحمت ہے اوراللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل عطا فرمائی تا کہ وہ اپنی خواہشات کو شرعی حدود کے اندر رکھے اورزمین پر کسی قسم کا فساد نہ پھیلے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے۔

جَاهِدُوا اَهْوَاءَ کُمْ کَمَا تُجَاهِدُوْنَ اَعْدَائَکُمْo

''اپنی خواہشات کے ساتھ اسی طرح جہاد کرو جس طرح اپنے دشمنوں کے ساتھ جہاد کرتے ہو''۔

کیونکہ جس طرح باہر کے دشمن ہماری جان کے درپے ہوتے ہیں اسی طرح ہماری خواہشات ایمان کیلئے خطرہ ہیں ۔یہ مال ومنال کی کثرت کی ہوس اورنفس کی بے لگام خواہشات ہی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور بندگی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ثابت ہوتی ہیں۔ خواہشات کے اعتدال اورحقوق وفرائض کے درمیان توازن ہی سے اچھے انسان بنتے اورمثالی تہذیبیں وجود میں آتی ہیں۔اللہ تعالیٰ کے دین کو چھوڑ کر سفلی جذبات کی تسکین کیلئے مادر پدر آزادی کی راہ اختیار کرنا تو نفس کی بدترین غلامی کی صورت ہے اورانسان کو حیوانیت کے درجہ سے بھی نیچے گرادینے اورتہذیب وتمدن کو موت سے ہمکنار کرنے کا طریقہ ہے۔

جو دونی فطرت سے نہیں لائق پرواز
اس مرغک بیچارہ کا انجام ہے افتاد
اس قوم میں ہے شوخی اندیشہ خطرناک
جس قوم کے افراد ہوں ہر بند سے آزاد
گو فکر خدا داد سے روشن ہے زمانہ
آزادی افکار ہے ابلیس کی ایجاد

قرآن مجید کی تعلیم کے مطابق ابلیس انسان کے نفس میں وسوسے ڈالتا رہتا ہے۔ وہ ازل ہی سے یہ چیلنج کر کے آیا ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کے قرب کے مشن میں کامیاب نہیں ہونے دیگا۔ اگر انسان اپنی خواہشات کو قرآن میں دئے گئے احکام کا پابند رکھے، نماز اور ذکر میں مداومت کرے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھتے ہوئے اس کی رضا پر راضی رہے تو اللہ تعالیٰ اسے شیطان کے وسوسوں اور مکروفریب سے محفوظ رکھتا ہے لیکن جونہی وہ اپنے محبوب حقیقی کی محبت اور اس کی اطاعت سے ہٹ کر اپنی خواہشات کے پیچھے چلنے کا ارادہ کرتا ہے تو فوراً شیطان کا تار اس کے ساتھ جڑ جاتا ہے۔ اس طرح یہ ازلی دشمن انسان کو مادی آسائشوں، متاعِ دنیا کے لمبے لمبے منصوبوں، اولاد کے مستقبل کے خدشوں اور بے ہنگم آرزوؤں کے جال میں اُلجھا کر اس کی نگاہوں میں دنیا کا متاع اور گناہ کی زندگی کو حسین و جمیل بناتا چلا جاتا ہے۔ اس طرح وہ مسجود ملائکہ پر قابو پالیتا ہے اور آخر اسے اللہ تعالیٰ اور آخرت کی زندگی سے بالکل غافل کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ شیطانی غلبہ کے اثرات اور اس کے عواقب سے آگاہ کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ۔ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ٥ (المجادلہ۔19)

''شیطان نے ان کو قابو کر لیا اور انہیں اللہ کا ذکر بھلا دیا۔ یہ شیطانی گروہ ہے اور سن رکھو کہ شیطان کا لشکر ہی نقصان اُٹھانے والا ہے''۔

جو لوگ صدق دل سے ایمان لاتے ہیں وہ اپنی ذات اور زندگی کے معاملات کو اپنے رب کے سپرد کر دیتے ہیں۔ وہ مال، اولاد، عزت و آبرو اور کامیابی و کامرانی کیلئے اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہیں۔ ان کے حالات کیسے ہی کیوں نہ ہوں وہ تسلیم و رضا کا دامن تھامے ہمیشہ مطمئن رہتے ہیں اور کبھی بھی غلط راہوں پر نہیں پڑتے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنا محبوب و مطلوب سمجھ کر اس کا دائمی ذکر کرنا اور نفس کی خواہشات کو روک کر اللہ کی رضا پر راضی رہنا ایک ایسا مضبوط قلعہ ہے جس میں شیطان اور اس کے کارندوں کا داخلہ ممنوع ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ٥ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ٥
(النحل 99 تا 100)

”شیطان کا ان لوگوں پر کچھ زور نہیں چلتا جو ایمان لائے اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ اُس کا زور ان پر چلتا ہے جو اس کو دوست رکھتے ہیں اور اللہ کے شریک مقرر کرتے ہیں“۔

اپنے نفس کی خواہشات کی پیروی کرنا ہی شیطان کے ساتھ دوستی کا مظہر ہے۔ شیطان نے بھی اللہ تعالیٰ کے دیئے گئے حکم کے مقابلے میں اپنی خواہش کو ترجیح دی اور آدم علیہ السلام کو سجدہ نہیں کیا۔ قرآن کریم (اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ) کے مطابق اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کسی کو بھی حکمران اور مطاع سمجھنا شرک ہے چاہے وہ اپنا نفس ہی کیوں نہ ہو۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ہوا و ہوس، طمع و حرص اور دیگر خواہشات نفس کی پیروی کے عواقب سے آگاہ کرنے اور اس سے باز رہنے کی تاکید کرتے ہوئے بار بار فرمایا۔

(1) وَلَا تَتَّبِعُ الْهَوٰى فَيُضِلُّكَ عَنِ السَّبِيْلِ o (ص۔26)

”اور خواہش کی پیروی نہ کرنا وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی“۔

(2) اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ o (محمد۔16)

”یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور وہ اپنی خواہشوں کے پیچھے چل رہے ہیں“۔

(3) وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ o (الحشر۔9)

”اور جو شخص حرص نفس سے بچا لیا گیا ہے تو ایسے ہی لوگ مراد پانے والے ہیں“۔

(4) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ o (البقرہ۔208)

”مومنو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے پیچھے نہ چلو۔ وہ تو تمہارا صریح دشمن ہے“۔

(5) وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ o (الاعراف۔176)

''اگر ہم چاہتے تو ان آیات سے اس کو بلند کر دیتے مگر وہ تو زمین کا ہو کر رہ گیا اور اپنی خواہش کے پیچھے چل پڑا۔ تو اس کی حالت کتے کی سی ہوگئی۔ کہ اگر اس پر بوجھ لادو تو زبان نکالے رہے اور یونہی چھوڑ دو تو بھی زبان نکالے رہے۔ یہی حالت ان لوگوں کی ہے جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ تو آپ ان سے یہ قصہ بیان کر دیں تا کہ وہ غور و فکر کریں''۔

آخری آیت میں تو دنیا کی زندگی کو ہی سب کچھ سمجھ کر نفس کی خواہشات کے پیچھے دوڑنے والوں کو کتے کے ساتھ مشابہت دیتے ہوئے ان کی ظاہری علامات بھی بیان کر دی گئی ہیں کہ ان کے چہروں پر کبھی بھی وقار، سکون اور اطمینان کی جھلک نہ دیکھو گے۔ حالات اچھے ہوں یا برے لیکن ہر وقت ان کی سانس پھولی ہوئی اور وہ ہانپتے کانپتے ہی دکھائی دیں گے۔ اپنے نفس کو دنیا کی زینت کی محبت سے بچائے رکھنا ہی تقویٰ کی روح ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ دنیا کی محبت ہی تمام خطاؤں اور گناہوں کی جڑ ہے۔ اس لئے مومن کو آخری دم تک اس محاذ پر چوکنا رہنے کی ضرورت ہے کیونکہ ابلیس دم واپسیں تک انسان کو راہ راست سے ہٹانے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ وہ اپنے منشور کے مطابق انسان پر آگے سے پیچھے سے دائیں سے بائیں سے حملے کرتا ہے اس لئے مومن کو ان انسانوں سے بھی ہوشیار رہنا چاہئے جو اس کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں رہتے ہیں کیونکہ ان میں سے جو اسے خلاف حق و صداقت کام کرنے کیلئے اُکساتے ہیں وہ شیطان کے نمائندے ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزمانے کیلئے کبھی کبھی خود بھی ایسے حالات پیدا فرماتے ہیں جن میں نافرمانی کی ترغیب زور دار اور گناہ بڑا آسان اور ہلکا محسوس ہوتا ہے تا کہ ہمارے ایمان کا کچا یا پکا ہونا ثابت ہو جائے۔ ایسی آزمائش امارت، فیشن، رُتبہ، لالچ، خوف، سفارش، رشتہ داری، دوستی اور محبت وغیرھم کی صورت میں ہر مومن کے سامنے آ سکتی ہے۔ ایسے موقعوں پر مضبوط قوت ارادی اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہی کا پختہ یقین ہی ڈگمگانے سے بچا سکتا ہے۔ قرآن کریم میں بنی اسرائیل کی ایک بستی جو بر لب دریا واقع تھی کا ذکر اسی ضمن میں آیا ہے کہ سبت کے دن جس میں انہیں شکار کرنے کی ممانعت تھی اس دن اللہ کے حکم سے مچھلیاں پانی کے اوپر آ کر انکے سامنے خوب اُچھلتیں لیکن ہفتے کے علاوہ دوسرے دنوں میں نہ آتیں تو ان لوگوں نے لالچ میں آ کر اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کی ترکیب نکال لی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''ہم نے خود انکی نافرمانیوں کی عادت کے سبب ان کو آزمائش میں ڈالا'' (اعراف۔163)

اِسی طرح مسلمانوں کیلئے جب احرام کی حالت میں خشکی پر شکار کرنے کی ممانعت کر دی گئی تو ساتھ ہی خبر دار کرتے ہوئے فرمایا

''اے اہل ایمان! کچھ اس قسم کے شکار سے جن کو تم ہاتھوں اور نیزوں سے باسانی پکڑ سکو اللہ تعالیٰ تمہاری آزمائش کرے گا تاکہ معلوم کرے کہ اس سے غائبانہ کون ڈرتا ہے تو جو اس کے بعد زیادتی کا مرتکب ہو گا اس کے لئے دکھ دینے والا عذاب ہو گا''۔ (المائدۃ۔94)

اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کی بندگی کا یہی تقاضا ہے کہ اس کی اطاعت کسی بھی حالت میں ترک نہ کی جائے۔ جس طرح ایک روزہ دار مومن کسی بھی نفسانی خواہش یا بیرونی سفارش پر اپنا روزہ نہیں توڑتا اسی طرح وہ سمجھتا ہے کہ یہ زندگی چند روزہ ہے اور اس میں بھی میرا روزہ ہے اور میں اللہ کی نافرمانی کر کے اسے ہرگز نہیں توڑوں گا میری جان جاتی ہے تو جائے ایمان نہ جائے۔ کیونکہ ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ انسان کو کسی نافرمانی کی حالت ہی میں موت آ جائے۔ اس طرح اگر خدانخواستہ کفر پر خاتمہ ہو گیا تو بڑی بدنصیبی کی بات ہو گی۔ اسی لئے حکم دیا گیا ہے کہ تمہیں موت نہ آئے مگر اسلام یعنی اطاعت گذاری کی حالت میں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی حکم فرمایا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے ہرگز باہر نہ نکلو ورنہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔

اَطِیْعُوْا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْا اَعْمَالَکُمْ٥ (محمد۔33)

''اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اپنے اعمال ضائع نہ کرو''۔

مومن کیلئے یہ بات نہایت اہم ہے کہ وہ اپنی خواہشات کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے دائرے کے اندر رکھے۔ اس دائرے سے باہر نکلنے والی خواہشات ہی وہ دروازہ کھولتی ہیں جس کے ذریعے شیطان انسان کے اندر داخل ہونے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔ ''لوگو! اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرتے رہو اور رزق کے حصول میں پسندیدہ اور باوقار طریقے اختیار کرو اس لئے کہ انسان اس وقت تک نہیں مر سکتا جب تک اسے اس کے حصے کا پورا پورا رزق نہ پہنچ جائے اگرچہ اس کے ملنے میں کچھ تاخیر ہی ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور روزی کی طلب میں احسن طریقے اپناؤ۔ جو حلال ہو وہ لے لو اور جو حرام ہو اسے چھوڑ دو''۔

خوف وحزن سے نجات پایئے

اللہ حکیم وخبیر کے ہر کام میں حکمت پوشیدہ ہے

چاہے وہ ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ ہم نے رزق کے معاملے میں تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے تا کہ تم ایک دوسرے سے کام لے سکو۔ اس نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جس کا رزق ہم چاہتے ہیں بڑھا دیتے ہیں اور جس کا چاہتے ہیں کم کر دیتے ہیں۔اس لئے اللہ تعالیٰ پر ایمان وتوکل اور اس کی عبادت کا یہ تقاضا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی اس بانٹ کو دل وجان سے قبول کرلیں اور ہمارے مالک نے ہمارے لئے جو بھی مقام ومرتبہ مقدر کر رکھا ہے اس پر سچے دل سے خوش رہیں۔اس کے اس فرمان کے بعد کہ ''روئے زمین پر کوئی جاندار ایسا نہیں ہے مگر اسے رزق پہنچانا اللہ کا ذمہ ہے''۔ہمیں رزق کے معاملے میں قطعی فکر مند نہیں ہونا چاہیئے۔بقول علامہ اقبالؒ

گر خدا داری زغم آزاد شو
از خیال بیش و کم آزاد شو

یعنی اگر اللہ تیرا آقا ورب ہے اور تو صدق دل سے اسے اپنا کارساز اور اپنا رازق تسلیم کرتا ہے تو تجھے ہر غم سے آزاد ہونا چاہیئے اور رزق میں کمی بیشی کی فکر سے بھی فارغ ہونا چاہیئے۔اہل ایمان کو غم روزگار اور اندیشہ ہائے دورو دراز کے اندھیروں سے نجات دلانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ کوئی مصیبت زمین پر اور خود تم پر نہیں پڑتی مگر قبل اس کے ہم اس کو پیدا کریں وہ کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔یہ اللہ کے لئے آسان ہے تا کہ جو چیز تم سے چھن جائے اس کا غم نہ کیا کرو اور جو کچھ تم کو دیا جائے اس پر اترایا نہ کرو۔ (سورۃ الحدید 22 تا 23)

اسی طرح مومن کو نہ ماضی کی محرومیوں پر کوئی افسوس ہوتا ہے اور نہ ہی وہ مستقبل کے بارے میں کبھی خوف زدہ ہوتا ہے کیونکہ وہ اس بات پر ایمان رکھتا ہے کہ جو کچھ ہو چکا وہ ویسے ہی ہونا تھا اور جو آئندہ ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا تو پھر میں کیوں فکر کروں اس طرح وہ فعال لیکن مطمئن زندگی بسر کرتا ہے۔کامیاب اور بھرپور زندگی گذارنے کیلئے یہ بہت ضروری ہے کہ انسان خوف وحزن

سے نجات حاصل کرے کیونکہ خوف وحزن انسانی اُمنگوں اور صلاحیتوں کو دیمک کی طرح چاٹ کر حوصلوں کو پست کر دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مومنوں کے دلوں سے اسلام دشمن طاقتوں کا خوف دور کرنے کیلئے فرماتا ہے۔

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ o (آل عمران ۔175)

''یہ تو شیطان ہے جو تمہیں اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے۔اگر تم مومن ہو تو ان سے مت ڈرنا اور مجھی سے ڈرتے رہنا''۔

دین اسلام اپنے ماننے والوں کو ہر قسم کے خوف سے نجات دلا کر **لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ** کے زمرہ میں شامل کر دیتا ہے۔کلمہ طیبہ اسلامی تعلیمات کا بنیادی اور رہنما اصول ہے اس کے پہلے حصے **لا الٰہ لا اللّٰہ** کا مطلب ہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو آقا وحکمران اور نفع ونقصان کا مالک نہ مانا جائے اور اس کے سوا نہ کسی سے ڈرا جائے اور نہ کوئی توقع رکھی جائے۔مختلف عقائد و مذاہب کی تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ انسان نے جس ہستی اور قوت سے خوف محسوس کیا اسی کے سامنے سربسجود ہو کر اسے اپنا معبود بنا لیا۔گویا شرک کو خوف نے ہی جنم دیا۔اس لئے عقیدہ توحید کے ماننے والوں کیلئے تکمیل ایمان کی خاطر ہر قسم کے خوف سے چھٹکارا حاصل کرنا ناگزیر ہے کیونکہ ماسواءاللہ کا خوف اگر دل میں باقی رہے تو شرک سے مکمل نجات ناممکن ہے۔حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ **وَرَآءَ كُلِّ خَوْفٍ شِرْكٌ** یعنی ہر خوف کے پیچھے شرک کارفرما ہوتا ہے۔

رمز پیغام محمدؐ جو سمجھ جاؤ گے
شرک کو خوف کے پردے میں چھپا پاؤ گے

اللہ تعالیٰ کی رزق کی تقسیم کو قبول کر کے اس کا جاں نثار اور شکر گذار بندہ بننے میں ہمارے نفس کی حد سے بڑھی ہوئی خواہشات ہی آڑے آ رہی ہیں۔کیونکہ ہم تسلیم و رضا اور استغناء کی روش ترک کر کے مالی لحاظ سے اپنے سے بہتر لوگوں پر نظریں جمائے رکھتے اور ان کی جگہ لینے کیلئے

بیتاب رہتے ہیں۔ یہ ظاہر بات ہے کہ اگر ہر کوئی اسی انداز میں سوچے گا تو کوئی فرد واحد بھی اپنی موجودہ حالت پر کبھی خوش نہیں ہوگا۔ صوفیائے کرام ہمیں اللہ تعالٰی کا ذکر تلقین فرماتے ہیں تو اسکے ساتھ قطع ماسواء اللہ اور تسلیم و رضا کا مجاہدہ کرنے کا حکم بھی دیتے ہیں تا کہ ہماری زندگی کا مقصود و مطلوب و محبوب صرف اللہ تعالٰی کی ذات بن جائے اور ہماری زندگی میں جو واقعات ہماری مرضی کے خلاف واقع ہوں انہیں اللہ کی طرف سے جانتے ہوئے ان پر خوش رہنے کی عادت ڈال لیں۔ اللہ تعالٰی نے سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 152 میں ذکر کے ساتھ ہی شکر کرنے کی تلقین فرمائی ہے جس میں شکوہ و شکایت کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ جس بندے کا دل اپنے آقا کے فیصلے قبول کرنے سے انکار کر دے اسے زبانی ذکر کی تکرار سے اطمینان قلب کی دولت کیونکر نصیب ہو سکتی ہے۔ یہ گوہر نایاب تو ان خوش نصیب لوگوں کو ملتا ہے جو اپنے نصیب پر خوش رہتے ہیں۔

محبت سے بھرپور بندگی اسی کا نام ہے کہ جو اللہ تعالٰی کے احکام ہیں ان پر ہم پوری مستعدی کے ساتھ عمل کریں کیونکہ ان کی اطاعت ہمارے بس میں ہے اور جو اللہ تعالٰی کے کام ہیں اور ہمارے بس میں نہیں ہیں ان کے سامنے سر تسلیم خم کر کے ان پر ہمیشہ خوش رہیں۔ اس مقام پر حصول برکت اور بندگی کے مفہوم کی مزید وضاحت کیلئے میں اپنے ہادی و مرشد حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی کتاب چراغ راہ سے ایک اقتباس پیش کرنا چاہتا ہوں تا کہ ہمیں صحیح انداز فکر اپنانے میں مدد ملے۔ آپ نے پانچویں خطبے میں ارشا فرمایا۔

"عسرت و غربت کی رکاوٹ کا علاج قناعت ہے۔ قناعت کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ خدا نے تم کو دے رکھا ہے اس پر تمہارا دل خوش رہے۔ کبھی شکایت کا جذبہ پیدا نہ ہو بلکہ جذبات شکر و سپاس سے تم ہمیشہ مسرور رہو۔ بظاہر یہ بات بالکل ناممکن نظر آتی ہے کہ غربت و نکبت میں بھی انسان ایسا ہی خوش رہے جیسے دولت و ثروت میں رہتا ہے۔ لیکن فکر صحیح اور مشاہدہ وسیع سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ بات ناممکن تو کیا کچھ زیادہ دشوار بھی نہیں ہے۔ <u>تکلیف دراصل محض ایک خیالی شے ہے جو اپنی حالت کا مقابلہ اپنے سے بہتر لوگوں کی حالت سے کرنے سے محسوس ہوتی ہے"</u>

حضور محسن انسانیت ﷺ نے عسرت و غربت اور بے اطمینانی کے کرب سے نجات دلانے

کیلئے جو اکسیر نسخہ عطا فرمایا وہ یہ ہے کہ "جب تم کو اپنی غربت اور زبوں حالی کی شکایت ہو تو اپنے سے کمتر لوگوں پر نظر کرو۔ اس طرح تم کو لاکھوں آدمی ایسے نظر آئیں گے جو تم سے بھی کہیں زیادہ مفلوک الحال اور محتاج ہیں۔ ان کی حالت سے عبرت حاصل کرو اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاؤ کہ تم بڑے آرام سے ہو"۔ یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ شکر گذار ہی اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے ہوتے ہیں اور شیطان انسان کو شکر گذاری اور احسان شناسی کی راہ سے ہٹا کر ہی گمراہ کرتا ہے۔ حضور ﷺ کی تربیت کے فیض سے آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم نے ہر حال میں خوش رہنے کی خو پیدا کر لی تھی۔ وہ اللہ تعالیٰ سے راضی رہتے تھے اور اللہ بھی ان سے راضی تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ کسی کی دولت اور مرتبے سے مرعوب نہیں ہوتے تھے بلکہ صاحبان ثروت ان کی خودداری اور استغناء سے خوف کھاتے تھے۔

غریبی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اتنے
کہ منعم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا

میرے پیارے بھائیو اور بیٹو! اللہ تعالیٰ کا دین اور صوفیائے کرام ہمارے اندر زندگی کے حقائق کی معرفت اور شعور پیدا کرنا چاہتے ہیں تا کہ ہم سچے دین پر سچے دل سے عمل پیرا ہو کر ہر قسم کے خوف سے نجات حاصل کر کے دائمی مسرت اور فلاح دارین کی دولت سے اپنے دامن بھر لیں اور اُمت وسطیٰ کا منصب سنبھال کر ایمان و اطمینان کی نعمت دوسری قوموں میں بھی بانٹ سکیں۔

اُمت وسطیٰ کا کردار اپنایئے

اللہ تعالیٰ کے دین سے مراد پوری انسانی زندگی پر محیط نظام حیات ہے اس لئے ہمیں چاہئے کہ اب نفس کی حیلہ سازیوں اور غلامی کی نفسیات سے باہر نکل آئیں اور زندگی کے ہر شعبے میں اللہ تعالیٰ کی حکمرانی قائم کر کے شرک کا مکمل طور پر خاتمہ کر دیں۔ اس طرح قائم ہونے والی اللہ کی بادشاہت کے تحت ہی وہ سازگار فضا اور مناسب ماحول میسر آ سکے گا جس میں بسنے والے تمام انسان بلا تخصیص رنگ و نسل اور مذہب و ملت امن و امان اور عزت و آبرو کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں اور اہل ایمان آسانی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کی راہ یعنی صراط مستقیم پر گامزن ہو کر فلاح دارین حاصل کر لیں۔ اللہ تعالیٰ کا مندرجہ ذیل فرمان ملاحظہ

فرمایئے اور اس پر عمل پیرا ہونے کیلئے اپنی ذات، اپنے اہل وعیال اور اعزہ واحباب کو تیار کریں تا کہ پوری قوم بیدار ہو جائے۔

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا o (الفتح۔28)

''اللہ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو کل کے کل دین یعنی پورے نظام حیات پر غالب کر دے اور اللہ اکیلا ہی نگران کافی ہے''۔

چونکہ ہر شعبے پر اللہ تعالیٰ کی حکمرانی تسلیم کرنے سے ہمارے اپنے نفسوں پر زبردست چوٹ پڑتی ہے، اپنی من مرضی والی آزادروش ترک کرکے مکمل طور پر قرآنی احکام کی پابند زندگی اپنانا پڑتی ہے، اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کے فقیرانہ اور مسافرانہ اسوہ حسنہ کے سانچے میں ڈھالنے کیلئے امیرانہ طرز حیات کو ترک کرنا پڑتا ہے اس لئے قرآن کی حقیقی تفسیر جو سادگی اور عزیمت کی کٹھن راہ بتاتی ہے اس سے بچنے کیلئے ہم نے ''**لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ**'' کا ترجمہ متن کے الفاظ اور روح قرآنی کے خلاف یہ کرلیا'' تا کہ اللہ کا رسول دین اسلام کو دوسرے تمام دینوں پر غالب کر دے''

عقل عیار کی اس تاویل کے ذریعے ہم نے ساری ذمہ داری رسول اللہ ﷺ پر ڈال دی اور پوری قوم اللہ کے دین کو انسانی زندگی پر مکمل غلبہ دلانے کی جدوجہد سے منہ موڑ کر زیادہ سے زیادہ متاع دنیا کے حصول کی دوڑ میں شامل ہوگئی۔اسی طرح ہماری پست ہمتی اور کم حوصلگی نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سونپے گئے ایک اور عظیم الشان اعزاز، ہمت آزما مشن اور فعال ذمہ داری کو الفاظ کے گورکھ دھندوں میں الجھا کر پس پشت ڈال رکھا ہے۔ہم سب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور رحمت اللعالمین ﷺ کو قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لئے اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے اور آپ کے وصال کے بعد یہ مقدس ذمہ داری خیرالامت کو سونپتے ہوئے یہ حکم دیا کہ جس طرح میرے رسول ﷺ نے قرآن کریم کی تعلیم تمہیں دی اور اس پر عمل کرکے دکھایا اسی طرح اب تم نسل بعد نسل قیامت تک آنے والی دوسری قوموں کے لئے یہ فریضہ ادا کرتے رہو گے۔چنانچہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے اس حکم پر جس خلوص اور جاں نثاری کے ساتھ عمل کیا وہ ہمارے لئے ایک تابندہ مثال ہے۔اللہ کی تائیدونصرت سے انہوں نے صرف آدھی صدی میں آدھی دنیا پر

قبضہ کر کے اسے نور اسلام سے منور کر دیا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کے پیام کو دوسرے انسانوں تک پہنچانے کے مقدس مشن میں درمیانی واسطہ یا وسیلہ و سبب بنائے جانے کی وجہ سے ہمیں امت وسطیٰ کا قابل صد رشک لقب عطا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا o (البقرہ۔143)

اس آیت مبارکہ کا مفہوم بالکل واضح ہے کہ "ہمارے دین رحمت کا پیام ہمارے رسول ﷺ سے قبول کر کے دنیا بھر کے انسانوں تک پہنچانے کے لئے ہم نے تمہیں واسطہ بنایا ہے۔ اب تمہیں امت وسطیٰ (Middle Men) بن کر زندہ رہنا اور اس عظیم ذمہ داری کو نباہتے چلے جانا ہوگا تا کہ تم پوری انسانیت کو ہمارا دین پہنچا دینے پر خدائی گواہ بنو اور ہمارا رسول تم پر گواہ بنے" یہی حکم تھوڑے سے فرق کے ساتھ سورت الحج کی آخری آیت میں دہرایا گیا ہے۔ اس عظیم اعزاز اور نازک ذمہ داری کا احساس اگر کما حقہ باقی رہتا تو ہم من حیث الامت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت و اطاعت کے رنگ میں رنگی ہوئی طرز حیات کو کبھی ترک نہ کرتے۔ اس طرح ہر دور کے انسانوں کے سامنے اللہ کے دین کا عملی نمونہ موجود رہتا اور ہم اس کی صداقت کے علمبردار بن کر شہادت علی الناس کا فریضہ ادا کر کے اللہ کے ہاں سرخرو ہو جاتے۔ اس دور میں بھی دوسری قوموں کو اسلام کی طرف راغب کرنے کی بہترین صورت یہی ہے کہ کسی ایک ملک میں اللہ تعالیٰ کے دین کے تحت ایک مثالی ریاست قائم کر کے دنیا کے سامنے پیش کی جائے تا کہ وہ اسلام کی صداقت اور برکتوں کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر سکے۔ اللہ کرے یہ سعادت پاکستان ہی کو حاصل ہو جائے کیونکہ یہ ملک اسی مقصد کے لئے اور اسی نعرے کے ساتھ حاصل کیا گیا تھا۔ مصور پاکستان نے فرمایا۔

کار اقوام و ملل ناید درست
از عمل بما کہ حق در دست تست

"یعنی دوسری قوموں اور ملتوں کی اصلاح صرف اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ پہلے تم اپنے کردار و اعمال سے دنیا پر یہ حقیقت ثابت کر دو کہ دین حق اور بہترین نظام صرف تمہارے پاس ہی ہے" یہ ذمہ داری قیامت تک اپنے اپنے دور میں موجود مسلم امت پر قائم رہے گی۔ لیکن جب

ہم نے اس سے غفلت برتی تو انسانوں کو راستہ دکھانے والا کوئی نہ رہا۔جس کی وجہ سے زمین پرظلم وفساد پھیلنا شروع ہوگیا۔اس جرم کی سزا میں ہمیں عالمی سیادت سے معزولی اور اغیار کی غلامی کی سزا دی گئی اور ہم پر فاقہ اور خوف مسلط کر دیئے گئے۔لیکن ہم نے اپنی کوتاہی کا احساس اور اعتراف کرنے کی بجائے اس آیت کو اپنی بے عملی کے غلاف میں لپیٹ دیا اور ''امت وسطی'' کو نئے معانی پہنا دئے کہ امت وسطی کا مطلب یہ ہے کہ ہم معتدل امت ہیں اور اسلام ایک معتدل دین ہے جو ہر کام میں وسط کی راہ پر چلنے کی تلقین کرتا ہے۔اس میں جسم و روح،دنیا وآخرت، مادیت وروحانیت کے معاملے میں افراط وتفریط نہیں ہے وغیرہ وغیرہ۔ہم نے ان دلفریب منطقی دلائل پر یہ ساری محنت اس لئے کی تا کہ ہمیں کسی طرح کی کوئی جدوجہد نہ کرنی پڑے۔اس طرح ہم اللہ کی طرف سے ڈالی گئی ذمہ داری سے سبکدوش ہوکر اورارکان اسلام کی رسمی پابندی کو ہی دین وعبادت سمجھ کرآنکھیں بند کئے پڑے ہیں۔

میرے بزرگ بھائیو اور عزیز بیٹو!ہم کب تک حقائق سے منہ موڑے،غفلت کی زندگی بسر کرتے اور اغیار کے سامنے تماشہ بنے رہیں گے۔کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں اور جرائم کی معافی مانگیں اور حیلے سازی اور بے عملی کو ترک کردیں۔اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کریں کہ ہم اپنی زندگیاں قرآن وسنت کے مطابق ڈھالیں گے۔ہم دین وعبادت کو وسعت دے کر زندگی کے ہر شعبے مین اللہ کی حکمرانی قائم کریں گئے۔ہم اللہ تعالیٰ کی کتاب کو حبل اللہ جانتے ہوئے مضبوطی سے تھام کر تمام غیر قرآنی عقائد اور ہر قسم کی فرقہ پرستی ترک کردیں گے اور صرف مسلمان ہونے اور کہلوانے پر فخر کریں گے۔قرآن مجید فرقان حمید ہی ہمارا آئین حیات ہے جس پر اسوہ رسول ﷺ کی روشنی میں عمل پیرا ہونے پر ہی پوری انسانیت کی اصلاح وفلاح کا انحصار ہے۔جب تک ہم دین وعبادت کی حقیقت کو نہیں سمجھیں گے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کو اس کا صحیح مقام نہ دیں گے تب تک ہمیں بھی اپنا کھویا ہوا مقام حاصل نہ ہو سکے گا۔

شیطان اور اس کا اتباع کرنے والی قومیں یہ ہر گز نہیں چاہتیں کہ ہم اللہ کے دین کو ایک طرز زندگی اور نظام حیات کے طور پر اپنائیں۔کیونکہ اس نظام کی ترویج سے کفر کے نظام ہائے حکومت کا زوال یقینی ہے۔اقوام عالم کو ضلالت کے جال میں پھنسائے رکھنے کے لئے شیطان یہی چاہتا ہے کہ اُمت مسلمہ دین کو دنیا سے علیحدہ ہی سمجھے اور علیحدہ ہی رکھے اور اللہ تعالیٰ کے آئین کو پوری زندگی

پر نافذ کرنے سے باز رہے۔اسی لئے وہ اپنے کارندوں کی مجلس شوریٰ میں یہ فرمان جاری کرتا ہے۔

تم اسے بیگانہ رکھو عالم کردار سے
تا بساط زندگی میں اس کے سب مہرے ہوں مات
مست رکھو ذکر و فکر صبحگاہی میں اسے
پختہ تر کردو مزاج خانقاہی میں اسے
(اقبال !ارمغان حجاز)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور رحمت اللعالمین ﷺ کے صدقے ہمیں ایک آزاد قطعہ زمین عطا کر کے یہ موقع عنایت فرمایا ہے تا کہ اس میں اللہ کی حکمرانی والا نظام نافذ کر کے اس کی خوشنودی اور دنیا وآخرت کی بھلائیاں حاصل کر سکیں ۔علامہ اقبالؒ نے تو فرمایا تھا کہ جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی لیکن میں تو یہ کہنے کی اجازت چاہوں گا کہ زندگی کے جس شعبہ سے بھی دین کو علیحدہ کر دیا جائے اسی میں فتنہ وفساد پیدا ہو جائے گا۔ہمارے گھر ہوں یا بازار، مدرسے ہوں یا کھیل کے میدان، کارخانے ہوں یا کھیت کھلیان، عدالتیں ہوں یا حکومت کے ایوان ہر جگہ اللہ تعالیٰ کے قانون کی بالا دستی اور اس کا بول بالا کرنے کا نام ہی اقامت دین ہے۔ ہماری انفرادی اور اجتماعی کامیابی کے لئے لازمی ہے کہ ملت کا ہر فرد ہر وقت اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے کوشاں رہے۔ملک کے تمام ذرائع ابلاغ کو قرآنی فکر وعمل کو فروغ دینے کے لئے مسلسل جدو جہد کرنا ہوگی تا کہ ہر مومن کے دل میں یہ عزم راسخ ہو جائے کہ اس کا جو بھی مقام ومرتبہ ہو اور اس کا تعلق کسی بھی شعبہ اور پیشہ سے ہو اس کا انداز فکر، طرز حیات، طریقہ کار اور اخلاقی رویہ غیر مسلموں سے بہر حال منفرد اور ممتاز ہونا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے موت وحیات کو اسی لئے پیدا فرمایا تا کہ انسانوں کو آزمائے کہ کون کون احسن اعمال انجام دیتا ہے (سورۃ ملک ۔2) یہ بات یاد رکھیں کہ تمام عقائد اور عبادات کا مقصود ہمارے اندر اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ اخلاق واطوار پیدا کرنا ہے کیونکہ اسی سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔

ترجمان قرآن علامہ محمد اقبالؒ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

لا الہ گوئی، بگو از رُوئے جاں
تاز اندام تو آید بوئے جاں

''صرف زبان سے لاالہ کہہ دینے سے کیا حاصل ۔کلمہ طیبہ پڑھنا ہے تو قلب وروح کی گہرائیوں سے پڑھو تا کہ تمہارے اعضاء سے سرزد ہونے والے اعمال سے تمہارے ایمان کی خوشبو آئے''

آخر میں آپ سب بھائیوں سے یہی التماس اور آرزو ہے کہ حالات کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے اب خواب گراں سے بیدار ہو جائیں ۔آپ جب اللہ تعالٰی اور اس کے رسول ﷺ کو مانتے ہیں تو انکی مانیں بھی ۔جب آخرت کی زندگی پر ایمان رکھتے ہیں تو اسے سنوارنے کے لئے دنیا کی زندگی ایمانداری سے گذاریں ۔اللہ کے جاں نثار بندے بن کر اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جائیں اور اپنے بھائیوں اور پوری انسانیت کے لئے سلامتی اور خدمت کی علامت بن جائیں ۔صرف اسی طریقے سے ہم اللہ تعالٰی کی تائید و نصرت اور حضور نبی کریم ﷺ کی خوشنودی حاصل کر کے دنیا و آخرت میں کامیاب اور سرخرو ہو سکتے ہیں ۔

جنت میں واپسی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سب حمد وثناء اللہ سبحانہ کی ذات بابرکات کیلئے ہے جس نے کائنات کو پیدا فرمایا۔اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔وہ ہر لحاظ سے واحد اور بے مثل ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور لاکھوں درودو سلام ہوں حضور سید الانبیاء احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات اقدس پر جنہیں اس نے اقوام عالم کی طرف مبعوث فرمایا اور پوری انسانیت کی کامل رہنمائی کیلئے اپنی آخری کتاب قرآن مجید فرقانِ حمید نازل فرمائی۔اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ اس آئین حیات نے ہی خالق کائنات، کائنات اور انسانوں کے اپنے بارے میں وہ حقائق بتلائے جو صدیوں سے حل طلب چلے آ رہے تھے۔ قرآن حکیم ہی نے یہ بتایا کہ انسان کی حقیقت کیا ہے۔اسے کس لئے پیدا کیا گیا۔حیات ارضی کا مقصود کیا ہے۔کائنات کے ساتھ انسان کا کیا رشتہ ہے۔موت کے بعد اس کے ساتھ کیا معاملہ پیش آنے والا ہے اور دنیا و آخرت میں کامیابی کی راہ کونسی ہے؟ اس خطبے میں قرآن کریم کی روشنی میں ہم انہی حقائق کا اختصار کے ساتھ جائزہ لیں گے تا کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہمیں ہدایت اور شرح صدر نصیب ہو، ہمارے اندر بامقصد زندگی گزارنے کی لگن پیدا ہو جائے اور ہم دنیا و آخرت میں کامیاب وکامران ہو جائیں۔آمین!

بنیادی حقائق

قرآن کریم کے مطابق اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے سے پہلے ہی یہ فرمایا کہ میں زمین میں خلیفہ پیدا کرنے لگا ہوں۔اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی تخلیق ہی زمین پر اللہ تعالیٰ کا نائب اور امین بن کر زندگی بسر کرنے کیلئے ہوئی۔اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تعمیر و تسخیر کی گوناگوں صلاحیتیں عطا فرمائیں اور تمام اشیاء کے نام سکھا کر، علوم وفنون حاصل کرنے کی اہلیت اس کے اندر ودیعت فرما دی۔اس طرح انسان کو ملائکہ سے بھی برتر مقام حاصل ہوا اور وہ آدم علیہ السلام کی واضح علمی برتری کا مشاہدہ کر کے اس کے سامنے سربسجود ہو گئے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ہماری رہنمائی کیلئے انسان اور کائنات کی تخلیق کے بنیادی مقاصد بھی

واضح فرمادئے۔انسان کے بارے میں تو یہ فرمایا کہ ہم نے انسان کو پیدا ہی اس لئے کیا ہے کہ وہ اپنی بصیرت و بصارت کی بناء پر اللہ تعالیٰ کو اپنا رب تسلیم کرتے ہوئے صرف اسی کی بندگی کرے۔اللہ تعالیٰ کی اطاعت ومحبت سے معمور زندگی بسر کرنے کی راہ کا نام ہی صراط مستقیم ہے۔ ہمارے گردوپیش جو کائنات موجود ہے اس کے بارے میں یہ فرمایا کہ زمین اور آسمانوں میں جو کچھ بھی ہے یہ سب انسان کیلئے پیدا کیا گیا ہے۔اس فرمان سے یہ حقیقت بھی آشکار ہوئی کہ خلافت ارضی کی ذمہ داری کے تحت یہ بھی انسان کا فرض ہے کہ زمین وآسمان کی تمام چیزوں اور قوتوں کو تسخیر کرکے اپنے کام میں لگائے۔اس سے جہاں اللہ کی عطا کردہ تسخیر وتعمیر کی اہلیت کا اظہار ہوگا وہاں اللہ کی مخلوق میں تفکر وتدبر سے اسے اپنے خالق کی معرفت میں بھی کمال حاصل ہو گا۔اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل سے جہاں اللہ تعالیٰ کے قرب ورضا کی منزلیں طے ہونگی وہاں دنیوی زندگی میں آسائش وراحت، دولت وقوت اور شان وشوکت بھی نصیب ہوگی۔ان دونوں اصولوں کی پابندی اور توازن ہی سے اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق کامیاب زندگی گذاری جاسکتی ہے۔جس قوم کے افراد ان قرآنی ہدایات کے علی الرغم مادی کائنات میں ظاہر اور پوشیدہ اللہ تعالیٰ کی آیات سے چشم پوشی کرکے اور اس کی ان گنت نعمتوں سے منہ موڑ کر رہبانیت کی تراشی ہوئی ریاضتوں، مراقبوں اور چلوں میں گم ہوکر رہ جائیں اور روحانی کیفیات و واردات کو ہی حاصل حیات سمجھنے لگیں وہ فرشتے تو بن سکتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے مطلوبہ انسان اور بندے نہیں بن پاتے۔دوسری طرف جنہوں نے مادی قوتوں کو تو تسخیر کرلیا لیکن اپنے خالق کی ربوبیت اور الوہیت سے انکار کرکے ابلیس اور نفسانی خواہشات کی پیروی میں لگ گئے ان کے کمالات کی حد برق وبخارات سے چلنے والی مشینوں اور انسانیت کی تباہی کے ہتھیاروں تک محدود ہو کر رہ گئی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ دنیا میں مفسدین اور آخرت میں مجرمین بن کر رہ گئے۔

عہد الست

اللہ چونکہ انسانوں سے بے پایاں محبت کرتے ہیں اس لئے متاع دنیا کے دھوکے، نفس کی شرارت اور شیطان کے فریب سے بچانے کی خاطر عالم ارواح ہی میں سب انسانوں سے ایک خصوصی عہد لے لیا گیا۔قرآن کریم میں اس عہد کا ذکر اور اس کی غرض وغایت

بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا۔

''اور جب تمہارے رب نے بنی آدم سے یعنی ان کی پیٹھوں سے انکی اولاد نکالی تو ان سے خود ان کے بارے میں اقرار لینے کیلئے پوچھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ وہ کہنے لگے کہ کیوں نہیں۔ہم گواہ ہیں۔اس لئے کہ قیامت کے دن تم یوں نہ کہنے لگو کہ ہم کو تو اس بات کی خبر ہی نہ تھی۔یا یہ نہ کہو کہ شرک تو ہمارے بڑوں نے شروع کیا تھا اور ہم تو ان کی اولاد تھے۔تو کیا جو کام اہل باطل نے کیا اس کے بدلے میں آپ ہمیں ہلاک کرتے ہیں؟ اور اسی طرح ہم اپنی آیات کھول کھول کر بیان کرتے ہیں تا کہ یہ رجوع کریں''۔ (الاعراف۔172۔175)

اس سے ایک نہایت اہم اور بنیادی حقیقت واضح ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کو اپنا رب یعنی آقا و پروردگار تسلیم کرنا حیات انسانی کی کامیابی کا مرکز ومحور ہے اور اسی لئے یہ امر مادی دُنیا میں آنے سے پہلے ہی ہر انسان کی سرشت میں داخل کر دیا گیا۔حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان مبارک ہے کہ ہر بچہ اسلام کی فطرت پر ہی پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے والدین اسے یہودی یا نصرانی بنا کر بگاڑ دیتا کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کے انبیاء علیھم السلام انسانی قلوب کے اندر چھپے ہوئے اس روحانی چراغ کو روشن کرنے اور اس کی قندیل کی سیاہی کو صاف کرنے کی سعی کرتے ہیں تا کہ روحوں کو عہد الست یاد آجائے۔وہ اپنے رب کی طرف رجوع کریں،اسی پر ایمان لائیں اور صالح اعمال اپنا کر دونوں جہانوں میں سرخرو ہو کر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کر لیں کہ یہی مقصود حیات ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی صفت کا ذکر دوسری تمام صفات سے زیادہ آیا ہے اور یہ بھی ارشاد کیا گیا ہے کہ اللہ تمہارا رب ہے پس اس کی بندگی کرو کہ یہی صراط مستقیم ہے۔

اللہ کی رضا

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام اور انکی زوجہ حضرت حوا کو کچھ عرصہ جنت میں رکھا تا کہ وہ اس کی نعمتوں سے کسی حد تک آشنا ہو کر اپنی منزل کو پہچان لیں۔حیات ارضی کی کشمکش اور جدوجہد کی غرض و غایت ہی یہ ہے کہ انسان جوہر خودی کی تکمیل کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا حاصل کرے تا کہ وہ اسے اپنی جنت میں داخل فرما لے۔اللہ تعالیٰ کے دین کا یہی مطمع نظر ہے کہ انسان کو وہ آئین حیات عطا کیا جائے جو اسے وہم و گمان اور ظن و تخمین کے اندھیروں سے

نکال کرحقائق کی روشنی میں لے آئے ۔جس سے ہدایت پانے کے بعد وہ ہواو ہوس کا غلام بن کر دنیا کی محبت میں نہ کھو جائے ۔وہ کائنات کو مسخر کر کے اپنی خدمت میں ضرور لگائے لیکن کسی بھی حالت میں اللہ تعالیٰ کو نہ بھولے ۔اللہ تعالیٰ کی محبت اور آخرت کی زندگی کو ترجیح دینا اس کی اساس فکر اور طرز حیات بن جائے تا کہ وہ آگ کے عذاب سے بچ جائے اور جنت میں داخل ہو سکے ۔

جنت میں داخلے کا انحصار اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رضا پر ہے ۔اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ **يَبْتَغُوْنَ فَضْلاً مِنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَاناً** (الفتح ۔29) ''وہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رضا ڈھونڈتے ہیں''۔یہی ہر انسان کا مقصود حیات ہے اور اس کے حصول کا ایک ہی اصول ہے کہ صحابہ کرامؓ کی طرح ہر انسان اللہ تعالیٰ کو اپنا رب اور الٰہ تسلیم کر کے اپنے آپ کو اس کی محبت کے رنگ میں رنگ لے ۔جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے ۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ o

(البقرۃ۔138)

''کہہ دیں کہ ہم نے اللہ کا رنگ اختیار کر لیا ہے اور اللہ سے بہتر رنگ کس کا ہو سکتا ہے اور ہم اسی کی عبادت کرنے والے ہیں''۔

اس آیت مبارکہ کے آخری حصہ سے ثابت ہوا کہ صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی کرنے ہی سے اللہ کا رنگ چڑھتا ہے ۔اس کی عملی صورت ایک ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے اس بندے کا اتباع کیا جائے جو اللہ کے رنگ کا کامل ترین نمونہ ہے اور جس کی بندگی کو اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبولیت اور محبوبیت کا مقام حاصل ہے ۔اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم فرمایا ہے کہ جو انسان اللہ تعالیٰ کی الوہیت پر ایمان لا کر اس کی رضا کو اپنا مقصود حیات جان لیں آپ انہیں منزل مقصود تک پہنچنے کا طریقہ بتا دیجئے ۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ oقُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ o (آل عمران 31 تا 32)

''آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔اللہ بھی تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ۔کہہ دیجئے کہ اللہ اور اس

کے رسول کا حکم مانو۔ اگر نہ مانیں تو اللہ تعالیٰ بھی کافروں کو دوست نہیں رکھتا''۔

جنت میں واپسی اور رسولوں کی بعثت

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی حکمت کے تحت جب آدم وحوا کو جنت سے رخصت کرنے کیلئے حکم دیا تو اس وقت ہی یہ بشارت دے دی کہ اولادِ آدم میں سے جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی جانے والی ہدایت کی مطابق زندگی بسر کریں گے وہ خوف وحزن سے آزاد ہوں گے اور موت کے بعد اللہ تعالیٰ کی جنت میں پھر لوٹ آئیں گے۔ اور جنہوں نے اللہ اور یوم آخرت کو جھٹلایا اور شیطان کا اتباع کیا تو انکا ٹھکانہ جہنم میں ہوگا۔ اس موضوع پر چند آیات قرآنی ملاحظہ فرمایئے۔

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ o وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ o (البقرۃ 39,38)

''ہم نے فرمایا کہ تم سب یہاں سے اُتر جاؤ۔ جب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو جنہوں نے میری ہدایت کی پیروی کی ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہونگے۔ اور جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا وہ دوزخ میں جانے والے ہیں اور وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے''۔

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَاىَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى o وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى o

(طٰہٰ 124,123)

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم دونوں یہاں سے نیچے اُتر جاؤ۔ تم میں بعض بعض کے دشمن ہونگے۔ جب میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آئے تو جو شخص میری ہدایت کی پیروی کریگا وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ تکلیف میں پڑے گا اور جو میرے ذکر سے منہ پھیرے گا اس کی زندگی تنگ ہو جائے گی اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا کر کے اُٹھائیں گے''۔

يٰبَنِيٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ o وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ o

(الاعراف 35-36)

''اے بنی آدم جب ہمارے پیغمبر تمہارے پاس آئیں اور ہماری آیتیں تمہیں سنائیں تو جو شخص ایمان لاکر تقویٰ اختیار کریگا اور اصلاح کرے گا تو ایسے لوگوں کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔ اور جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے سرتابی کی وہی دوزخی ہیں کہ ہمیشہ اس میں رہیں گے''۔

ان آیات مقدسہ سے یہ امر واضح ہوگیا کہ اللہ کی طرف سے آنے والی ہدایت کی غایت یہی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لاکر تقویٰ کی زندگی بسر کرے تا کہ آگ کے عذاب سے بچ جائے اور نعمتوں بھری جنت میں داخل ہوجائے۔ اس عظیم کام کو اللہ تعالیٰ کے دین میں بنیادی اہمیت حاصل ہے اور تمام شعبہ ہائے دین اسی محور کے گرد گھومتے نظر آتے ہیں کہ وہ انسانوں کو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دیں اور نیکوکار بندوں کو جنت اور اس کی نعمتوں کی بشارت دیں۔ اسی طرح شیطان کی بندگی کے نتیجہ میں ملنے والی جہنم کے عذاب سے ڈرائیں۔ ہم یہاں قرآن کریم کی چند آیات درج کرتے ہیں جن میں رسولوں کی تشریف آوری کا مقصد بیان کیا گیا ہے تا کہ دین کے مرکزی کام کی اہمیت مزید واضح ہوجائے۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ o (النحل۔36)

''اور ہم نے ہر امت میں رسول بھیجے کہ اللہ ہی کی بندگی کرو اور شیطانی گروہ سے اجتناب کرو۔ تو ان میں سے بعض کو اللہ نے ہدایت دی اور بعض ایسے ہیں کہ جن پر گمراہی ثابت ہوئی۔ سو زمین پر چل پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا''

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ

بَعْدَالرُّسُلِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًاo (النساء۔165)

''سب رسولوں کوخوشخبری سنانے والےاورڈرانے والے بنا کربھیجا۔تا کہ رسولوں کے آنے کےبعد لوگوں کواللہ پرالزام کاموقع نہ رہے۔اوراللہ غالب حکمت والا ہے''

وَمَانُرْسِلُ الْمُرْسِلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَoوَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَo (الانعام۔48٬49)

''اورہم جورسول بھیجتے رہے ہیں تو خوشخبری سنانے اورڈرانے کو۔پھر جوشخص ایمان لائے اورنیکو کارہوجائے تو ایسے لوگوں کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ اندوہناک ہونگے اورجنہوں نے ہماری آیات کوجھٹلایا تو انکی نافرمانی کےسبب انہیں عذاب ہوگا''

یہ تو اللہ تعالٰی کا خاص احسان ہے کہ اس نے انسانوں کی رہنمائی کی خاطر اپنی پسنداورناپسند کا اظہارفرمادیا۔انبیاء علیھم السلام نے ہردور میں یہی بنیادی فریضہ ادا کیا کہ اپنی اپنی قوموں کو اللہ تعالٰی کی رضاوالے اعمال بتادیئےاورانکےصلہ میں ملنےوالی نعمتوں کی بشارت دی۔اسی طرح اللہ تعالٰی کی ناراضگی والے اعمال بھی واضح کردیئے اورنافرمانی کے نتیجہ میں ملنے والی جہنم کی سزاؤں سے ڈرایا۔خوش خبریوں اورڈراووں کی تکراراس کثرت سے کی گئی ہے کہ قرآن کریم کا شاید ہی کوئی صفحہ ایسا ہوجس میں ان کا ذکر نہ ہو۔اس طرح انسانوں کے لئے نیکی بدی، بھلائی برائی، شکروکفر، اطاعت وبغاوت اورسعادت وشقاوت کی راہیں واضح کردی گئی ہیں۔

اب ہماری منزل ہمارے سامنے ہے۔ہماری تمام سرگرمیوں اورجدوجہد کاہدف عذاب دوزخ سے بچنااور اللہ کی رضااوراس کی جنت کاحصول ہوناچاہئے۔اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم ان تمام اعمال سے بچیں جواللہ تعالٰی پسند نہیں فرماتے اوران تمام اعمال کوذوق وشوق سے بجالائیں جوانہیں پسند ہیں اسی طرزعمل کانام تقوٰی ہے۔اللہ تعالٰی متقین سے محبت کرتے ہیں اور آخرت کی نعمتوں بھری زندگی بھی متقین کے لئے ہے۔تقوٰی والی زندگی کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم دنیا میں رہتے ہوئے اس کی محبت میں گرفتار نہ ہوں۔مال وجاہ اوراولادکی خاطرزمین میں فتنہ وفساد بپا نہ کریں۔اللہ تعالٰی اوراس کے رسول ﷺ کی محبت کوہرشے پرمقدم رکھیں۔اللہ تعالٰی نے ہمیں جو

بھی مقام ومنصب عطا کر رکا ہے اور کسی بھی پیشہ سے ہمارا تعلق ہو ہمیں ہر حال میں اپنے خالق کی معصیت سے بچتے رہنا چاہئے اور اس کی مخلوق کی خیر خواہی اور خدمت کے ذریعے اس کی رضا کا طلبگار بنے رہنا اور ہر حال میں خوش رہنا چاہئے۔ ہمیں چاہیے کہ زندگی کے آخری سانس تک شیطان کے مکروفریب سے غافل نہ ہوں، حضور ﷺ کے اتباع میں خوف ورجا کے درمیان چلتے رہیں اور خاتمہ بالایمان کیلئے اللہ کی مدد کے طلبگار رہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے طویل سفر کے مقابلے میں انسان کی مدت عمر نہایت قلیل ہے اس لئے وقت کی تضیع کی گنجائش قطعاً نہیں ہے۔ اس راہ میں پوری استقامت احتیاط اور عزم وہمت کے ساتھ آگے بڑھتے رہنے ہی سے گوہر مقصود ہاتھ آ سکتا ہے۔ حضور رسالت مآب ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جس مومن کے دو دن ایک ہی حالت میں گذر جائیں وہ خسارے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قرب کی راہ میں ہر مومن کا آج کا دن کل سے بہتر ہونا چاہئے۔ ورنہ یوں سمجھئے کہ زندگی کا ایک دن ضائع چلا گیا۔ جب یہ زندگی ختم ہو جائے گی تو پھر نا ختم ہونے والی زندگی کا آغاز ہوگا۔ قیامت کے روز انسانوں کو انکے ہر عمل کا اجر دیا جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ حقیقی غریب اور مسکین وہ انسان ہے جس کی دنیا میں کمائی ہوئی ساری نیکیاں قیامت کے دن ان دعویداروں میں تقسیم کر دی جائیں گی جن پر اس نے ظلم کیا ہوگا۔ جب نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو پھر مظلوموں کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے اور اسے جہنم رسید کر دیا جائے گا۔ اسی لئے اللہ والے حقوق العباد کو بڑی اہمیت دیتے ہیں اور یہ نصیحت بھی کرتے ہیں کہ نیکی کے کاموں سے بھی زیادہ برائیوں سے بچنے کو مقدم جانو۔ آخرت کی زندگی کا مشکل مرحلہ جہنم کے شعلوں سے نجات پانے کا ہے یہ طے ہو جائے تو اللہ رحیم وکریم کے فضل و رحمت سے اُمید رکھنی چاہئے کہ وہ اپنے بندے کو جنت میں داخل فرما لے۔ قرآن کریم میں دنیا کی بے ثباتی اور قیامت کے دن پیش آنے والے مراحل کا ذکر یوں آیا ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ o (ال عمران۔185)

''ہر نفس کو موت کا مزا چکھنا ہے۔ اور تم کو قیامت کے دن تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ تو جو شخص آتش جہنم سے دور رکھا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا وہ مراد کو پہنچ گیا اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کا سامان ہے''۔

انسان کیلئے دو دعوتیں

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین صلاحیتیں اور برتر شعور عطا فرما کر دوسری مخلوق پر فوقیت بخشی۔ اسے صاحب ارادہ و اختیار بنا کر اعمال کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا اور اسی وجہ سے اس کیلئے جزاء و سزا کا انتظام بھی کر رکھا ہے۔ اس خصوصی شرف کی بناء پر اس پر جبری اطاعت کا قانون مسلط نہیں کیا گیا اس کیلئے دعوت کا نظام قائم کیا گیا۔ دراصل یہ انسان کی سوجھ بوجھ اور ذمہ داری کا امتحان ہے کہ آیا وہ اللہ تعالیٰ کی آیات پر تدبر و تفکر کر کے اور اس کی بے شمار نعمتوں کا احساس کر کے اس کی غلامی میں داخل ہو جاتا ہے یا احسان ناشناس بن کر کفر اور نافرمانی کی راہ پر چل نکلتا ہے۔ ان دونوں راہوں کیلئے داعی موجود ہیں۔ بنی نوع انسان کو دو اطراف سے بلاوا ملنے کا ذکر قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات میں کیا گیا ہے۔

أُولَٰٓئِكَ يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ ۖ وَاللَّهُ يَدْعُوا إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِإِذْنِهِ ۖ وَيُبَيِّنُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝ (البقرۃ۔221)

''مشرکین تو دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ اپنی مہربانی سے جنت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے اور وہ اپنی آیات لوگوں کیلئے صاف صاف بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں''۔

إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا ۚ إِنَّمَا يَدْعُوا حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ السَّعِيرِ ۝ (الفاطر۔6)

''شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اسے دشمن ہی سمجھو۔ وہ اپنے گروہ کو بلاتا ہے تاکہ وہ دوزخ والوں میں ہو جائیں''

وَاللَّهُ يَدْعُوا إِلَىٰ دَارِ السَّلَامِ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ ۖ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوهَهُمْ قَتَرٌ وَلَا ذِلَّةٌ ۚ أُولَٰٓئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ وَالَّذِينَ

كَسَبُوْا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ مَالَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ كَاَنَّمَا اُغْشِيَتْ وُجُوهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا اُوْلٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَo (یونس۔25تا27)

”اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔جن لوگوں نے نیکوکاری کی ان کے لئے بھلائی ہے اور مزید برآں اور بھی۔اور ان کے مونہوں پر نہ تو سیاہی چھائے گی اور نہ رسوائی۔یہی جنتی ہیں کہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔اور جنہوں نے برے کام کئے تو برائی کا بدلہ ویسا ہی ہوگا اور ان کے مونہوں پر ذلت چھا جائے گی اور کوئی ان کو اللہ سے بچانے والا نہ ہوگا ان کے مونہوں کی سیاہی کا یہ عالم ہوگا کہ ان پر گویا اندھیری رات کے ٹکڑے اڑھا دئے گئے ہیں۔یہی دوزخی ہیں کہ ہمیشہ اس میں رہیں گے“

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا o وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًاo (الاحزاب45۔46)

”اے نبی ہم نے آپ کو گواہی دینے والا،خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور اللہ کی طرف بلانے والا اور چراغ روشن“۔

قرآنی ہدایت

اللہ تعالی نے حضور رحمت للعالمین ﷺ پر اپنی آخری کتاب قرآن کریم نازل فرمائی جس میں دلوں کیلئے شفا،ہدایت،رحمت اور نور کی نعمتیں اپنے کمال کو پہنچی ہوئی ہیں۔اس میں اللہ تعالی کی رضا حاصل کرنے کیلئے کامل ہدایت موجود ہے۔اللہ تعالی نے قرآن مجید کے شان نزول اور اہمیت کا اظہار دین کی مرکزی حقیقت کے اعتبار سے فرماتے ہوئے بتایا کہ یہ عظیم نعمت اسی لئے اُتاری گئی تاکہ نوع بشر اس کی برکت سے عذاب جہنم سے بچ جائے اور منزل مراد حاصل کرلے۔چنانچہ ارشاد ہوا۔

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ o يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍo (المائدہ15۔16)

''بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب آ چکی ہے جس سے اللہ اپنی رضا پر چلنے والوں کو سلامتی کے راستے دکھاتا ہے اور اپنی رحمت سے انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا ہے اور انہیں سیدھے راستے پر چلاتا ہے''۔

اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ قُلْ رَّبِّیْ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْھُدٰی وَمَنْ ھُوَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍo (القصص۔85)

''تحقیق اللہ نے آپ پر قرآن اس لئے فرض کیا تا کہ آپ کو بازگشت کی جگہ یعنی جنت میں واپس لوٹا دے۔آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب اس شخص کو خوب جانتا ہے جو ہدایت لے کر آیا اور اس کو بھی جو صریح گمراہی میں ہے''۔

الٓرٰ کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰہُ اِلَیْکَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّھِمْ اِلٰی صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِo اللّٰہِ الَّذِیْ لَہٗ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الْاَرْضِ وَوَیْلٌ لِّلْکٰفِرِیْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِیْدِo الَّذِیْنَ یَسْتَحِبُّوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا عَلَی الْاٰخِرَۃِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَیَبْغُوْنَھَا عِوَجًا اُولٰٓئِکَ فِیْ ضَلٰلٍ بَعِیْدٍo (ابراہیم 1 سے 3)

''یہ کتاب ہم نے آپ پر اس لئے نازل کی کہ لوگوں کو اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائیں انکے پروردگار کے حکم سے غالب اور قابل تعریف کے راستے کی طرف۔وہ اللہ کہ جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے اور کافروں کے لئے عذاب سخت کی وجہ سے خرابی ہے جو آخرت کی نسبت دنیا کو پسند کرتے اور اللہ کے راستے سے روکتے اور اس میں کجی چاہتے ہیں۔یہ لوگ پرلے سرے کی گمراہی میں ہیں''

اِنَّ الْقُرْاٰنَ یَھْدِیْ لِلَّتِیْ ھِیَ اَقْوَمُ وَیُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَھُمْ اَجْرًا کَبِیْرًاo وَاَنَّ الَّذِیْنَ لَایُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ اَعْتَدْنَا لَھُمْ عَذَابًا اَلِیْمًاo (بنی اسرائیل 10,9)

''یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھا ہے اور مومنوں کو جو نیک عمل کرتے ہیں بشارت دیتا ہے کہ ان کے لئے اجر عظیم ہے اور یہ بھی کہ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے

لئے ہم نے دکھ دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے"

چونکہ اللہ تعالٰی نے حضور نبی کریم ﷺ کو پوری دنیا کے انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا اس لئے آپ کا پیام کسی خاص نسل، قوم یا ملک کے باشندوں کے لئے نہیں بلکہ قیامت تک آنے والے تمام بنی نوع آدم کے لئے ہے۔ آپ نے پوری انسانیت کو عذاب آخرت سے بچنے کی دعوت دی۔ قرآن کریم کی عالمگیر دعوت ملاحظہ فرمائیں کہ کس انداز سے تمام انسانوں کو مخاطب کیا جا رہا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِي وَالِدٌ عَن وَلَدِهِ وَلَا مَوْلُودٌ هُوَ جَازٍ عَن وَالِدِهِ شَيْئًا إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللَّهِ الْغَرُورُ ○ (لقمان۔33)

"لوگو اپنے رب سے ڈرو اور اس دن کا خوف کرو کہ نہ تو باپ اپنے بیٹے کے کچھ کام آ سکے اور نہ بیٹا اپنے باپ کے کچھ کام آ سکے۔ بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ پس دنیا کی زندگی تم کو دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ فریب دینے والا شیطان تمہیں اللہ کے بارے میں کسی طرح کا فریب دے"۔

آگ سے بچنا اور دوسروں کو بچانا

اللہ تعالٰی کے آخری رسول ﷺ پر جو کتاب اُتاری گئی وہ پوری انسانیت کیلئے ہے۔ ہر اس شخص کیلئے اس میں نور وہدایت کا سامان ہے جسے حق کی تلاش ہو۔ یہ کتاب صرف مسلمانوں سے مخاطب نہیں ہوتی بلکہ تمام انسانوں کو مسلمان یعنی اللہ کے مطیع اور تابع فرمان بندے بننے کی دعوت دیتی ہے۔ اللہ تعالٰی اپنے فضل سے جس انسان کو ایمان کی دولت عطا کر دیتا ہے اس پر یہ فرض بھی عائد ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے ساتھی انسانوں کو بھی جہنم کی آگ میں گرنے سے بچائے۔ جو انسان نور ہدایت سے محروم ہوتا ہے اس کی مثال ایک اندھے کی طرح ہے جو بڑی بے فکری سے اس راہ پر چلا جا رہا ہے جو اسے کسی گہرے گڑھے میں پہنچانے والی ہو۔ ہمارے سامنے اگر بینائی سے محروم کوئی شخص کسی گڑھے یا کنویں کے نزدیک پہنچ چکا ہو تو ہم میں سے ہر شخص جس میں انسانیت کی ذرا سی بھی رمق موجود ہو وہ اسے خبردار کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اگر پکارنے پر بھی وہ نہ رُکے تو سارے کام چھوڑ کر دوڑ پڑے گا۔ تا کہ اسے مہلک

انجام سے بچالے۔دین کی تبلیغ کا کام بھی اسی جذبہ کے ساتھ سرانجام دیا جانا چاہئے تا کہ احسن تقویم اور بہترین صلاحیتوں کے ساتھ پیدا کیا ہوا انسان اللہ کے غضب سے بچ جائے اگر چہ بظاہر وہ کتنا ہی بگڑا ہوا کیوں نہ ہوسونے کا کوئی ٹکڑا یا زیور کسی گندگی میں گرا ہوا ہمیں نظر آ جائے تو ہم سونے کی قدر و قیمت کے پیش نظر گندگی سے صرف نظر کرتے ہوئے اسے فوراً اُٹھا لیتے ہیں۔ انسان کے مقام کے ساتھ تو سونے کی کوئی نسبت ہی نہیں اس لئے انسان کی اصلاح مقدس ترین کام ہے اور ہر مومن کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے۔بقول شاعر۔

اگر بینم کہ نابینا وچاہ ہست
اگر خاموش بنشینم گناہ است

اگر میں یہ دیکھوں کہ کوئی اندھا کنویں کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے تو اس صورت حال میں میرا خاموش بیٹھے رہنا گناہ ہے۔پیچھے بیان کی گئی قرآنی آیات سے یہ بات اظہر من الشمس ہوگئی کہ دعوت دین کا اولین اور بنیادی مقصد ہی یہ ہے کہ بنی نوع انسان کو جہنم کی آگ سے بچایا جائے۔اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو یاد دلاتے ہیں کہ تم خود بھی گمراہ تھے لیکن ہمارے فضل نے تمہاری دستگیری کی۔اس لئے اس پر غرور ہرگز نہ کرو بلکہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔شکر کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ تم میری مخلوق کو میری طرف رجوع کرنے کی دعوت دو۔قرآن کریم میں ارشاد ہوا۔

وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَاo(ال عمران۔103)

''اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے تو اللہ نے تم کو اس سے بچالیا''

بنی نوع انسان کی حقیقی فلاح اور خدمت یہی ہے کہ انہیں عذاب جہنم سے بچالیا جائے شریعت حقہ کی تعلیم میں یہی تلقین کی گئی ہے کہ اگر تم اکیلے ہو تو اپنے گھر والوں، ساتھیوں اور پڑوسیوں کو حسب مقدور ظلم سے روکو اور اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دو۔اگر پورا ملک مسلمانوں کا ہے تو وہ اپنے پڑوسی ملکوں کے عوام و خواص کو اللہ کی ربوبیت اور الوہیت تسلیم کرنے کی دعوت دیں۔اگر ہم من حیث القوم انسانیت کے بے لوث خادم بن کر محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر یہ خدمت سرانجام دیں تو اللہ تعالیٰ انعام کے طور پر اقوام عالم کی قیادت و سیادت بھی ہمیں عطا فرما دیں گے۔اللہ کے دین کا اصلاحی کام انہی بنیادوں پر آگے بڑھتا ہے کہ پہلے تو اہل ایمان کی

ایک جماعت تیار کی جائے جس کے ہر فرد کے دل میں اللہ کی رضا کی جستجو موجزن ہو اور عزت و اکرام کا معیار تقویٰ قرار پائے نہ کہ دولت و ثروت پھر اللہ والوں کی اس جماعت کی امارت **اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ** کے اصول کے مطابق اس شخص کے سپرد کی جائے جو ان میں سے سب سے زیادہ متقی ہو۔ اس طرح وجود میں آنے والی خیر الامت یعنی بہترین قوم ہی انسانیت کیلئے رحمت بن کر کرہ ارض کو عدل و انصاف سے بھر سکتی ہے۔ یہ گوہر مقصود مروجہ سیاست کی ڈگر پر چلنے سے حاصل نہیں کیا جا سکتا جس میں موقع پرست، دروغ گو اور چرب زبان لیڈر اللہ تعالیٰ کی بھولی بھالی مخلوق کو دھوکہ دیتے اور دھن، دھونس اور دھاندلی کے بل بوتے پر ان کے سروں پر مسلط ہو جاتے اور دونوں ہاتھوں سے قومی دولت لوٹتے ہیں۔ علامہ محمد اقبالؒ نے ان انسان نما شیطانوں کے کرتوت ظاہر کرنے کے لئے اپنے کلام میں ابلیس کی زبان سے اللہ تعالیٰ کے حضور یہ التجا کروائی کہ اب زمین پر میری ضرورت باقی نہیں رہی کیونکہ انسانوں کو گمراہ کرنے کا کام اہل سیاست نے سنبھال لیا ہے۔ حکیم الامتؒ نے اُمت مسلمہ کو راہ راست دکھاتے ہوئے فرمایا۔

پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصار دیں میں ہو
ملک و دولت ہے فقط حفظ حرم کا اِک ثمر
ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر

حضور ختم الرسل ﷺ نے وحی الٰہی کے مطابق انسانوں کو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لا کر تقویٰ اختیار کرنے کی دعوت دی تا کہ وہ جہنم میں لے جانے والے اعمال سے دور رہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا والے اعمال اختیار کر کے جنت میں داخل ہونے کے اہل بن جائیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ میری مثال اس شخص کی ہے جس نے رات کے وقت جنگل میں آگ روشن کی تو کیڑے اور پتنگے اس پر لپکنے لگے۔ اس کے روکنے کی ہزار کوشش کے باوجود بھی وہ اس میں گرے پڑتے ہیں۔ میں بھی انسانوں کو پکڑ پکڑ کر جہنم کی آگ سے بچانے کی کوشش کرتا ہوں لیکن وہ ہیں کہ پھر بھی اس میں گھسنے کیلئے زور لگاتے ہیں۔ دوزخ کی آگ سے بچنے کی اتنی اہمیت ہے کہ اللہ تعالیٰ

نے اہل ایمان کو یہ دُعا خود تلقین فرمائی ۔

رَبَّنَا اٰتِنَا فِیْ الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِیْ الاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ٥

''اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی اچھائی عطا فرمائیں اور آخرت میں بھی اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا لیجئے''۔

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو بھی یہ حکم فرمایا ہے کہ اپنے آس پاس اور اردگرد بسنے والے دوسرے انسانوں کو بھی جہنم کی آگ سے بچانے کیلئے پوری جدوجہد کریں کیونکہ اس سے بڑی انسانیت کی اور کوئی خدمت نہیں ۔ چنانچہ ارشاد ہوا ۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْ قُوْا اَنْفُسَکُمْ وَاَهْلِیْکُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَیْهَا مَلٰئِکَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَا اَمَرَهُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ (التحریم ۔6)

''اے ایمان والو اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آتش جہنم سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اور جس پر تندخو اور سخت مزاج فرشتے مقرر ہیں ۔ جو اللہ کے ارشاد کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم انکو ملتا ہے اسے بجالاتے ہیں''۔

اِس آیت مبارکہ میں اللہ علیم وخبیر نے اہل بیت نہیں فرمایا تا کہ اصلاح کا دائرہ اہل وعیال اور اقربا تک محدود ہو کر نہ رہ جائے ۔ اہل ایمان کو یہ دعوت اہل محلّہ ، اہل شہر اور اہل ملک کی حدود پار کر کے اہل عالم تک پہنچانے کا منصب عطا ہوا ہے ۔ یہ بات بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ سب سے پہلے جس انسان کو دوزخ سے بچانے کیلئے حکم دیا گیا ہے وہ ہماری اپنی ذات ہے ۔ اگر ہم مسلمان کہلوانے والے اس آیت کے صرف پہلے جزو پر عمل کر کے دکھائیں اور خود پکے سچے با کردار مومن بن جائیں تو عالمی اسلامی انقلاب کی راہ ہموار ہو جائے ۔ پھر یہ دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جائے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اسم محمد ﷺ کا اُجالا پورے عالم میں پھیل جائے ۔

فلاح انسانیت کا دستور

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مختلف مقامات پر اُمت مسلمہ کو کفار اور اہل کتاب کی دوستی اور ان کے طور طریقوں پر عمل کرنے سے منع فرمایا ہے اور یہ تاکید کی

ہے کہ میرے رسولؐ کی اطاعت واتباع کرتے ہوئے میری بندگی کی راہ پر چلتے رہو کہ یہی صراط مستقیم ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ میری محبت کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رکھنا اور گروہوں میں نہ بٹ جانا ورنہ تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ اس وقت تم دنیا کی بہترین قوم ہو۔ جس طرح میرے رسول ﷺ نے میرا دین تم تک پہنچایا اور اپنی زندگی سے اس کی عملی تفسیر کا نمونہ پیش کیا ہے۔ اسی طرح یہ دین پوری دنیا کے انسانوں تک پہنچانے کیلئے تمہیں اُمت وسطیٰ کا کردار ادا کرنا ہے۔ تم اللہ تعالیٰ کے دین رحمت کے علمبردار اور اس کے آخری رسول احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کے خلق عظیم کی حامل اور انسانیت کی خادم آخری قوم ہو جسے اسی لئے تیار کیا گیا ہے کہ بنی نوع انسان کو آگ میں گرنے سے بچاؤ۔ بھلائیوں کو فروغ دو اور برائیوں کو روک دو۔ تم صلوٰۃ و زکوٰۃ کے پابند رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی محبت کا دامن تھامے رہو گے اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کے کام میں اللہ تعالیٰ کے مددگار بنے رہو گے تو اللہ بھی تمہاری مدد کرتا رہے گا۔ جب تک اللہ کی مدد تمہارے شامل حال رہے گی دنیا کی کوئی قوم نہ تو تمہیں کوئی نقصان پہنچا سکے گی اور نہ ہی تم پر کوئی ملک غالب آ سکے گا۔ قرآن کریم میں ایک مقام پر مسلسل بارہ آیات میں اہل ایمان کیلئے ایک ایسا لائحہ عمل دے دیا گیا ہے جو ہر دور میں اُمت مسلمہ کو راہنمائی مہیا کرتا رہے گا۔ نہایت مناسب معلوم ہوتا ہے کہ راہنما اور بنیادی اصولوں کی حامل ان آیات بینات کا سلیس ترجمہ یہاں درج کر دیا جائے۔

(1) اے ایمان والو اگر تم اہل کتاب کے کسی فریق کا کہا مان لو گے تو وہ تمہیں ایمان لانے کے بعد کافر بنا دیں گے۔

(2) اور تم کفر کیونکر کرو گے جب کہ تمہیں اللہ کی آیات پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں اور تم میں اس کا رسول موجود ہے۔ جو اللہ کا دامن تھام لیتا ہے اسے صراط مستقیم کی ہدایت عطا ہو گئی۔

(3) اے ایمان والو اللہ کیلئے تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ اس کے تقوے کا حق ہے اور تمہیں موت نہیں آنی چاہئے مگر مسلمان کی حیثیت سے۔

(4) تم سب مل کر اللہ کے دامن کو مضبوط پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہو جانا۔ اللہ نے تم پر جو نعمت فرمائی اسے یاد رکھو۔ تم تو ایک دوسرے کے دشمن تھے اس نے تمہارے دلوں میں اُلفت ڈال

دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے تو اللہ نے تم کو اس سے بچالیا۔ اس طرح اللہ تمہیں اپنی آیات کھول کھول کر سناتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

(5) اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیئے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے اور یہی لوگ نجات پانے والے ہیں۔

(6) اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو متفرق ہو گئے اور واضح احکام آنے کے بعد ایک دوسرے سے اختلاف کرنے لگے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو عذاب عظیم ہوگا۔

(7) قیامت کے دن کچھ چہرے سفید اور کچھ چہرے سیاہ ہونگے۔ جن لوگوں کے چہرے سیاہ ہونگے ان سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ کیا تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے تھے؟ سو اب اس کفر کے بدلے عذاب چکھو۔

(8) اور جن لوگوں کے چہرے سفید ہونگے وہ اللہ کی رحمت کے باغوں میں ہوں گے اور ان میں ہمیشہ رہیں گے۔

(9) یہ اللہ کی آیات ہیں جو ہم آپ کو حق کے ساتھ پڑھ کر سناتے ہیں اور اللہ اہل عالم پر ظلم نہیں کرنا چاہتا۔

(10) اور جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے اور سب کام فیصلہ کرنے کے لئے اللہ کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔

(11) تم بہترین اُمت ہو جسے لوگوں کیلئے تیار کیا گیا ہے۔ تم بھلائی کے کام کرنے کو کہتے ہو اور ضرر رساں کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ اگر اہل کتاب بھی ایمان لے آتے تو اُن کیلئے اچھا ہوتا۔ ان میں کچھ ایمان والے بھی ہیں لیکن اکثر نافرمان ہیں۔

(12) یہ اہل کتاب تمہیں خفیف سی تکلیف کے سوا کچھ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے اور اگر تم سے لڑیں گے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔ پھر کہیں سے مدد نہ کئے جائیں گے۔

(ال عمران 100 تا 111)

صحابہ کرامؓ نے قرآن حکیم کی تعلیم پر حضور سرور کائنات ﷺ کے اسوہ حسنہ کی روشنی میں عمل کیا تو اللہ تعالیٰ کی نصرت سے زندگی کے ہر شعبے میں ایسے ایسے کارہائے نمایاں انجام دیئے جن کی

تاریخ عالم میں کوئی مثال نہیں ملتی۔اللہ تعالیٰ کی تائیدونصرت کے وعدے دائمی اور سچے ہیں۔اس کی سچی کتاب ہمارے پاس موجوداوراس کے سچے رسولﷺ کی حیات طیبہ کا لحظ لحظ محفوظ ہے۔ اگر ہم خواب غفلت سے بیدار ہوکراللہ تعالیٰ کا دامن مضبوطی سے تھام لیں اوراپنی زندگیوں کو اسوہ رسولﷺ کے سانچے میں ڈھال لیں تو اللہ کی رحمت سے اُمید کامل ہے کہ وہ پھر سے ہمیں اپنی نصرت سے نواز دے اوراُمت مسلمہ کواس کا کھویا ہوا مقام دوبارہ عطا کر کے اقوام عالم کی سیادت اس کے سپرد کردے۔اوپر دی گئی آیات میں عالمگیر اصلاحی مشن کی بنیاد اللہ کی بندگی، مودت و محبت، مساوات واخوت اور احترام آدمیت پر رکھی گئی ہے۔اقامت الصلوٰۃ اورادائیگی زکوٰۃ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا نظام نافذ کرنے کی راہ سجھائی گئی ہے۔اس طرح بتدریج پوری انسانیت کو نظام رحمت کے تحت لایا جائے جس میں ہرانسان کیلئے بنیادی ضروریات کی فراہمی، جان ومال اورعزت وآبرو کی حفاظت اوراپنے عقیدہ پرعمل کی آزادی کی ضمانت ہو۔ایسے مثالی، عالمگیر امن کے داعی اور فلاح انسانیت کے ضامن نظام کی مخالفت صرف وہی قوم کرے گی جس کی بقاء کا انحصار کمزوروں کے استحصال اور مجبوروں کا خون چوسنے پر ہوگا۔ایسی آدم آزار قوم کا وجودانسانیت کیلئے ناسور کی حیثیت رکھتا ہے اوراس کی قوت کو توڑنا ہرلحاظ سے بنی نوع انسان کے دکھوں کا مداوا کرنا ہے۔اس کیلئے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دے رکھا ہے کہ اس قدرقوت کا سامان اورمواصلات کے ذرائع تیار رکھو کہ تمہارے دشمنوں پر تمہاری ہیبت طاری رہے۔اگر اولیاءالشیطان پر مشتمل کسی بدطینت قوم نے تمہارے ساتھ جنگ کرنے کا خطرہ مول لیا تو اس کا مقدر شکست ہی ہوگی۔تمہاری جنگ ہوس ملک گیری اورحب جاہ ومال کا شاخسانہ نہیں بلکہ میری راہ میں میری رضا کی خاطر جہاد ہے۔تم انسانوں کو اپنا غلام بنانے کیلئے نہیں بلکہ انہیں ہرنوع کی غلامی سے آزادی دلانے کیلئے جنگ کرتے ہو اس لئے میری تائیدونصرت تمہارے ساتھ ہوگی۔

اصلاح فرد کی اہمیت

برادران کرام! قومیں افراد سے بنتی ہیں۔جس قوم کے افراد خدا خوف، وفاشعار، دیانتدار اور باکردار ہوتے ہیں وہ ترقی کی منزلیں طے کرتی چلی جاتی ہے اور جس کے افراد اخلاق وکردار سے عاری اور ہواوہوس کے پجاری ہوں اس کے زوال کو کوئی نہیں روک سکتا۔حضور نبی کریمﷺ کی تعلیم کے مطابق سب برائیوں کی جڑ دنیا کی محبت ہے اور سارے نیک

کاموں کامنبع اللہ تعالیٰ کا خوف اور تقویٰ ہے یہی ایمان کا خلاصہ ہے۔ جوانسان سچے دل سے اللہ تعالیٰ کے وجوداور آخرت کی زندگی کوتسلیم کرتا ہواس کیلئے جرم وگناہ کی زندگی بسر کرنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قوموں کی تعمیر کا کام ہمیشہ افراد کی تعلیم وتربیت سے شروع کیا جاتا ہے۔اللہ کے دین میں بھی اصلاح کیلئے یہی فطری طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔

کسی عمارت کی تعمیر کیلئے استعمال کی جانے والی اینٹیں اگر پختہ،مضبوط اور معیاری ہونگی تو عمارت بھی پائیدار بنے گی اور اگر ناقص اور گھٹیا مسالا استعمال ہوگا تو بظاہر بڑی عالیشان اور آراستہ و پیراستہ عمارت کسی بھی وقت دھڑام سے گر سکتی ہے۔آپ ذرا اپنے وطن عزیز، جسے لاکھوں جانوں اور عصمتوں کی قربانی دے کر حاصل کیا گیا کے معاملات پر نگاہ ڈال لیں۔آزادی کی بدولت اس سب سے بڑی اسلامی مملکت کی باگ ڈور مسلمانوں کے ہاتھ میں آ گئی۔چاہیئے تو یہ تھا کہ ہم اس سرزمین کے انتظام وانصرام کواس طرح چار چاند لگاتے کہ اصلاح وفلاح، عدل و انصاف، امن و امان اور ترقی وخوشحالی کے لحاظ سے بیرونی دنیا اسے ایک مثالی ملک تسلیم کر کے دین اسلام کی حقانیت کی قائل ہو جاتی۔وائے ناکامی کہ ترقی و وسعت تو درکنار ہم اس ملک کو سنبھال بھی نہ سکے اور ہماری نادانیوں اور کفار کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے ہمارا مشرقی بازو ہم سے الگ ہو گیا۔اتنے بڑے سانحہ کے باوجود بھی ہم نے اپنا قبلہ درست نہ کیا اور ہمارے اخلاقی انحطاط کے سبب ہماری معیشت اور معاشرت کے ہر شعبے کا آج جو حال ہے اس کے بیان کرنے کی حاجت نہیں ۔اس زوال کی ایک ہی وجہ ہے کہ ہم نے اسلام کے اصولوں کے مطابق اپنی قوم کے اخلاق وکردار کی اصلاح سے مکمل غفلت برتی اور تاہنوز اسی روش پر گامزن ہیں۔یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے کہ اقوام عالم میں باوقار مقام حاصل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ اپنے عقائد کے مطابق پوری قوم کی تربیت کی جائے اور ملی مقاصد کے حصول کی خاطر ان میں یک جہتی اور یک رنگی پیدا کی جائے ۔اس عظیم کام کی انجام دہی کیلئے ان میں یک رنگی پیدا کی جائے ۔اس عظیم کام کی انجام دہی کیلئے کلمہ طیبہ **لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ** کا متفقہ اور راہنما اصول موجود ہے جس کی روشنی میں ملت کے تمام افراد کواللہ تعالیٰ کی بندگی اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت واتباع کی تربیت میں ڈال کر باکردار، باوقار اور خوددار مومن بنایا جا سکتا ہے۔یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیئے کہ انسان کے تمام اعضاء اس کے دل کے تابع ہیں گویا جسم کی مملکت پر دل

کی حکمرانی ہے۔دل ہی وہ مرکز ہے۔جہاں خواہشات جنم لیتی ہیں۔اگر یہ مرکز درست ہوجائے تو اس میں مال و جاہ کی ہوس کی بجائے اللہ تعالیٰ کی محبت اور آخرت کی فکر جاگزین ہوجاتی ہے اور انسان کا نکتۂ نظر ،طرزِ فکر اور اسلوب زندگی یکسر بدل جاتا ہے۔یہ انقلاب **اِقْرَارٌ بِالِلّسَانِ** سے نہیں بلکہ **تَصْدِیْقٌ بِالْقَلب** سے برپا ہوتا ہے۔زبانی اقرار تبھی قابل اعتبار ٹھہرتا ہے جب دل بھی اس کی گواہی دے۔اللہ تعالیٰ نے سورت الحجرات کی آیت 14 میں فرمایا ہے کہ ''صرف زبانی دعویٰ کرنے سے تم مومن نہیں بن گئے ابھی تو ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا''۔

ایمان جب دل میں گھر کرلیتا ہےتو انسان کو یقین کا یہ مقام حاصل ہوجاتا ہے کہ میرا خالق و مالک جو تمام بنی نوع انسان کو قیامت کے روز دوبارہ زندہ کرکے اعمال کی جزا و سزا دیگا وہ ہر وقت میرے ساتھ موجود،میرے تمام اعمال کو دیکھتا اور دل میں پیدا ہونے والے خیالات کو بھی جانتا ہے اور اسکے خفیہ کارندے میرے تمام اقوال و اعمال ریکارڈ کررہے ہیں اس لئے وہ آخرت کے عذاب سے بچنے اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی خاطر ہر برائی سے بچنے اور بھلائی کے کاموں میں سبقت لے جانے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول ﷺ کو پوری انسانیت کی اصلاح وہدایت کیلئے مبعوث فرمایا لیکن آپ نے اس کام کو ایک ایک فرد کی اصلاح کرتے ہوئے تدریجاً آگے بڑھایا۔یہاں تک کہ برسوں کی جدوجہد اور انتھک محنت سے چند ہزار نفوس قدسیہ پر مشتمل وہ جماعت تیار ہوگئی جسے اللہ تعالیٰ نے خیر الامت کے خطاب سے مشرف فرمایا۔حضور ﷺ کی حیات طیبہ ہی میں اسلام پورے عرب میں پھیل گیا۔آپ کے بعد آپ کے فیض صحبت سے تربیت پانے والے صحابہ کرام ؓ اللہ تعالیٰ کی نصرت کے بھروسہ پر دین رحمت کو پوری دنیا میں پھیلانے کیلئے نکل کھڑے ہوئے اور ہر قدم پر فتح ونصرت نے ان کے قدم چومے اور یہ کام نسل بعد نسل آگے بڑھتا چلا گیا۔اس دور میں تعمیر ملت اور اصلاح اُمت کا کام منہاج نبوت پر چلنے ہی سے کامیاب ہوسکتا ہے۔حضرت امام مالک ؒ کا مشہور قول ہے کہ اول دور میں جس طریقہ سے اُمت کی اصلاح ہوئی تھی آخری دور میں بھی اِسی طریقہ سے ہوگی۔

سلسلہ توحیدیہ کا قیام

میرے پیارے بھائیو!اور جان سے عزیز بیٹو!ہمارے ہادی و مرشد حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری ؒ نے سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی بنیاد قرآن وسنت کے محولہ بالا

اصولوں کے مطابق رکھی اور اسکی مکمل تعلیم اور متعلقہ قواعد وضوابط بڑی تفصیل کے ساتھ "تعمیر ملت"، "چراغ راہ" اور "طریقت توحیدیہ" میں درج فرما دئے۔ آپ نے اصلاح کا یہی طریقہ تلقین فرمایا کہ سلسلے میں شامل ہر بھائی پہلے اسلام کے بنیادی فرائض کی پابندی کے علاوہ ذکر نفی اثبات اور پاس انفاس کے ذریعے قلب کو بیدار اور صاف کرے اور اس کے ساتھ ہی غصہ و نفرت کی مکمل نفی کر کے عالمگیر محبت اور صداقت کے ذریعے اپنے اخلاق و کردار کا تزکیہ کرے۔ اس تعلیم پر عمل کرنے سے جب اللہ کے فضل و کرم کے طفیل دل میں مطلوبہ روحانی قوت اور جذب کی قوت پیدا ہو جائے تو پھر قلبی توجہ اور روحانی فیض کے ذریعے اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کی اصلاح کے کام میں لگ جائے۔ ہمارے سلسلے میں روحانی طاقت اس لئے حاصل نہیں کی جاتی کہ شعبدے اور کرامات دکھائی جائیں یا بیماریوں کا علاج کر کے پیسے بٹورے جائیں۔ ہمیں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ سب سے عظیم کام جو اس طاقت سے لیا جا سکتا ہے وہ ایک بگڑے ہوئے معاشرے اور ایک بدکردار انسان کی اصلاح ہے کہ اس کے سارے عیب عیب چھڑا کے اسے پکا مومن اور دیانتدار شہری بنا دیا جائے تا کہ اس کی دنیا اور آخرت دونوں سدھر جائیں۔ یہ کام اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر و ثواب کے لحاظ سے بھی اتنا اعلیٰ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر آپ کے توسط سے کسی ایک آدمی کی بھی اصلاح ہو جائے تو یہ امر دنیا کے ہر اس ساز و سامان سے زیادہ بہتر ہے جس پر سورج طلوع و غروب ہوتا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے توسط سے ایک آدمی کا ایمان لے آنا سترا ونٹوں کی دولت سے بھی بہتر ہے۔

برادرانِ کرام اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے جو فرمودات بیان کئے گئے ہیں ان سے یہ بات واضح ہوگئی کہ قرآن کریم اور دین مبین کا محور انسان کی اصلاح ہے اور سلسلہ توحیدیہ کے قیام کا بھی یہی مقصد ہے۔ اس لئے ہر توحیدی فقیر کو چاہئے کہ اس مقدس فریضہ کو پہلے سے بھی زیادہ عزم و ہمت اور محبت و محنت سے سرانجام دے۔ ہر بھائی سال بھر میں اگر زیادہ نہیں تو کم از کم ایک مسلمان بھائی کی اصلاح کر کے اسے صلوٰۃ و زکوٰۃ کا پابند اور پکا مومن بنا دے۔ اللہ تعالیٰ اپنے کام کرنے والے بندوں کی ضرور مدد فرماتے ہیں۔ اِس سے بڑی نیکی اور اچھا کام کوئی نہیں کہ انسانوں کو اللہ کی راہ پر لگا دیا جائے۔

رَجُوع اِلیٰ اللہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حقیقتِ انسان

جب تک انسان کی اصل حقیقت اوراس کے مقصودِ حیات کے بارے میں صحیح علم نہ ہو اس وقت تک اس کی زندگی کیلئے نہ تو کوئی حتمی لائحہ عمل مرتب کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی یہ فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ اس کی ترقی کی سمت درست ہے یا غلط ۔یہ انسانیت کا سب سے اہم اور مشکل ترین مسئلہ ہے ۔چونکہ انسان خود اپنی تخلیق کے مقصد سے آگاہ نہیں ہو سکتا اس لئے ہر دور میں اس کیلئے اپنی حقیقت اور کامیابی کا دستورِ حیات جاننے کا ایک ہی یقینی ذریعہ رہا ہے کہ اپنے خالق و مالک اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء علیہم السلام پر اُترنے والی وحی سے روشنی اور راہنمائی حاصل کرے۔اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول حضرت محمد مصطفٰے علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بنی نوع انسان کیلئے دین کو مکمل کرنے والی جو مبارک کتاب نازل فرمائی اس میں جہاں قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کی ہدایت و فلاح اور دنیوی و آخروی کامیابی کیلئے مکمل لائحہ عقائد و اعمال موجود ہے وہاں انسان کی اصل حقیقت اور دیگر ازلی و ابدی حقائق بھی بیان کئے گئے ہیں ۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی عظمت اور برتری بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ہم نے اسے زمین کی خلافت، اپنی محبت و معرفت سے بھرپور بندگی اور قرب و رضا کیلئے پیدا کیا اور اسے تمام اشیاء کی صفات کا علم اور انہیں تسخیر کرنے کی صلاحیت سے نوازا ۔چنانچہ علم و عرفان کی اس برتری کی وجہ سے ملائکہ بھی اس کے سامنے سربسجود ہو گئے ۔یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ ہم نے ایک امانت آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کی لیکن وہ اس کی بھاری ذمہ داری اور ناکامی کی صورت میں ملنے والی سزا سے ڈر گئے اور اسے قبول نہ کیا لیکن انسان نے اُسے اٹھا لیا اور اس طرح اسے اپنے اعمال کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ۔یہ تمام احوال عالم ارواح میں پیش آئے یعنی اس وقت جب کرہ ارض پر اس کا مادی ظہور نہ ہوا تھا تاہم وہ اپنا ایک روحانی وجود رکھتا تھا ۔قرآن کریم میں عالم ارواح میں لئے گئے میثاق الانبیاء کے علاوہ اولادِ آدم سے لئے گئے عہد الست کا بھی ذکر ہے جس میں تمام

ارواح نے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب یعنی آقا و مالک تسلیم کیا۔ یہ واقعات بیان کرنے کی غرض و غایت اس بنیادی امر کو واضح کرنا ہے کہ انسان کی حقیقت اور اس کا اصل وجود روحانی ہے۔ اسی لئے تمام عہد و پیمان غیر مادی وجود سے لئے گئے اور اسے ہی اعمال کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے۔ یہ مادی جسم تو حقیقی انسان کیلئے سواری کی مانند ہے جسے وہ اپنی مرضی کے مطابق چلاتا اور اس کے ذریعے مادی حیات کا سفر طے کرتا ہے۔ یا یوں سمجھ لیں کہ مادی جسم حقیقی انسان کے گرد لپٹا ہوا غلاف ہے جو حواس اور بدنی اجزاء پر مشتمل ہے۔ حواس کے ذریعے انسان بیرونی دنیا کا علم حاصل کرتا ہے اور جسمانی اجزاء کو استعمال کر کے اپنے ارادوں کو عملی جامہ پہناتا ہے۔ اس کی تمام تر سائنسی ایجادات بھی اسی ذوق کا شاخسانہ ہیں۔ جب انسان کی موت واقع ہوتی ہے تو روح یا حقیقی انسان کا تعلق مادی جسم سے منقطع کر کے اسے عالم مثال یعنی برزخ میں اس کے اعمال کے مطابق ٹھہرایا جاتا ہے اور جب حشر برپا ہوگا تو اسے دوبارہ مادی جسم عطا کر دیا جائے گا۔ اس لئے انسان کی اصل کامیابی اسی میں ہے کہ وہ ہمہ وقت مادی جسم کی پرورش اور خدمت ہی میں نہ لگا رہے بلکہ اس کی صرف مناسب ضروریات کا خیال رکھے تا کہ مادہ کی تسخیر اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول میں یہ اس کا مددگار ثابت ہو۔ اس افضل ترین لیکن ہمت آزما مشن میں کامیابی کیلئے یہ امر اشد ضروری ہے کہ انسان کو اس دشوار گذار راہ کے ہر پیچ و خم اور اونچ نیچ کے متعلق مکمل آگاہی حاصل ہو۔ اس کیلئے انسان اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت کا محتاج ہے کیونکہ ان امور کا حقیقی علم اس کو ہے کہ کون کونسے اعمال انسان کی سعادت اور نیک بختی کا سبب بن کر اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے مقام تک پہنچا سکتے ہیں اور کونسے اسے شقاوت اور بدبختی کی دلدل میں پھنسا کر اللہ سے دوری کا باعث بنتے ہیں۔ تمام انسانی اعمال کو اللہ کے دین میں خیر اور شر کے دو عنوان دئے گئے ہیں اور انہیں جاننے اور ماننے پر ہی ہر انسان کی کامیابی کا دارومدار ہے۔ اسی لئے **وَالْقَدْرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی** کو تسلیم کرنا ایمان کا جزو ٹھہرایا گیا ہے یعنی کونسی چیز خیر اور کونسی شر ہے اور مختلف اعمال میں خیر اور شر کا درجہ کتنا ہے اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے اور انسان کی کامیابی اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے مطابق شر سے بچنے اور خیر پر چلنے میں ہے۔ ہر انسان جو کچھ سوچتا، بولتا اور کرتا ہے اس کا مکمل ویڈیو ریکارڈ تیار کیا جا رہا ہے اور قیامت کے روز پوری زندگی کی

کارکردگی اسے دکھادی جائے گی۔

چنانچہ سورۃ زلزال میں فرمایا گیا ہے۔ **فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ o وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ o** ''تو جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا'' اس دن مجرموں کی کوئی صفائی، گواہی اور وکالت قبول نہ کی جائے گی بلکہ کسی کو بات کرنے کی بھی اجازت نہ ہوگی۔ سورۃ یٰسین میں فرمایا گیا ہے۔ ''آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور جو کچھ یہ کرتے رہے تھے ان کے ہاتھ ہم سے بیان کر دیں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے''۔ آج جب کہ انسان نے ریکارڈ کرنے کیلئے عجیب و غریب ایجادات کر لی ہیں تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے انتظامات کا کیا ہی کہنا ہے۔ ایک طرف تو **عِلِّيِّيْن** اور **سِجِّيْن** کے ماسٹر ریکارڈ آفس ہیں جن میں ہر ہر انسان کے اچھے اور برے اعمال اس کی ذاتی فائلوں میں ریکارڈ کئے جا رہے ہیں اور دوسری طرف ہر انسان کے ساتھ ایک ایسا نظام پیوست کر رکھا ہے جو اس کی حرکات و سکنات کو ضابطہ تحریر میں لا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ o وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا o اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا o

(بنی اسرائیل۔13 تا 14)

''اور ہم نے ہر انسان کا اعمال نامہ اس کے گلے میں لٹکا دیا ہے اور قیامت کے روز اسے کتاب کی صورت میں نکال دکھائیں گے جسے وہ کھلا ہوا دیکھے گا۔ کہا جائے گا کہ اپنی کتاب پڑھ لے۔ آج تو آپ ہی اپنا محاسب کافی ہے''۔

یہ اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ اس نے انسانوں کی ہدایت کیلئے ہر قوم میں اپنے رسول بھیجے جنہوں نے اپنی اپنی اُمتوں کو اللہ تعالیٰ اور آخرت کی زندگی پر ایمان لانے اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کرنے کی دعوت دی۔ اور انہیں تمام اوامر یعنی خیر کے اعمال کی تفصیل بتا دی جن کو اپنانے سے انسان اللہ کی محبت کی راہ میں آگے بڑھتا چلا جاتا اور آخر کار اس کی رضا حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس نواہی و منکرات یعنی شر کے اعمال سے بھی آگاہ کر دیا جن

میں مبتلا ہونے والا مادی دنیا کی محبت میں گرفتار ہو کر نفس کا بندہ یا غلام بن جاتا ہے اور اللہ سے دور ہوتا چلا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسولوں نے انسانوں کو اپنی مثالی زندگیوں کا اتباع کرنے والوں کو فلاح دارین کی ضمانت دی اور نافرمانی کرنے والوں کیلئے اللہ تعالیٰ نے جو سزائیں اور جہنم کی آگ تیار کر رکھی ہے اس سے ڈرایا تا کہ وہ ہوا و ہوس اور مادی لذات کی جستجو کو ترک کر کے تقویٰ والی زندگی اپنا لیں اور دنیا و آخرت میں سرخرو ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ پر جو اپنی آخری کتاب نازل فرمائی اس میں جزا و سزا کا فطری قانون بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ اب جو انسان اللہ تعالیٰ کے دین کے مطابق پاک صاف زندگی بسر کرے گا وہ اس کی رضا اور جنت کا حقدار ٹھہرے گا اور جو نافرمانی کی روش اپنا کر من مرضی اور آزادروی کی زندگی گذارے گا وہ یہاں بھی ذلت سے دوچار ہوگا اور مرنے کے بعد اس کا ٹھکانہ جہنم میں ہوگا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے۔

وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا۝ (الفتح۔17)

''اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کے فرمان پر چلے گا اللہ اس کو بہشتوں میں داخل کریگا جس کے تلے نہریں بہہ رہی ہیں اور جو روگردانی کریگا اسے بڑے دُکھ کی سزا دیگا''۔

اگرچہ انسان کی علمی اور روحانی ترقی میں اس کا نفس بڑا اہم کردار ادا کرتا ہے لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ نفس فطری طور پر سفلی خواہشات اور مادی لذات کی طرف لپکتا ہے۔ مگر جو انسان ایمان کی نعمت سے سرفراز ہو کر اپنی خواہشات کو شریعت کی حدود کے اندر رکھنے کیلئے اپنے نفس سے مسلسل جہاد کرنے میں لگا رہے تو پھر یہی نفس امارہ ترقی کر کے نفس لوامہ اور آخر کار نفس مطمئنہ بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نفس کے رجحان اور ایمان و تقویٰ کا اجر بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَلْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ۝قُلْ اُؤُ نَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ۔ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ o (آل عمران 14 تا 15)

''عورتوں، بیٹوں، سونے چاندی کے ڈھیروں، عمدہ گھوڑوں، مویشیوں اور کھیتیوں کی خواہشات کی محبت لوگوں کیلئے مرغوب اور خوشنما بنائی گئی ہے۔ یہ سب تو دنیا کی زندگی کے سامان ہیں اور اللہ کے پاس بہت اچھا ٹھکانہ ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہیں ایسی چیز بتادوں جو ان چیزوں سے کہیں اچھی ہو ان لوگوں کیلئے جو پرہیز گار ہیں اللہ کے ہاں باغات بہشت ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور پاکیزہ عورتیں ہیں اور سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اور اللہ بندوں کو دیکھ رہا ہے''۔

پہلی آیت میں جہاں اللہ تعالیٰ نے دنیوی زندگی کی شان وشوکت کے چھ اہم ترین لوازم اور ان کے ساتھ عام انسانوں کی فطری محبت کا ذکر کیا ہے وہاں ساتھ ہی فرمادیا ہے کہ یہ سب کچھ تو ہم نے تمہیں مادی زندگی کے استعمال کیلئے دے رکھا ہے۔ ہمارے ہاں متقین کیلئے ایسی ایسی نعمتیں ہیں جن کا انسان گمان بھی نہیں کرسکتا۔ ایسی ہی نعمتوں کی ایک مختصر جھلک دکھا بھی دی ہے۔ گویا یہ سمجھایا جارہا ہے کہ مادی زندگی کی گھٹیا اور عارضی لذات کو سب کچھ سمجھ کر انہی میں گم ہو کر نہ رہ جانا۔ اصل زندگی تو آخرت کی ہے اور وہاں کی نعمتیں اعلیٰ اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہیں۔ ان سے اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی جنتوں میں داخل ہونے والے صالحین کے اوصاف بتائے گئے ہیں تاکہ اہل ایمان انہیں اپنا کر کامیاب ہو جائیں۔ بلکہ قرآن میں تو اہل ایمان کی مکمل جانفروشی کا نقشہ اس طرح کھینچا گیا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کے اموال اور جانیں جنت کے بدلے میں خرید لی ہیں''۔ (التوبۃ۔ 111)

مکافاتِ عمل

حضور نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہدایات کے مطابق دنیا میں اللہ تعالیٰ کی حکمرانی قائم کردی۔ آپ کے تربیت یافتہ اصحابہ کرام اس حقیقت سے پوری طرح آگاہ تھے کہ دین ایمان وعمل کا ہی نام ہے اس لئے وہ مجسم خلوص اور سراپا عمل تھے۔ انہیں یقین کامل تھا کہ دنیا میں اقوام عالم کی قیادت وسیادت اور آخرت میں انعام واکرام اور اللہ تعالیٰ کی

رضا کا عطا کیا جانا عمل پر ہی منحصر ہے۔اُنہوں نے اللہ تعالٰی کے دین کو پوجا پاٹ کی رسوم کیلئے نہیں بلکہ مکمل ائین حیات کےطور پر اپنایا اور پوری طرح اللہ تعالٰی اور اس کے رسول ﷺ کی محبت اور اطاعت میں داخل ہو گئے۔ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی اللہ تعالٰی کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی اور ان کا جینا اور مرنا صرف اللہ تعالٰی کے لئے تھا۔یہی وجہ ہے کہ ہر گام پر انہیں اللہ تعالٰی کی تائیدونصرت ملتی رہی اور صرف آدھی صدی کے عرصہ میں اُنہوں نے تقریباً آدھی دنیا کو زیر نگیں کر لیا۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

حیات آخرت کے بارے میں بھی اُنہیں یقین کامل تھا کہ اللہ تعالٰی ہمارے تمام اعمال کو دیکھ رہا ہے اور اس کے فرشتے ہمارا ہر قول وفعل لکھ رہے ہیں جن کا بدلہ ہمیں ضرور دیا جائے گا۔جیسا کہ اللہ تعالٰی نے خود ارشاد فرمایا ہے:۔

(ترجمہ) ''اور کافر کہتے ہیں کہ قیامت کی گھڑی ہم پر نہیں آئے گی۔آپ کہہ دیں کہ وہ کیوں نہیں آئے گی۔میرے رب کی قسم وہ تم پر ضرور آ کر رہے گی۔اللہ غیب کا جاننے والا ہے۔ذرہ بھر چیز بھی اس سے پوشیدہ نہیں نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں۔اور کوئی چیز ذرے سے چھوٹی یا بڑی ایسی نہیں مگر کتاب روشن میں لکھی ہوئی ہے۔اس لئے کہ جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کرتے رہے ان کو بدلا دے۔یہی ہیں جن کیلئے بخشش اور عزت کی روزی ہے اور جنہوں نے ہماری آیتوں میں کوشش کی کہ ہمیں ہرا دیں گے ان کیلئے سخت درد دینے والے عذاب کی سزا ہے''۔ (سبا۔3تا4)

صحابہؓ نے قرآن کریم اور اسوہ رسول ﷺ کو سینوں سے لگائے رکھا اور کبھی عمل میں سستی نہیں دکھائی۔وہ جتنے زیادہ اللہ تعالٰی کے نزدیک تھے اتنے ہی زیادہ اپنے اعمال اور قیامت کی باز پرس کیلئے فکرمند رہتے تھے۔اُنہوں نے جنت کے حصول کیلئے مختصر اور آسان راہوں کے عقیدے نہیں تراشے بلکہ اللہ تعالٰی کے فرمان **لَیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی** کو راہنما بنائے رکھا اور جدوجہد سے بھرپور زندگیاں گذاریں اور دنیا ہی میں اللہ تعالٰی کی طرف سے انہیں اپنی رضا اور

جنت کی بشارتیں مل گئیں۔ان کے مقابلے میں ایک ہم ہیں کہ کردار وعمل کی بجائے بے عمل اور سراپا گفتار بن جانے کی وجہ سے ذلت سے دو چار لیکن دنیا و آخرت میں معجزات کے انتظار میں پڑے ہیں۔ہم نے قرآن کریم کی اس تعلیم کو کہ ہر انسان کو اس کی محنت کا پھل اور اعمال کا بدلا ضرور دیا جائے گا پس پشت ڈال رکھا ہے۔اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے چند فرمودات کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

''اللہ کے پاس تم سب کو لوٹ کر جانا ہے۔اللہ کا وعدہ سچا ہے۔وہی خلقت کو پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر وہی اس کو دوبارہ پیدا کریگا تاکہ ایمان والوں اور نیک کام کرنے والوں کو انصاف کے ساتھ بدلا دے۔اور جو کافر ہیں ان کیلئے پینے کو نہایت گرم پانی اور درد دینے والا عذاب ہوگا کیونکہ وہ انکار کرتے تھے''۔(یونس۔4)

''قیامت کے دن ہر متنفس اپنی طرف سے جھگڑا کرنے آئے گا اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلا دیا جائے گا اور کسی پر ظلم نہ کیا جائے گا''۔ (نحل۔111)

''جو شخص اپنے رب کے پاس مجرم ہو کر آئے گا تو اس کیلئے جہنم ہے۔جس میں نہ مرے گا نہ جئے گا اور جو اس کے رُوبرو ایماندار ہو کر آئے گا اور عمل بھی نیک کئے ہوں گے تو ایسے لوگوں کیلئے اونچے اونچے درجے ہیں''۔ (طٰہٰ۔74۔75)

''بھلا جو مومن ہو وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو نافرمان ہو؟ نہیں وہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کیلئے باغ ہیں۔یہ مہمانی ان کاموں کی جزا ہے جو وہ کرتے تھے۔اور جنہوں نے نافرمانی کی ان کے رہنے کیلئے دوزخ ہے۔جب چاہیں گے کہ اس میں سے نکل جائیں تو اس میں لوٹا دئے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ جس آگ کے عذاب کو تم جھوٹ سمجھتے تھے اس کے مزے چکھو''۔(السجدۃ 18 تا 20)

''جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کرتے رہے ان کو اللہ بہشتوں میں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں داخل فرمائے گا اور جو کافر ہیں وہ اندھا دھند فائدے اُٹھاتے ہیں اور اس طرح کھاتے ہیں جیسے حیوان کھاتے ہیں اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے''۔ (محمد۔12)

''جس شخص نے کفر کیا اس کے کفر کا ضرر اسی کو ہے اور جس نے نیک عمل کئے تو ایسے لوگ اپنے

ہی لئے آرامگاہ درست کرتے ہیں۔تا کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کو اللہ اپنے فضل سے بدلا دے۔بے شک وہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا''۔(الروم۔44 تا 45)

اِن آیات مبارکہ سے یہ بات پوری طرح کھل کر سامنے آ گئی ہے کہ آخرت کی زندگی میں ایمان اور صالح اعمال کے صلے میں جنت کے باغات اور نافرمانی کے بدلے میں دردناک عذاب دیا جائے گا۔ہر انسان جس طرح کے اعمال کی فصل یہاں بوئے گا اسی طرح کی فصل وہاں کاٹے گا۔

از مکافات عمل غافل مشو
گندم از گندم بروید جو از جو

دُنیا آخرت کی کھیتی

زراعت انسان کا اولین پیشہ ہے۔ہم مٹی میں جو بھی بیج بوتے ہیں اس کا پودا اُگ آتا ہے اور مقررہ وقت کے بعد اس پر پھول پھل لگتے ہیں اور ہمیں بیج کی جنس سینکڑوں گنا ہو کر مل جاتی ہے۔یہ ایک حیرت انگیز اور ایمان افروز معجزہ ہے لیکن ہمیں یہ عجیب اس لئے نہیں لگتا کہ ہم بچپن سے ہر روز اسے وقوع پذیر ہوتا ہوا دیکھتے اور اس کے عادی ہو چکے ہیں۔حالانکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت اور قدرت کی نشانیاں موجود ہیں اور اللہ تعالیٰ سورۃ الواقعہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

اَفَرَءَ یْتُمْ مَا تَحْرُثُوْنَ o ءَ اَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ o ''جو کچھ تم بوتے ہو بھلا اس پر غور کیا ہے تو کیا تم اسے اُگاتے ہو یا ہم اُگاتے ہیں''۔بے شک بیج کے ایک دانہ کو پھل تک پہنچانے والا سارا نظام اللہ تعالیٰ ہی کا پیدا کردہ ہے۔

اس کے حکم ہی سے مٹی کے اندر پوشیدہ عناصر،پانی کے حیات افروز جواہر،شمس و قمر کی زندگی بخش شعائیں یہ بادل یہ ہوائیں مسخر اور پابند ہیں کہ زمین سے وہی کچھ اُگائیں جس کا بیج بویا جائے۔نباتات کے اس نظام میں کئی فصلیں چند مہینوں میں تیار ہو جاتی ہیں اور کئی درخت چند برس بعد پھل دیتے ہیں۔یہ اعمال و نتائج کا چھوٹا سا دائرہ ہے جس کا مشاہدہ ہم اپنی آنکھوں سے کرتے ہیں۔اِسی طرح بہت بڑے پیمانے پر ایک کائناتی نظام بھی کارفرما ہے تا کہ انسان حیات ارضی کے دوران دنیا کی کھیتی میں جس نوعیت کے اعمال کا بیج بوئے اس کا پھل حیات آخرت میں

اسے تیار ملے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰی كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ o (الجاثیہ۔22)

''اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حکمت سے پیدا کیا ہے تا کہ ہر شخص اپنے اعمال کا بدلا پائے اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا''۔

معلوم ہوا کہ کائنات کا نظام اس خاص مقصد کیلئے پیدا کیا گیا ہے کہ ہر ہر انسان کے اعمال کو محفوظ کر کے اللہ کی حکمت کے تحت ان پر جو سزا یا جزا ملنی ہے اسے تکمیل تک پہنچا دے۔انسان اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کا ذکر، بنی نوع انسان کی خدمت اور دیگر صالح اعمال سرانجام دیں گے وہ آخرت میں خوشنما اور حسین باغات ومحلات، نغمے بکھیرتے ہوئے چشموں، دودھ اور شہد کی نہروں اور دلکش حوروں کی صورت میں ظاہر ہونگے۔ اِسی طرح انسانوں کو ستانے اور ان پر ظلم وستم ڈھانے والے مکروہ اعمال وہاں کانٹے دار جھاڑیاں، گرم پانی کے چشموں، زہریلے سانپوں اور انگاروں کا روپ دھار کر گنہگاروں کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گے۔جس نوعیت کا عمل دنیا میں کیا ہو گا آخرت میں اسی نوعیت اور اسکی مناسبت سے جزا و سزا ملے گی۔قرآن کریم کی بیان کی گئی حقیقت ملاحظہ فرمائیں:۔

''اس روز کسی شخص پر کچھ بھی ظلم نہیں کیا جائے گا اور تم کو بدلا ویسا ہی ملے گا جیسے تم کام کرتے تھے''۔(یٰسین۔54)

''جو برے کام کرے گا اس کو بدلا بھی ویسا ہی ملے گا اور جو نیک کام کریگا مرد ہو یا عورت اور وہ صاحب ایمان بھی ہو تو ایسے لوگ بہشت میں داخل ہوں گے۔وہاں ان کو بے شمار رزق ملے گا''۔(المومن۔40)

''اور لوگوں نے جیسے کام کئے ہوں گے ان کے مطابق سب کے درجے ہوں گے۔غرض یہ ہے کہ سب کو ان کے اعمال کا پورا بدلا دے اور کسی پر ظلم نہ کیا جائے''۔ (الاحقاف۔19)

''کافرو! آج بہانے مت بناؤ۔جو عمل تم کیا کرتے تھے انہی کا تم کو بدلا دیا جائے گا''۔ (التحریم۔7)

''اور جولوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے ان کو اس دن کے عذاب الیم کی خبر سنا دیں۔ جس دن وہ مال دوزخ کی آگ میں خوب گرم کیا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیاں، پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی اور کہا جائے گا کہ یہ وہی ہے جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا۔ سو جو تم جمع کرتے تھے اب اس کا مزہ چکھو''۔ (التوبہ 34۔35)

ان آیات میں صاف صاف بیان کر دیا گیا ہے کہ ہر گناہ کا بدلا اس کی مثل ہی دیا جائے گا اور اعمال کے مطابق ہی درجات ملیں گے۔ حضور نبی کریم ﷺ کی احادیث میں بھی اس امر کی تشریح موجود ہے۔ ایک مرتبہ آپؐ نے فرمایا کہ جو کوئی رشوت میں پیش کئے گئے ہدیوں میں سے کچھ لے گا وہ اسے قیامت کے دن اپنی گردن پر لاد کر اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچے گا۔ اگر وہ اونٹ ہے تو اسکے منہ سے ویسی ہی آواز نکلے گی۔ اگر گائے ہے تو اسی قسم کی آواز ہوگی اور اگر بکری یا بھیڑ ہے تو اسی طرح منمنائے گی۔ حضور ﷺ کے معراج شریف کے واقعات میں مذکور ہے کہ جب آپ کی ملاقات اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی تو اُنھوں نے از راہ شفقت ارشاد فرمایا کہ اپنی امت کو میرا سلام کہنا اور یہ پیغام دینا کہ جنت کی مٹی بڑی زرخیز اور پانی بہت وافر ہے وہ اس میں اللہ کے ذکر سے درختوں کے باغ لگائیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی مومن سبحان اللہ، الحمد للہ یا اللہ اکبر کہتا ہے تو اس کی جنت کے باغ میں ایک درخت لگا دیا جاتا ہے جس کے رنگ و بو کی کیفیت ذکر کے الفاظ سے مشابہت رکھتی ہے۔ سبحان اللہ! کتنا عظیم اور حیرت انگیز نظام کارفرما ہے تاکہ ہر انسان کو اس کے اقوال و افعال کا پورا پورا بدلا دیا جائے۔ حضور نبی کریم ﷺ کی فصاحت و بلاغت پر قربان جایئے کہ اعمال و جزا کے انتہائی پیچیدہ نظام کو صرف ایک جملہ میں بیان فرما دیا۔

''اَلدُّنیَا مَزْرَعَةُ الْاٰخِرَةِ۔ (یعنی دُنیا آخرت کی کھیتی ہے)

گذشتہ اُمتوں کا کردار

اللہ تعالیٰ کے تمام رسولوں نے اس کی بندگی اور اس کے دین کی پابندی کی طرف دعوت دی۔ جن اُمتوں نے اللہ تعالیٰ کے ان منتخب بندوں کی دعوت کو نہ صرف ٹھکرا دیا بلکہ انہیں طرح طرح کی اذیتیں بھی دیں۔ ان متکبرین کا اللہ ذوالجلال نے نام و

نشان مٹا دیا۔ان کے گھناؤنے کرداروں کی مناسبت کے لحاظ سے ہر اُمت کیلئے مختلف نوعیت کی سزا نافذ کی گئی۔

قرآن کریم میں اس کی تفصیل یوں آئی ہے۔

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْبِهٖ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَo (العنکبوت۔40)

''پس ہم نے سب کو ان کے گناہ کے مطابق پکڑ لیا۔ان میں کچھ تو ایسے تھے جن پر ہم نے پتھروں کا مینہ برسایا اور کچھ ایسے تھے جن کو چنگھاڑ نے آ پکڑا اور کچھ ایسے تھے جن کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا۔اور کچھ ایسے تھے جن کو غرق کر دیا اور اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہی اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے''۔

اللہ تعالیٰ کے دین کا یہ بنیادی اصول ہے کہ آخرت میں مغفرت کا انحصار ایمان اور صالح اعمال پر ہے۔یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کی شان بیان کرنے کیلئے **اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ** کی بار بار تکرار کی گئی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ صرف زبان سے ایمان کا اقرار کرنے اور اوامر و نواہی کی پابندی سے دستبردار ہو جانے والے کبھی فلاح نہ پائیں گے۔اس کج فہمی میں مبتلا ہو جانے والوں کو اللہ تعالیٰ نے تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْا اَنْ يَّقُوْلُوْا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَo (العنکبوت۔2)

''کیا لوگ یہ خیال کئے ہوئے ہیں کہ صرف یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے چھوڑ دئے جائیں گے اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی''۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَo **يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّا اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ**o (البقرۃ۔8تا9)

''اور بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں حالانکہ

وہ ایمان نہیں رکھتے ۔ یہ اللہ کواور مومنوں کو چکما دیتے ہیں مگر حقیقت میں اپنے سوا کسی کو چکما نہیں دیتے اوراس سے بے خبر ہیں''۔

اس کے علاوہ اللہ تعالٰی نے اپنی خصوصی رحمت فرماتے ہوئے امت مسلمہ کوان قوموں کے حالات سے بھی آگاہ فرمادیا جواللہ تعالٰی کی کتابوں میں تحریف اور آیات کی من مانی تاویل کرنے اور دین حق کے خلاف عقائد گھڑنے کی وجہ سے گمراہ ہوگئیں تا کہ ہم ان کی روش اور برے انجام سے بچ جائیں۔اس ضمن میں یہودیوں اور عیسائیوں کا ذکر خاص طور پر کیا گیا ہے کیونکہ انہوں نے اللہ تعالٰی کی خوشنودی اور مغفرت کا دارومدار ایمان وعمل اور حسن کردار کی بجائے کسی خاص نسل سے تعلق رکھنے یا اپنے اپنے نبی کی نبوت کا زبانی اقرار کر لینے کو سمجھ لیا۔آیئے ذرا کلام الٰہی میں ان قوموں کے اقوال وعقائد اور اللہ کے فیصلے ملاحظہ کریں اوراس تلخ حقیقت پر بھی غور کریں کہ کہیں ہم بھی ان ''**مَغْضُوبِيْن** اور **ضَآلِّين**'' کی راہ پر تو نہیں چل نکلے:

''وہ کہتے ہیں کہ دوزخ کی آگ ہمیں چند روز کے سوا چھو ہی نہیں سکے گی۔آپ ان سے پوچھئے کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد لے رکھا ہے کہ اللہ اپنے عہد کے خلاف نہیں کرے گا۔نہیں بلکہ تم اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہتے ہو جن کا تمہیں مطلق علم نہیں۔ہاں جو برے کام کرے اوراس کے گناہ اس کو گھیر لیں تو ایسے لوگ دوزخ میں جانے والے ہیں اور وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے اور جو لوگ ایمان لائیں اور نیک کام کریں وہ جنت کے مالک ہوں گے اور ہمیشہ اس میں رہیں گے''۔ (البقرۃ۔80 تا 82)

''وہ کہتے ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے سوا کوئی جنت میں نہ جائے گا۔یہ ان کے باطل خیالات ہیں۔آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر سچے ہو تو اپنی دلیل پیش کرو۔ہاں جو شخص اللہ کے آگے گردن جھکا دے اور وہ نیکوکار بھی ہو تو اس کا صلہ اس کے رب کے پاس ضرور ہے اور ایسے لوگوں کو نہ کسی طرح کا خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے اور یہود کہتے ہیں کہ عیسائی راہ پر نہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہودی راہ پر نہیں حالانکہ وہ اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں۔اسی طرح بالکل انہی کی سی بات وہ لوگ کہتے ہیں جو علم سے عاری ہیں تو جس بات میں یہ لوگ اختلاف کررہے ہیں اللہ قیامت کے دن اس کا ان میں فیصلہ کردے گا''۔(البقرہ 111 تا 113)

''یہ اس بات کے قائل ہیں کہ دوزخ کی آگ ہمیں چند روز کے سوا چھو ہی نہیں سکے گی اور جو کچھ یہ دین کے بارے میں بہتان باندھ رہے ہیں اس نے انکو دھوکے میں ڈال رکھا ہے تو اُس وقت کیا حال ہوگا جب ہم ان کو جمع کریں گے اس روز جس کے آنے میں کوئی شک نہیں اور ہر نفس اپنے اپنے اعمال کا پورا بدلہ پائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا''۔(ال عمران 24 تا 25)

''اے اہل یمان نجات نہ تو تمہاری آرزوؤں پر ہے اور نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر۔ جو شخص برے عمل کرے گا اسے اسی طرح کا بدلہ دیا جائے گا اور وہ اللہ کے سوا نہ کسی کو حمایتی پائے گا اور نہ مددگار اور جو نیک عمل کرے گا مرد ہو یا عورت اور وہ صاحب ایمان بھی ہو تو ایسے لوگ بہشت میں داخل ہوں گے اور ان کی تل برابر بھی حق تلفی نہ کی جائے گی''۔(النساء۔123 تا 124)

''جو لوگ مسلمان ہیں یا یہودی یا عیسائی یا صائبین ان میں جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھے گا اور عمل نیک کرے گا تو ایسے لوگوں کو صلہ ان کے رب کے ہاں ملے گا اور ان کو نہ کسی طرح کا خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہونگے''۔(البقرۃ۔62)

اُوپر دی گئی آیات میں جہاں اللہ تعالٰی نے اعمال کو پس پشت ڈال کر بے بنیاد مفروضوں کے سہارے حصول جنت کی آسان راہیں تراشنے والوں کا ذکر کیا ہے وہاں ہر آیت میں اپنا قانون جزا ءوسزا بھی واضح فرما دیا ہے تا کہ کسی بھی انسان کو کوئی غلط فہمی نہ رہے۔

ہمیں بھی اپنے انداز فکر اور طرز عمل کا جائزہ قرآن کریم کی روشنی میں لینا چاہیے تا کہ من گھڑت عقائد، بے عملی اور سُست روی کو ترک کر کے اللہ تعالٰی کے احکام پر حضور نبی کریم ﷺ کی سنت مبارکہ کے مطابق عمل پیرا ہو جائیں اور دنیا و آخرت میں عزت و کامرانی حاصل کر سکیں۔

غَفُوْرُ رَّحِيْمُ اور شَدِيْدُ الْعِقَابِ

انسان کی زندگی کا مقصود تو اللہ تعالٰی کی

محبت کے صراط مستقیم پر چلتے ہوئے اس کی رضا کا حصول ہے۔اس کے لیے اللہ تعالٰی کے نازل کردہ آئین حیات کے مطابق زندگی بسر کرنا ہر انسان کی ناگزیر ضرورت ہے تا کہ وہ اپنے عقائد درست کر کے تمام اعمال کو اپنے رب کے احکام اور حضور خیر الانام ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے سانچے میں ڈھال سکے۔اللہ تعالٰی نے انسان کو ان اعمال پر چلنے کا حکم دیا ہے جو اس کی روح کو قوت اور

بالیدگی عطا کرتے، قلب کو منور اور روشن کرتے، دنیا کی محبت کم کرتے اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے میں مدد دیتے ہیں اور اسے صرف ان کاموں سے بچنے کی تاکید کی ہے جو روح کو ضعیف وسقیم بناتے، دل کو زنگ آلود اور سیاہ کرتے، دنیا کی ہوا و ہوس بڑھاتے اور اللہ تعالیٰ سے غفلت اور دوری کا سبب بنتے ہیں۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت اور محبت کی بنا پر بتا دیا حالانکہ وہ ہماری عبادت اور بغاوت ہر دو سے بے نیاز ہے۔ جو لوگ صدق دل سے اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کی نافرمانی کرنا تو درکنار اس کی رضا میں کاہلی اور سستی کو بھی روا نہیں رکھتے۔ وہ تو اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے اور کام کاج کے دوران بھی اللہ تعالیٰ کی محبت میں ڈوبے ہوئے ہر سانس کے ساتھ اس کا ذکر کرتے اور حضور رحمۃ للعلمین ﷺ کی اتباع میں ایک دوسرے سے سبقت لیجانے کی کوشش میں سراپا عمل بنے رہتے ہیں۔ وہ ہر بھلائی کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور اسی پر بھروسہ کرتے، اس کی دی ہوئی ہر نعمت پر اس کا شکر ادا کرتے اور کبھی بھی حرف شکایت زبان پر نہیں لاتے ہیں۔ وہ ہر حال میں اپنے مالک سے خوش اور راضی برضا رہتے اور اس کے عطا کردہ نور سے دوسروں کو بھی راہ حق پر چلانے کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔

کار مرداں روشنی و گرمی است
کار دوناں حیلہ و بے شرمی است

مردان حق خود بھی صاحب نور وسرور و حضور ہوتے ہیں اور اپنے فیض اور قلبی توجہ سے دوسروں کے دلوں میں بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کی جوت جگا کر انہیں بھی اس راہ میں سرگرم عمل کر دیتے ہیں اور جو لوگ پست فطرت اور کم ہمت ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور بے عملی کے لئے بہانے تلاش کرتے، مادی لذتوں کی محبت میں پریشان رہتے اور ذلت و پشیمانی اٹھاتے ہیں۔

اس تناظر میں اگر ہم اپنے گریبانوں میں جھانکیں تو صورت حال یہ ہے کہ ہمارے بہت سے مسلمان بھائی غلط عقائد، بے عملی اور غفلت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی مقرر کردہ حدود کو فراموش کر چکے ہیں۔ انہیں نہ تو اسلام کے بنیادی فرائض کی پابندی کا کبھی خیال آتا ہے

اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے منع کئے ہوئے کاموں کے ارتکاب سے کوئی خوف آتا ہے۔ان کی زندگی کے کسی بھی پہلو میں اسلامی شریعت کی جھلک دکھائی نہیں دیتی۔وہ اپنی بے دینی کی ڈگر پر دن رات چلے جارہے ہیں اور ہر نصیحت کو یہ کہہ کر نظر انداز کر دیتے ہیں کہ اللہ غفور رحیم ہے۔گویا کہ ہم جو جی چاہے کریں وہ ضرور ہم پر رحم فرما کر جنت میں داخل فرمادے گا۔حالانکہ یہ انداز فکر انکی جہالت، نادانی اور قرآن حکیم کی تعلیم سے بے خبری کی دلیل ہے۔انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ بے شک اللہ **غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ** ہے لیکن وہ **شَدِيْدُ الْعِقَاب** بھی ہے۔کیا وہ یہ نہیں دیکھتے کہ وہ رحیم کریم ہونے کے باوجود اپنی مخلوق کو بیماریوں، وباؤں، فاقوں اور دیگر عذابوں میں بھی مبتلا کرتا رہتا ہے۔قرآن مجید میں کتنی ہی قوموں کا ذکر ہمیں عبرت دلانے کے لئے کیا گیا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی نافرمانیوں کے سبب نیست و نابود کر دیا۔

اس بات میں تو کوئی شک و شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ وہ اپنی مخلوق سے ستر ماؤں سے بھی زیادہ محبت کرتا ہے اور اس نے دائمی طور پر اپنی ذات کے لئے رحمت لکھ رکھی ہے۔لیکن اس کی رحمت اور مہربانی کو قرآن و سنت کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے نہ کہ اپنی خواہشات کے مطابق ان کی تاویل کر کے بے عمل اور نافرمان بن جائیں۔قرآن مجید میں ہمیں اس حقیقت سے بھی آگاہ کیا گیا ہے کہ اللہ کی سزا بھی بڑی سخت اور دردناک ہے۔ ان دونوں پہلوؤں کو ساتھ ساتھ اور بار بار دہرایا گیا ہے اس لئے یہ روش کسی طور بھی مناسب نہیں کہ ہم اپنے مطلب کی آدھی آیت کو تو وردِ زبان بنالیں اور دوسرے حصے سے چشم پوشی کر لیں۔ مندرجہ ذیل آیات قرآنی میں ملاحظہ فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کس انداز سے اپنی دونوں صفات بیان فرما رہے ہیں۔

نَبِّئْ عِبَادِيْ اَنِّيْ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ o وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ o (الحجر۔49تا50)

"آپ میرے بندوں کو بتا دیں کہ بے شک میں بخشنے والا مہربان ہوں اور یہ بھی کہ بے شک میرا عذاب دردناک عذاب ہے"۔

اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ o (الاعراف۔167)

"بے شک تیرا رب جلد عذاب کرنے والا ہے اور وہ بخشنے والا مہربان ہے"

وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِo (الرعد۔6)

''بے شک تیرا رب لوگوں کے ظلم پر ان کو معاف کرنے والا ہے اور بے شک تیرا رب سخت عذاب دینے والا ہے''۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌo

(المائدۃ۔98)

''جان لو کہ بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے اور بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے''۔

برادران کرام یہ ہے قرآن کریم کی تعلیم جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دی ہے تا کہ اس کی صفات کو پہچانیں اور مغفرت کی پہلو کے ساتھ ساتھ اس کے سخت عذاب کو بھی پیش نظر رکھیں اور نفس کے دھوکے میں آ کر نافرمانی اور سرکشی کی روش اختیار نہ کریں۔

اب اللہ تعالیٰ نے اپنے غفور و رحیم ہونے کی جو تشریح قرآن کریم میں فرمائی ہے اس پر ایک نظر ڈالنے سے پہلے یہ سوچئے کہ کیا اس دنیا میں ہمارے اپنے بنائے ہوئے قوانین میں نیک و بد، وفادار و غدار اور امن پسند و قانون شکن انسان کے درمیان تمیز روا نہیں رکھی جاتی۔ یقیناً رکھی جاتی ہے اور رکھی جانی چاہئے کیونکہ یہ عدل کا تقاضہ ہے۔ تو پھر ہم اللہ احکم الحاکمین کے بارے میں کیونکر یہ گمان رکھتے ہیں کہ وہ اپنی راہ میں مال و جان نثار کرنے والے مومنین، نیکیوں کیلئے محنت کرنے والے صالحین، دنیا کی محبت سے بچنے والے متقین اور زمین پر فساد کرنے والے کفار اور نافرمان سرکشوں کے ساتھ ایک ہی جیسا سلوک کریگا۔ اس طرح کی غیر منصفانہ سوچ رکھنے والوں کی طرف اللہ تعالیٰ ایک سوال لوٹاتے اور پوچھتے ہیں۔

اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَo مَالَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَo

''کیا ہم حکم ماننے والوں اور گنہگاروں کو برابر کر دیں گے؟ تمہیں کیا ہو گیا ہے، کیسے یہ بات ٹھہراتے ہو''۔ (القلم 35 تا 36)

دین اسلام میں سب سے پہلی چیز ایمان محکم اور عقائد کی درستی اور آخری چیز ہے اخلاق کامل۔ اگر بنیادی عقائد ہی درست نہ ہوں تو اخلاق و کردار کیوں کر تعمیر ہو سکتے ہیں۔ اس کیلئے ضروری ہے کہ قرآن کریم کی طرف رجوع کریں تا کہ خواہشات نفس کی پیروی اور گناہوں پر

جسارت کرنے کی بجائے اپنا تزکیہ کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کر سکیں۔اب دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے غفور و رحیم ہونے کی جو وضاحت فرمائی ہے وہ ہماری سوچوں سے کتنی مختلف ہے۔

وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ o (الانعام۔54)

"جب آپ کے پاس ایسے لوگ آیا کریں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو آپ ان سے کہا کریں کہ تم پر سلام ہو۔تمہارے رب نے اپنی ذات پاک پر رحمت کو لازم کر لیا ہے۔کہ جو کوئی تم میں سے نادانی سے کوئی بری حرکت کر بیٹھے پھر اس کے بعد توبہ کر لے اور نیکوکار ہو جائے تو بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے"۔

وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى o (طٰہٰ۔82)

"بے شک میں غفار ہوں اس کیلئے جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور عمل نیک کرے پھر سیدھے رستے چلے"۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا o (النساء۔110)

"اور جو شخص کوئی برا کام کر بیٹھے یا اپنے حق میں ظلم کر لے پھر اللہ سے بخشش مانگے تو اللہ کو بخشنے والا اور مہربان پائے گا"۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ o (النحل۔119)

"پھر جن لوگوں نے نادانی سے برا کام کیا پھر اس کے بعد توبہ کی اور نیکوکار ہو گئے تو بیشک تمہارا رب اس کے بعد ان کو بخشنے والا اور ان پر رحمت کرنے والا ہے"۔

محولہ بالا آیات مبارکہ سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم زبان سے تو غفور و رحیم کا ورد کرتے رہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی روش پر بدستور چلتے رہیں۔بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ہماری ان لغزشوں اور کوتاہیوں کو جو ہم سے نادانی، جہالت اور بھول چوک کی وجہ سے سرزد ہو جائیں اور پھر ہم اپنی گزشتہ حرکتوں پر نادم ہو کر معافی مانگیں اور اللہ کی طرف رجوع ہو کر اپنی اصلاح کر لیں تو اللہ اپنی

رحمت کی وسعت کے صدقے معاف فرمادیتا ہے۔

اب ہم توبہ کی حقیقت اور اس کے مدارج کے بارے میں کچھ بیان کریں گے۔

استغفار، توبہ اور اصلاح احوال

اللہ تعالیٰ نے انسان کے ساتھ نفس لگا دیا ہے جس کی ان گنت خواہشات کے پیچھے بھاگتا ہوا انسان اگر اپنے خالق و مالک ہی کو بھول جائے تو وہ اس عالم رنگ و بو میں کھو کر رہ جاتا ہے۔ اسے یہ بھول ہی جاتا ہے کہ میں کون ہوں، کہاں سے آیا ہوں، مجھے کہاں جانا ہے اور اس کی زندگی کا مقصد کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دوسری مخلوقات سے برتر اور منفرد اپنی محبت کا جوہر عطا فرمایا تو اس کی پرکھ اور آزمائش کیلئے شیطان اس کے مقابل آ کھڑا ہوا۔ اس نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اولاد آدم کے خلاف اپنا منشور بیان کرتے ہوئے کہا کہ "میں بھی تیرے صراط مستقیم پر ان کیلئے بیٹھوں گا اور انسان کے آگے سے پیچھے سے دائیں سے بائیں سے آؤں گا اور تو ان میں اکثر کو شکر گذار نہیں پائے گا"۔ (الاعراف۔16 تا 17)

شیطان کے حملوں سے بچنے کیلئے اس سال کے دعوت نامے پر درج آیت مبارکہ کو اپنے دل میں بٹھالیں جس میں ذکر کے ساتھ ہی شکر کی تاکید کی گئی ہے۔

فَاذْكُرُونِىٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْلِىْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ o (البقرۃ۔152)

"یعنی تم مجھے یاد رکھو میں تمہیں یاد رکھوں گا اور میری ان گنت نعمتوں پر شکر اور احسان شناسی کرتے رہنا اور کبھی ناشکری نہ کرنا"۔

کیونکہ شکر ایمان کی اور ناشکری اور احسان فراموشی کفر کی راہ اور شیطان کی اتباع ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے اسی ضمن میں ایک مختصر سی دعا ہر نماز کے بعد پڑھنے کی تلقین فرمائی۔ **اَللّٰهُمَّ اَعِنِّى عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ** "یا اللہ اپنے ذکر، اپنے شکر اور حسن بندگی کیلئے میری مدد فرما"۔ اللہ تعالیٰ کے شکر کی بات تو برسبیل تذکرہ بیچ میں آ گئی۔ ہم یہ بیان کر رہے تھے کہ اس خارزار حیات میں نفس اور شیطان کی وجہ سے ہر ہر قدم پر انسان کو راہ حق سے ہٹانے کے سامان موجود ہیں۔ جن کی وجہ سے اس سے کوتاہیاں اور لغزشیں سرزد ہوتی اور بار بار ہوتی ہیں۔ حضور رحمۃ اللعالمین ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ تمام بنی آدم خطا کار ہیں لیکن بہتر

خطا کار وہ ہے جو اپنے گناہوں سے توبہ کر لیتا ہے۔(مشکوٰۃ شریف) توبہ کی فضیلت میں یہ بھی آپ کا فرمان عالیشان ہے کہ ''اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ سے اس بدوی کی نسبت زیادہ خوش ہوتے ہیں جسے خطرناک جنگل میں نیند آ جائے اور جب جاگے تو اپنے اونٹ کو جس پر اس کا زادراہ اور سرمایہ لدا ہوا تھا موجود نہ پائے۔ وہ گھبرا کر اس کی تلاش شروع کر دے اور ڈھونڈتے ڈھونڈتے یہ حال ہو جائے کہ بھوک پیاس کے سبب موت کا خطرہ لاحق ہو جائے۔ وہ مایوس اور مرنے کیلئے تیار ہو کر اپنی جگہ پر واپس آ جائے اور سو جائے۔ اچانک اس کی آنکھ کھلے تو اس کا اونٹ بمع سامان کے موجود ہو''۔

سبحان اللہ! کیسے دلکش انداز میں انسان کیلئے اللہ تعالیٰ کی بیکراں محبت کا اظہار اس حدیث شریف میں کیا گیا ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت ہے کہ اس نے توبہ کا دروازہ کفار، منافقین اور گنہگار مسلمین کیلئے کھلا رکھا ہے وہ جب چاہیں اپنی سرکشی اور غفلت کو چھوڑ کر اس کی مغفرت اور رحمت کے دامن میں پناہ لے سکتے ہیں۔

توبہ کی اصل اپنے گذشتہ اعمال پر ندامت و شرمندگی کا اظہار اور آئندہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں زندگی گذارنے کے عزم کا نام ہے۔ جو انسان گنہگاری کی روش چھوڑنے کا ارادہ نہیں رکھتا اور منہ سے توبہ توبہ کی تکرار کرتا ہے وہ گویا اللہ کے حضور توبہ کا مذاق اڑاتا ہے۔ آپ اگر غور فرمائیں تو معلوم ہوگا کہ توبہ سے متعلقہ سب آیات میں استغفار توبہ اور اصلاح کی ترتیب قائم رکھی گئی ہے۔ اِس سے ثابت ہوا کہ سب سے مقدم اِستغفار یعنی گذشتہ گناہوں کی معافی طلب کرنا ہے۔ اس کے بعد توبہ ہے یعنی سرکشی کی روش ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی حدود کے مطابق تقویٰ اختیار کرنے کا مصمم ارادہ۔ جب زندگی کا رُخ بدلے گا، ارادے نیک ہو جائیں گے تو اعمال و احوال میں بھی یقینی تبدیلی آئے گی۔ انسان کے اندر اس طرح کی انقلابی تبدیلی اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب اس کے دل میں اپنی اصل اور مقصودِ حیات کی حقیقت روشن ہو جائے اور خلاف شریعت زندگی گذارنے کے روحانی نقصانات اور اپنی منزل سے دور ہو جانے کا احساس پیدا ہو جائے۔ توبہ کی مثال یوں سمجھیں کہ آپ کسی دعوت میں بہت ہی خوش رنگ اور لذیذ کھانا خوب مزے لے لے کر کھا رہے ہوں اور اچانک صاحب خانہ گھبرائے ہوئے نمودار ہوں اور یہ

اعلان کردیں کہ خانساماں کی غلطی سے اس کھانے میں نہایت ہی مہلک زہر شامل ہوگیا ہے۔ یہ سن کرآپ کا ردِعمل کیا ہوگا۔ آپ فوراً کھانے سے اپنے ہاتھ روک لیں گے اور جو کھا چکے ہیں اس پر پچھتائیں گے اور اس کے مضر اثرات زائل کرنے کیلئے کسی اچھے طبیب کی طرف دوڑیں گے اور دوبارہ اس کھانے کا ایک لقمہ لینے سے بھی دور بھاگیں گے۔ یہی حال سچی توبہ کرنے والے کا ہوتا ہے۔

اہل ایمان کیلئے یہ بات کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے کہ جانتے بوجھتے ہوئے بھی اللہ کے احکام کو نظر انداز کرتے رہیں اور نفس کے غلام بن کر رہ جائیں یا شیطان کے اس فریب میں آ جائیں کہ ابھی تو بہت عمر پڑی ہے اور توبہ کا دروازہ تو ہر وقت کھلا ہے اس لئے جوانی میں کسی نہ کسی طرح دنیا کا مال اکٹھا کرلیں چاہے وہ رشوت، چوری اور سمگلنگ کے ذریعے ہی سے کیوں نہ ہو۔ پھر آخری عمر میں حج پر چلے جائیں گے اور توبہ کرکے سارے گناہ معاف کرالیں گے۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ "ایک بندہ دور دراز سفر کی صعوبتیں برداشت کرنے کے بعد پریشان بالوں اور غبارآلود کپڑوں کے ساتھ بیت اللہ کے سامنے ہاتھوں کو بلند کئے یا رب یا رب پکارتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس کی پکار نہیں سنتا۔ کیونکہ اس کا لباس حرام کا ہے، اس کی غذا حرام کی ہے اور اس کے جسم کی پرورش حرام سے ہوئی ہے"۔ شیطان کے اس طرح کی مکروفریب سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ غیر یقینی زندگی کے بھروسہ پر توبہ کو التوا میں ڈالے رکھنا اور حرام کی کمائی سے حج مقبول کی اُمید رکھنا نفس کا دھوکہ نہیں تو اور کیا ہے۔ اس طرزِعمل سے رسوائی اور ذلت کے سوا کچھ نہ ملے گا۔ توبہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے۔ (ترجمہ)

"بے شک جو لوگ ایمان لانے کے بعد کافر ہوگئے اور پھر کفر کی روش میں بڑھتے چلے گئے ایسوں کی توبہ ہرگز قبول نہیں ہوگی اور یہ لوگ گمراہ ہیں۔ جو لوگ کافر ہوگئے اور کفر ہی کی حالت میں مرگئے وہ اگر بدلے میں زمین بھر کر سونا دیں تو ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ ان لوگوں کیلئے دُکھ دینے والا عذاب ہوگا اور ان کی کوئی مدد نہیں کرے گا"۔ (ال عمران 90 تا 91)

"اللہ انہی لوگوں کی توبہ قبول فرماتا ہے جو نادانی سے بری حرکت کر بیٹھتے ہیں۔ پھر جلد توبہ کر لیتے ہیں۔ پس ایسے لوگوں پر اللہ مہربانی فرماتا ہے اور وہ سب کچھ جانتا اور حکمت والا ہے اور ایسے

لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو ساری عمر برے کام کرتے رہے یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت آموجود ہو تو اس وقت کہنے لگے کہ میں اب توبہ کرتا ہوں۔اور نہ ان کی توبہ قبول ہوتی ہے جو کفر کی حالت میں مریں۔ایسے لوگوں کیلئے ہم نے عذاب الیم تیار کر رکھا ہے،،۔

(النساء۔17 تا 18)

''اور وہ لوگ کہ جب کوئی کھلا گناہ یا اپنے حق میں کوئی اور برائی کر بیٹھتے ہیں تو اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں۔اور اللہ کے سوا گناہ بخش بھی کون سکتا ہے اور وہ جان بوجھ کر اپنے اعمال پر اڑے نہیں رہتے''۔(ال عمران۔135)

اب کچھ بیان توبہ کی اقسام اور مدارج کا ہوگا۔کچھ انسان تو اللہ تعالیٰ کے صراط مستقیم پر آتے ہی نہیں مثلاً کفار و مشرکین۔کچھ اہل ایمان اللہ کی عطا کی ہوئی صلاحیتوں کے مطابق اللہ کی راہ میں کوشش کرنے کی بجائے غفلت اور سستی کے مرتکب ہوتے ہیں۔اس لئے ہر طبقے کی توبہ کے مدارج ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔کفار کی توبہ یہ ہے کہ کفر کے اندھیروں سے نکل کر روشنی میں آجائیں۔ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا٥ (الفرقان۔70)

''مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کئے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا۔اور اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے''۔

اس کے بعد منافقین ہیں جو بظاہر ایمان لے آتے ہیں لیکن سچے دل سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت قبول نہیں کرتے۔وہ نمازیں بے دلی کے ساتھ صرف لوگوں کو دکھانے کیلئے ادا کرتے اور اللہ کا ذکر بھی بہت کم کرتے ہیں۔ (النساء۔142)

اس قسم کے دھوکے انجان انسانوں کو تو دیئے جا سکتے ہیں۔لیکن اللہ تعالیٰ جو سینوں کے بھید جاننے والا ہے اس کے ہاں تو خالص دین ہی قبولیت پاتا ہے۔چنانچہ منافقین کی توبہ کے بارے میں ارشاد ہوا:۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ

نَصِيْرًاo اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا o(النساء۔145 تا146)

''کچھ شک نہیں کہ منافق لوگ دوزخ کے سب سے نیچے درجے میں ہونگے اور آپ ان کا کسی کو مددگار نہ پاؤ گے۔ ہاں جنہوں نے توبہ کی اور اپنی حالت کو درست کیا اور اللہ کو مضبوط پکڑا اور اپنے دین کو اللہ کیلئے خالص کر لیا تو ایسے لوگ مومنین کے زمرے میں ہونگے اور اللہ عنقریب مومنوں کو بڑا اجر عطا فرمائے گا''۔

اب اہل ایمان کی توبہ کا ذکر ہے کہ جب ان سے نادانی یا بھول کی وجہ سے کوئی خطا یا گناہ ہو جائے تو وہ فوراً توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لیتے ہیں۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوْا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْامِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَالَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ o (النحل۔119)

''پھر جن لوگوں نے نادانی سے کوئی برا کام کیا پھر اس کے بعد توبہ کی اور نیکوکار ہو گئے تو تمہارا رب اس حال کے بعد انکو بخشنے والا اور ان پر رحمت کرنے والا ہے''۔

اُوپر بیان کئے گئے گروہوں کی توبہ سے کافی مختلف اونچے درجے کے ایمان والوں کی توبہ کے مدراج ہیں۔ ان اللہ والوں کی توبہ کبر وریاء اور ہوا وہوس جیسی قلبی بیماریوں کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں غفلت اور سستی سے بھی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اپنے درجہ کمال یا مقام محمود سے پہلے کسی مقام پر رک جانے سے بھی توبہ کرتے رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے قرب و دیدار اور اس کی رضا کے طالبوں کی توبہ گناہوں کی بجائے ان کوتاہیوں سے ہوتی ہے جو اس کے قرب کے حصول میں سرزد ہو جاتی ہیں اور جن کا ذکر قرآن کریم میں یوں آیا ہے:

اَلَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُ وْنَoوَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَo(الماعون۔6تا7)

''جو ریا کاری کرتے ہیں اور برتنے کی چیزیں عاریتہً نہیں دیتے''

وَلَاتَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِo(ص۔26)

''اور خواہش کی پیروی نہ کرنا وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی''۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَo (الجمعۃ۔10)

''اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے رہو تا کہ نجات پاؤ''۔

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًاo (فرقان۔64)

''اور جو اپنے رب کے آگے سجدے اور قیام کرتے راتیں بسر کرتے ہیں''۔

وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُo (فاطر۔32)

''اور ان میں سے کچھ اللہ کے حکم سے نیکیوں میں دوسروں سے آگے نکل جانے والے ہیں اور یہ بہت بڑا فضل ہے''۔

ان سب سے بلند اور ہمارے گمان وقیاس سے ماوراء اللہ کے رسول کے استغفا اور توبہ کا معاملہ ہے اور عام انسانوں سے اس کی کوئی مماثلت نہیں ہوتی ۔اس لئے ادب کا تقاضہ یہی ہے کہ اس میدان میں عقل کے گھوڑے دوڑانے سے باز رہا جائے۔

قوم کی اجتماعی توبہ

قرآن کریم ہمیں اس حقیقت سے بھی آگاہ کرتا ہے کہ ایمان لانے والی امتیں بھی آہستہ آہستہ راہ راست سے ہٹ جاتی ہیں۔چنانچہ اہل کتاب کے حالات میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح انہوں نے اپنے رسولوں کی تعلیم کے خلاف عقائد گھڑ لئے اور گمراہ ہو گئے ۔انہوں نے آسمانی کتابوں میں تحریف کر کے اپنی بداعمالیوں کے لئے مقدس جواز پیدا کئے اور زوال سے دوچار ہوئے ۔پھر نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ وہ ذلت کی دلدل سے نکلنے کی جدوجہد سے بھی دستبردار ہو گئے ۔اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو انتباہ کرتے ہوئے سورۃ حشر کے آخری رکوع میں فرمایا:''اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو اللہ کو بھول گئے جس کے نتیجے میں اللہ نے ان کو اپنا آپ بھلا دیا۔یہی لوگ فاسقین یعنی نافرمان ہیں''۔اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے امت کو راہ راست پر رکھنے کے لئے فرمایا:

اَلدُّنْيَا خُلِقَتْ لَكُمْ وَاَنْتُمْ خُلِقْتُمْ لِلْاٰخِرَةِ ''دنیا تمہارے لئے پیدا کی گئی

ہے اور تمہیں آخرت کے لئے پیدا کیا گیا ہے"۔لیکن جب ہم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرنے اور آخرت کی زندگی کو ترجیح دینے کی بجائے دنیا ہی کو اپنا مطلوب ومحبوب بنالیا تو پھر ہمیں موت سے خوف آنے لگا۔اس طرح نبی کریم ﷺ کی پیشگوئی ہم پر صادق آ گئی کہ "ایک وقت ایسا آئے۔کہ کافر تم پرحملہ آور ہونے کے لئے ایک دوسرے کو ایسے بلائیں گے جیسے کھانے کی دعوت پر بلاتے ہیں۔صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا اس وقت ہماری تعداد اتنی کم ہو جائے گی؟حضور ﷺ نے فرمایا کہ نہیں۔تعداد میں تم آج سے کہیں زیادہ ہو گے۔صحابہؓ نے دریافت کیا کہ پھر کفار کیونکر ایسی جرات کریں گے؟حضور ﷺ نے فرمایا "اس لئے کہ تم میں "وہن" پیدا ہو جائے گا اس کی تشریح یوں فرمائی کہ دنیا سے محبت اور موت کا ڈر۔آج آپ نے افغانستان کے بحران کے دوران کفار کے بے خوف حملوں اور سوا ارب افراد پر مشتمل مسلم اُمہ پر طاری موت کی دہشت کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کرلیا ہے۔اِسی سلسلے میں حضرت علامہ اقبالؒ کا ایک شعر بھی سنتے جایئے۔

مسلمانے کہ مرگ از وے بلرزو
جہاں گردیدم و اورا ندیدم

"ایسا مسلمان جسے دیکھ کر موت لرز اُٹھے میں نے دُنیا چھان ماری لیکن وہ نظر نہ آیا"۔

اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف زندگی گذارتے ہوئے بھی ہم اس کی نصرت کے منتظر رہتے ہیں جسے اس نے کردار کے ساتھ مشروط کر رکھا ہے۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ میرے آخری رسول ﷺ کے بعد میرے دین کو دوسری اقوام تک پہنچانے،انسانیت کی اصلاح و فلاح اور زمین پر عدل و مساوات قائم کرنے کا فریضہ اُمت مسلمہ کے سپرد کیا گیا ہے۔اللہ نے اعلان فرمایا کہ:"اے اہل ایمان اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا"۔(محمد۔7)

اسی طرح سورہ المائدہ کی آیت 12 میں آیا ہے کہ:"اور اللہ نے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے رہو گے اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ گے اور ان کی مدد کرو گے اور (اپنی دولت مساکین پر خرچ کر کے) اللہ کو قرض حسنہ دیتے رہو گے"۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حوصلہ دیتے ہوئے یہ وعدہ بھی فرمایا کہ:"بے دل نہ ہونا اور نہ ہی کبھی غم

کرنا۔غالب تم ہی رہو گے اگر تم سچے مومن ہو"۔(ال عمران۔139) یہ سب وعدے سچے اللہ کے ہیں جو کبھی اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔اس لئے ہمیں اپنے کردار کا جائزہ لینا چاہئے کہ ہم من حیث القوم اپنے مقصود حیات سے منحرف ہو کر خیر الامت کے مطلوبہ معیار سے یقیناً گر چکے ہیں۔ہمیں اپنے آباء سے کوئی نسبت نہیں رہی صرف پدرم سلطان بود کا نشہ ہم پر طاری ہے۔ہم بے علمی اور بے عملی کی چھتری تان کر مست سوئے دنیا پر حکمرانی کے خواب دیکھ رہے ہیں اور عالم کفر ہماری حالت پر قہقہے لگا رہا ہے۔نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اسرائیل کے وزیر اعظم نے اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے علی الاعلان کہا کہ"ہم بنی اسرائیل اب بھی اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ قوم ہیں۔اس نے ہمیں ہر نعمت دے رکھی ہے۔ہمیں اب مسلمانوں سے کوئی خطرہ نہیں کیونکہ وہ تو فرقوں میں بٹ کر آپس ہی میں لڑ رہے ہیں۔ان کا علم سے ناطہ ٹوٹ چکا ہے اور وہ عیاشی کی علامت بن چکے ہیں۔ان میں نہ تو عمرؓ جیسی کوئی شخصیت موجود ہے اور نہ ہی صلاح الدین ایوبی جیسا جذبہ باقی ہے۔اس لئے اب وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔اب ہم ہر ملک میں یہودی بستیاں بسائیں گے"۔کتنے شرم کا مقام ہے۔اللہ کرے دشمن کے اس تبصرے ہی سے ہمارے دلوں پر چوٹ پڑے اور ہماری دینی حمیت اور ملی غیرت جاگ اُٹھے۔آمین۔

برادران کرام! ہم اہل پاکستان کیلئے تو اپنے کردار کا محاسبہ کرنا اور بھی زیادہ ضروری ہے کیونکہ ہم نے تو یہ ملک اس دعوی کے ساتھ حاصل کیا تھا کہ ہم اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمرانی اور قرآن کا آئین نافذ کریں گے۔اگر ہم ایسا ہی کرتے تو اللہ ضرور ہمیں اپنی تائید ونصرت سے نوازتا کیونکہ اس نے وعدہ فرما رکھا ہے۔

"اللہ یقینی طور پر ان کی مدد فرمائے گا جو (اقامت دین کیلئے) اس کی مدد کریں گے۔بے شک اللہ زور آور اور زبردست ہے۔وہ مومن ایسے ہیں کہ اگر ہم انکو ملک میں قدرت اور حکومت دیں تو وہ اقامت صلوٰۃ کا فریضہ ادا کرتے ہیں اور زکوٰۃ کا نظام نافذ کرتے ہیں۔وہ نیکی کو رواج دیتے اور برائی کو روکتے ہیں اور تمام امور کا انجام تو اللہ ہی کے اختیار میں ہے"۔(الحج۔40 تا 41)

اس کے برعکس جس مسلمان قوم کو اپنی سرزمین پر قوت نافذہ حاصل ہو لیکن وہ اپنے معاملات اللہ تعالیٰ کے دین کے مطابق چلانے کی بجائے کسی غیر اسلامی نظام کے تحت کر دیں تو ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ سماعت فرمائیں۔

''اور جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں''۔ (المائدہ۔44)

''اور جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں''۔ (المائدہ۔45)

''اور جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں''۔ (المائدہ۔47)

ہماری اسی طرح کی گھناؤنی کرتوتوں اور واضح احکام کی کھلی خلاف ورزیوں کے باوصف اللہ تعالیٰ کی رحمت ہمیں بار بار جھنجوڑتی ہے تا کہ کسی طرح ہم اللہ کی طرف لوٹ آئیں ۔اللہ تعالیٰ کا دین حق اور سراسر رحمت ہے اور انسانی عقل کے تراشے ہوئے سارے نظام باطل ہیں ۔جب حق کی بجائے باطل کا غلبہ ہو گا تو زندگی کے ہر شعبے میں فساد کی آگ بھڑک اُٹھے گی اور ظلم کی شدت کے سبب ہر سو بے چینی پھیل جائے گی ۔قرآن کریم کی سورۃ الروم کی آیت 41 میں ارشاد ہوا ہے:۔

''یہ جو خشکی اور سمندر میں فساد پھیل رہا ہے یہ انسانوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے ۔تا کہ ہم ان کے کچھ اعمال کے نتائج کا مزا انہیں چکھا دیں ۔شاید کہ وہ اس طرح ہی (اللہ کے آئین کی طرف) پلٹ آئیں''۔

قرآن کریم کی ایک اور آیت دیکھئے جو ہمارے حسب حال بھی ہے اور توبہ کی طرف دعوت بھی ہے۔

''کیا یہ دیکھتے نہیں کہ یہ ہر سال ایک یا دو بار کسی نہ کسی بلا میں پھنسا دئے جاتے ہیں لیکن پھر بھی توبہ نہیں کرتے''۔ (التوبہ۔126)

یہ ہماری بدقسمتی ہو گی اگر ہم خشک سالی، زلزوں، سیلابوں، فصلوں میں کمی، گاڑیوں اور آتش زدگی کے حادثات وغیر ھم کو عبرت کا تازیانہ سمجھنے کی بجائے موسمی حالات اور مظاہر فطرت کی طرف منسوب کر دیں اور اللہ کے سامنے سرنگوں نہ ہوں ۔یہ بات یاد رکھیں کہ کائنات کی ہر شے اللہ تعالیٰ کی مطیع اور اسی کی مرضی کے مطابق کام کرتی ہے اور وہی مخالف و موافق اسباب کا پیدا کرنے والا ہے ۔اللہ تعالیٰ نے استغفار اور توبہ کرنے والی قوموں کو دنیوی خوشحالی، نعمتوں کی فراوانی اور مادی

قوت عطا کرنے کا جو وعدہ فرما رکھا ہے اسے بھی ملاحظہ فرمالیں اور قومی ترقی کے منصوبوں کا جزو اعظم بنالیں۔

''نوح علیہ السلام نے کہا اپنے رب سے معافی مانگو کہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے وہ تم پر آسمان سے لگاتار مینہ برسائے گا اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہیں باغات عطا کرے گا اور تمہارے لئے نہریں بہا دے گا''۔ (نوح۔10 تا 12)

''اے قوم اپنے رب سے معافی مانگو اور اس کے آگے توبہ کرو۔ وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار مینہ برسائے گا اور تمہاری طاقت پر طاقت بڑھاتا رہے گا اور تم گنہگار بن کر روگردانی نہ کرو''۔ (ھود۔52)

قرآن کریم کی اس قدر روشن اور واضح ہدایات جان لینے کے بعد اب فیصلہ ہمارے ہاتھوں میں ہے کہ گذشتہ طرز عمل سے چمٹ کر مزید ذلت اُٹھائیں یا اپنی غلطیوں کی معافی مانگ کر اللہ کی طرف رجوع کرلیں اور اس کے آئین کو نافذ کرکے اس ملک خداداد کو ایک مثالی اسلامی فلاحی مملکت بنا کر اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کے حقدار بن جائیں اور دنیا و آخرت میں عزت پائیں۔

قرآن کریم کے مطالعہ کے دوران راقم السطور جب بھی مندرجہ ذیل آیت پڑھتا ہے تو ایسے محسوس کرتا ہے کہ اس میں بیان کردہ حقائق پاکستان پر ٹھیک ٹھیک منطبق ہوتے ہیں۔ آپ بھی پڑھیئے:۔

''اور اللہ ایک بستی کی شان بیان فرماتا ہے کہ ہر طرح امن و چین سے بستی تھی۔ ہر طرف سے رزق بافراغت چلا آتا تھا مگر ان لوگوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے ان کے اعمال کے سبب انکو بھوک اور خوف کا لباس پہنا کر احسان فراموشی کا مزہ چکھایا'' (النحل۔112)

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

برادران کرام! اگر سننے والے کان، دیکھنے والی آنکھیں اور سمجھنے والے دل ہوں تو عبرت حاصل کرنے کیلئے سارے سامان موجود ہیں۔

جو معاملات پوری ملت اسلامیہ اور ملکی معاشرے کو متاثر کرنے والے ہوتے ہیں ان کی درستی کیلئے حکومتی منصوبہ بندی اور طاقت درکار ہوتی ہے۔ ایک اسلامی حکومت کی ذمہ داری رعایا کے

مال و جان اور عزت و آبرو کی حفاظت تک محدود نہیں ہوتی بلکہ شریعت پر عمل کو بحال بنانا اور ان کے ایمان کی حفاظت کرنا بھی ہوتی ہے۔ اِس کیلئے پوری قوم کو اپنا قبلہ درست کرنا ہوگا۔ گذشتہ سرکشی اور نافرمانی کی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنی ہوگی اور آئندہ اس کے آئین حیات کو زندگی کے ہر شعبہ پر نافذ کرنے کا عہد کرنا ہوگا۔ اگر ہم ایسا کر لیں اور اللہ کرے کہ جلد کر لیں تو پاکستان اللہ کی رحمت سے جنت نشان اور اقوام عالم کا پاسبان بن جائے گا۔ ہمیں قومی اور اجتماعی سطح پر استغفار اور توبہ کی دعوت قرآن کریم دے رہا ہے۔

وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَيْهِ اِنَّ رَبِّىْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ٥ (هود۔90)

''اور تم سب اپنے رب سے بخشش مانگو اور اس کے آگے توبہ کرو۔ بے شک میرا رب رحم کرنے والا اور محبت کرنے والا ہے''۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ٥
(التحریم۔8)

''اے ایمان والو اللہ کے آگے صاف دل سے توبہ کرو۔ امید ہے کہ وہ تمہارے گناہوں کے اثرات تم سے دور کر دیگا۔ اور تم کو باغہائے بہشت میں جن کے تلے نہریں بہ رہی ہیں داخل کریگا''

وَتُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ٥
(النور۔31)

''اے ایمان والو تم سب اجتماعی طور پر اللہ کے آگے توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ''۔

اُوپر سورۃ النور کی آیت 31 کا صرف آخری حصہ درج کیا گیا ہے۔ یہ کافی طویل آیت ہے جس میں حفاظت ناموس زن اور پردے کے بارے میں تفصیلی ہدایات دی گئی ہیں جنہیں قرآن کریم میں دیکھا جا سکتا ہے۔ کیونکہ عورت کے پردہ کا معاملہ معاشرہ کی اصلاح و بگاڑ میں ہمیشہ ہی بنیادی کردار کا حامل رہا ہے اس لئے آیت کے آخر میں اُمت کو جدیدیت اور آزادروی سے اجتماعی طور پر توبہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ نام نہاد آزادی نسواں کی لائی ہوئی بربادی سے بچ جائے اور فلاح پا جائے۔

رحمت سے مایوس نہ ہونا

ہماری مکافات عمل کونظر انداز کردینے اور بے عملی کی روش
نے اللہ تعالٰی کے فرمان **لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ** کے معنی بھی اپنی مرضی کے مطابق نکال لئے ۔اِس آیت مبارکہ میں اللہ تعالٰی نے ہم گنہگار بندوں کو گناہوں کی دلدل اور مایوسی کے اندھیروں سے نکالنے کیلئے جواپنی رحمت کالازوال پیام دیا اس پر ہم اس عفووکریم اور غفورورحیم آقا کی جتنی بھی حمدوثنا کریں وہ کم ہے ۔اس کی رحمت بے پایاں ، بے کناراور ہمارے وہم وگمان سے کہیں زیادہ ہے ۔اس آیت مبارکہ کا صحیح مفہوم اس سے ملحقہ آیات میں واضح کردیا گیا ہے ۔ ان میں انسانوں کواللہ تعالٰی کی رضا حاصل کرنے کی راہ بتائی گئی ہے کہ غرورو تکبر چھوڑ کر اپنے رب کی طرف رجوع کرلو۔اس دنیا میں اللہ تعالٰی کا عذاب یا قیامت آنے سے پہلے ہی اطاعت شعاری کی راہ اختیار کرلوورنہ پھر نہ تو واپس لوٹنے کی مہلت ملے گی اور نہ ہی پچھتاوے سے کچھ حاصل ہوگا۔ہاں اب اگرتو بہ کر کے اسلام میں داخل ہو جاؤ تو گذشتہ زندگی کے گناہ کتنے ہی اور کیسے ہی کیوں نہ ہوں اللہ تعالٰی سب معاف فرمادیگا۔اللہ تعالٰی کی محبت ومودت ، رحمت ورافت اور عفووکرم کا انداز دیکھنے کیلئے آیئے قرآن مجید وفرقان حمید کی طرف رجوع کریں ۔

"اے میرے حبیب آپ میری طرف سے کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہونا ۔اللہ تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے ۔بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے ۔اوراس سے پہلے کہ تم پر عذاب آواقع ہو اپنے رب کی طرف رجوع کرلواوراس کے فرماں بردار ہو جاؤ ورنہ پھر تم کو مدد نہیں ملے گی ۔اوراس سے پہلے کہ تم پر نا گہاں عذاب آجائے اورتم کو خبر بھی نہ ہو ۔اس کتاب کی جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف اتاری گئی ہے پیاری پیاری تعلیم کی پیروی کرو ۔مبادا کوئی متنفس یوں کہنے لگے کہ اس تقصیر پر افسوس ہے جو میں نے اللہ کے حق میں کی اور میں تو ہنسی ہی کرتا رہا ۔یا یہ کہنے لگے کہ اگر اللہ مجھ کو ہدایت دیتا تو میں بھی پرہیز گار بن جاتا ۔یا جب عذاب دیکھ لے تو کہنے لگے کہ اگر مجھے پھر ایک دفعہ دنیا میں جانا ہو تو میں نیکوکار ہو جاؤں ۔اللہ تعالٰی فرمائے گا کیوں نہیں میری آیتیں تیرے پاس پہنچ گئی تھیں مگر تو نے انکو جھٹلایا اور تکبر کیا اور تو کافر بن گیا ۔اور جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹ بولا آپ قیامت کے دن دیکھیں گے کہ ان کے چہرے کالے ہو رہے ہوں گے ۔کیا تکبر کرنے

والوں کا ٹھکانا دوزخ میں نہیں ہے۔اور جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا ان کی کامیابی کے سبب اللہ ان کو نجات دیگا۔نہ تو انکو کوئی سختی پہنچے گی اور نہ وہ غمناک ہوں گے''۔

ان آیات سے اللہ تعالٰی کی رحمت کی جو صورت واضح ہوئی اس میں بے عملی کی تلقین ہرگز نہیں بلکہ گناہوں میں غرق بندوں کو اللہ کی طرف فوراً رجوع کر لینے کی دعوت ہے۔اللہ رحیم و کریم نے گناہوں کے بوجھ تلے پسے ہوئے اور زندگی سے مایوس بندوں کیلئے ''**اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا** '' کا ایسا دائمی چراغ روشن فرما دیا ہے جو اولادِ آدم کو مغفرت اور رحمت کی طرف بلاتا رہے گا۔اس کے ساتھ غرور تکبر کے باعث اللہ تعالٰی کے سامنے سر نہ جھکانے والوں کے عبرتناک انجام کا نقشہ بھی کھینچ دیا ہے۔

میرے پیارے بھائیو اور عزیز بیٹو! یہ دنیا بنی نوع انسان کیلئے آرام و آسائش کی جگہ نہیں بلکہ تربیت اور آزمائش کا مقام ہے۔انسان کی حقیقی فلاح اسی میں ہے کہ وہ اللہ تعالٰی کی بھیجی ہوئی ہدایت کے مطابق زندگی بسر کرے۔قرآن کریم میں جہاں نماز اور کثرت ذکر کیلئے بار بار تلقین کی گئی ہے وہاں زمین و آسمان کی تخلیق اور مظاہر فطرت میں تدبر و تفکر اور مشاہدہ و تحقیق کا حکم بھی دیا گیا ہے۔قرآنی فقر ذکر اور فکر کے مجموعے کا نام ہے اور اس پر عمل پیرا ہو کر ہی سائنسی ترقی اور اللہ تعالٰی کی معرفت دونوں میں کمال حاصل کیا جا سکتا ہے۔اگرچہ بالعموم اسلام کے بنیادی ارکان یعنی نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی پابندی ہی کو عبادت کہا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم میں جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے انہیں کرنا اور جن کاموں سے منع کیا گیا ہے ان سے رُکنا ہی عین اسلام اور عبادت کا درست مفہوم ہے۔میں اپنے ہادی و مرشد اور سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے بانی حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی تصنیف ''تعمیر ملت'' سے ایک اقتباس قارئین کی خدمت میں پیش کرنا مناسب خیال کرتا ہوں۔

''مسلمانو! یاد رکھو کہ تمہاری انفرادی اور قومی تباہی کی سب سے بڑی وجہ ہی یہ ہے کہ تم نے قرآن کے خلاف عقیدے گھڑ لئے ہیں اور ان پر قائم ہو کر قرآن اور اللہ کو پس پشت ڈال دیا ہے۔آج تم قرآن اور اللہ کی طرف لوٹ آؤ۔کل تم کو وہی عزت پھر حاصل ہو جائے گی جو قرون اولٰی میں تھی''۔

ملت ابراہیم علیہ السلام

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

خَيْرُ الْقُرُوْن

اے اہل ایمان آپ سب اور کرہ ارض پر پھیلی ہوئی اُمتِ مسلمہ کا ہر ہر فرد قابل صد مبارک ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایمان کی دولت سے سرفراز فرمایا۔ آپ کو اپنے حبیب اور آخری رسول حضرت محمد مصطفٰے علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اُمت ہونے کا شرف عطا فرمایا۔ آپ کو اپنی کتاب قرآن مجید فرقان حمید کا حامل بنایا جس میں قیامت تک آنے والے انسانوں کی فلاح و کامرانی کیلئے نور، رحمت او رہدایت کا کامل نظام اور بے مثل سامان موجود ہے۔

اِس وقت دنیا میں صرف اُمتِ مسلمہ ہی کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ گذشتہ تمام انبیاء اور اِن پر نازل کی جانے والی کتابوں پر ایمان رکھتی، اُن کا احترام کرتی اور اِنکی تعلیم کی علمبردار ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں قوموں کیلئے عزت اور ذلت کے راستوں کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا:۔

وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ o (المائدۃ۔12)

''اور اللہ نے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہو گے اور میرے پیغمبروں پر ایمان لاؤ گے اور اِن کی مدد کرو گے اور اللہ کو قرض حسنہ دو گے تو میں تم سے تمہارے گناہ دور کردوں گا اور تم کو بہشتوں میں داخل کرونگا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ پھر جس نے اِس کے بعد تم میں سے کفر کیا تو وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا''۔

آپ یقیناً اِس بات پر بھی فخر کر سکتے ہیں کہ آپ کے آباؤ اجداد یعنی قرونِ اُولیٰ کے مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کو اِس خلوص سے اپنایا کہ اِسکو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں اِس طرح کھو گئے کہ ہر طرف سے منہ موڑ کر اسی کے ہو گئے۔ انہوں نے

حضور رحمت اللعلمینﷺ کا اِتباع اِس وارفتگی کے ساتھ کیا کہ جنوں کی داستانیں رقم کر گئے۔ انہوں نے اللہ تعالٰی کی بندگی اور اس کے حبیبؐ کے اِتباع کا حق اِس طرح ادا کیا کہ خیرالامت کا ہر فرد صِبْغَةُ اللّٰه میں رنگا اور صاحبِ خُلقِ عظیمؐ کے اسوہ حسنہ میں ڈھلا ہوا لگتا تھا۔ اُنہوں نے اللہ تعالٰی کے دیئے ہوئے آئینِ حیات کو اِس کاملیت سے اپنایا کہ زندگی کے ہر شعبے میں اِس کی رحمتیں اور برکتیں چھا گئیں۔ اللہ تعالٰی کے رسولﷺ کے فیضانِ نظر سے اِنکے قلوب کا جوتز کیہ ہوا تو فکر کے انداز بدل گئے، عادات واطوار، رہن سہن اور رسوم و رواج بدل گئے۔ حلال وحرام کے اصول اور اخلاق کی قدریں بدل گئیں۔ خیر وشر کے معیار اور صلح و جنگ کے اسالیب بدل گئے۔ تہذیب وتمدن کے ہر ادارے کی کایا یوں پلٹی کہ زندگی کا حسن حد کمال کو چھونے لگا آپ کی دی ہوئی تعلیم اور انوارِ نبوت کے طفیل انسانوں کیلئے اللہ تعالٰی کے قرب اور اُسکی رضا کی منزلیں آسان ہو گئیں اور اُنکے جوہر اِس طرح کھلے کہ اللہ تعالٰی اِن سے راضی ہو گیا۔ گویا کہ اللہ تعالٰی جیسے چاہتا تھا وہ ویسے ہی بن گئے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے مقدس گروہ کو خیر الامت اور اُس مبارک دور کو خیرُ القرون کے لقب سے نوازا گیا۔ کیونکہ زمانہ مثالی اقدار واخلاق، امن و امان، خوشحالی اور فارغ البالی کا جو خواب صدیوں سے دیکھ رہا تھا اُس نے حقیقت کا رُوپ دھار لیا۔ زمین اللہ کے نور اور عدل وانصاف سے بھر گئی۔ حضور رؤف و رحیمﷺ کی تربیت گاہ میں تیار ہونے والے خوش نصیب اصحاب ستاروں کی مانند روشن اور بعد میں آنے والوں کیلئے نمونہ تھے۔ اللہ تعالٰی نے اپنی نصرت کیلئے جو شرائط مقرر کر رکھی ہیں، وہ ہر ایک پر پورے اُترے۔ قرآن کریم میں بیان کی گئیں چند شرائط کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

"اے ایمان والو اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمہاری مدد کرے گا اور تم کو ثابت قدم رکھے گا"۔ (محمد۔7)

"اور دیکھو بے دل نہ ہونا اور نہ ہی کسی طرح کا غم کرنا اگر تم مومن صادق ہو تو تم ہی غالب رہو گے"۔ (آل عمران۔139)

"جو اللہ کی مدد کرتا ہے تو اللہ اِس کی ضرور مدد کرتا ہے۔ بے شک اللہ توانا اور زبردست ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم اِن کو ملک میں دسترس دیں تو نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور نیک کاموں کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے"۔ (الحج41تا42)

قرونِ اُولیٰ کے مسلمان پورے خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے انصار بن کر اُٹھے اور دنیا کو فکری، سیاسی اور معاشی غلامی سے نجات دلا کر اللہ تعالیٰ کی حاکمیت قائم کرنے کے عظیم مشن میں بڑھتے چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت اُنکے شامل حال رہی، کامرانی نے اُن کے قدم چومے اور صرف نصف صدی کے قلیل عرصے میں وہ تقریباً آدھی دُنیا پر قابض ہو گئے۔ اُنہوں نے خیر الامت کے اعلیٰ نظریاتی اور عملی معیار کو برقرار رکھا اور اللہ تعالیٰ کے اِس انتباہ کو پیش نظر رکھا کہ اگر تم نے اُس کے دین سے رُوگردانی کی تو دنیا کی قیادت و سیادت کے منصب سے معزول کر دیئے جاؤ گے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ یُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ o (المائدۃ۔54)

''اے ایمان والو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا تو اللہ جلد ہی ایسی قوم کو آگے لائے گا جن سے وہ محبت کرتا ہو اور وہ اِس سے محبت کرتے ہوں۔ وہ مومنوں کے حق میں نرم دل اور کافروں پر زبردست ہوں۔ اللہ کی راہ میں جدوجہد کریں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہ کریں۔ یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے عطا کرے اور اللہ بڑی کشائش والا اور جاننے والا ہے''۔

یہ تھی اللہ سے محبت کرنے والی اللہ کی محبوب اُمت کے عقائد و اعمال کی ایک جھلک جس کیلئے سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا حضرت اسماعیلؑ نے اِس وقت دعا فرمائی تھی جب وہ دونوں بیت اللہ کی بنیادیں اُونچی کر رہے تھے۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّکَ o

(البقرہ۔128)

''اے ہمارے رب ہمیں اپنا فرماں بردار بنائے رکھیو اور ہماری اولاد میں سے بھی اپنے لئے اُمت مسلمہ بنانا۔'' یعنی جس طرح ہم دونوں تیرے اطاعت گزار ہیں وہ اُمت بھی ایسی ہی ہو۔ اسلام کے معنی ہیں تابع فرمان ہونا، گردن جھکا دینا اور محبت سے بھرپور والہانہ اطاعت کرنا۔ اس

لئے اِسلام میں داخل ہو جانے والے کو مُسلم کہا جاتا ہے۔اس دعا میں یہ التجا کی گئی ہے کہ ہمیں ''مُسْلِمَيْنِ لَكَ''یعنی اپنے سامنے سر جھکانے والا بنا اور جس مقدس گروہ کی تمنا کر رہے ہیں اسے بھی '' مُسْلِمَةً لَكَ ''اپنے سامنے گردن خم کرنے والی امت بنائیں۔اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اندازِ فکر اور طرزِ حیات کو''ملت ابراہیم'' کا نام دے کر اظہار قبولیت فرمایا اور اپنے آخری رسول اللہ علیہ وسلم کو اسی طریقہ پر چلنے کا حکم دیا۔

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْناً مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ وَّ اتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًاط وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًاo(النساء۔125)

''اور اس شخص سے کس کا دین اچھا ہو سکتا ہے جس نے اپنا چہرہ اللہ کے لئے جھکا دیا اور وہ نیک و کار بھی ہے اور ملت ابراہیم کا پیرو ہے جو یکسو تھے اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا دوست بنا لیا۔''

ثُمَّ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَo(النحل۔123)

''پھر ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی کہ ملت ابراہیم کی پیروی کرو جو ایک حنیف یعنی ایک طرف کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔''

قرآن کریم میں اکثر مقامات پر جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر آیا ہے وہاں اُن کی یہ دو خصوصیات بیان کی گئی ہیں کہ ایک تو وہ حنیف یعنی یکسو اور یک رُخ تھے وہ ہر طرف سے منہ موڑ کر صرف اللہ کے ہو کر رہ گئے تھے۔اور دوسری یہ بات بار بار فرمائی گئی کہ وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔حالانکہ کوئی بھی رسول مشرک نہیں ہو سکتا لیکن آپ کے لئے اس صفت کی تکرار سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی توحید کا مقام اتنا بلند ہے کہ اس میں شرک کا شائبہ تک نہ تھا اور اللہ نے آپ کو اپنا خلیل بنا کر خصوصی انفرادیت عطا فرمائی۔یہی اعلیٰ معیار امت مسلمہ کیلئے بھی منظور ہوا تا کہ وہ خیر الامت بن سکے۔

مِلّتِ ابراہیم کی اہمیت

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خالص توحید اور اللہ کی محبت کے رنگ میں رنگی ہوئی زندگی کو شرف قبولیت عطا فرما کر انہیں اپنا خلیل بنا لیا۔آپ کو امامُ الناس کے مرتبہ جلیلہ پر متمکن فرمایا اور آپ کے طریقہ یعنی ملت ابراہیم کی اتباع کے لئے

اپنے آخری رسول ﷺ کو مامور فرما دیا تا کہ قیامت تک آنے والے انسان اللہ تعالیٰ کے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسوہ حسنہ پر عمل پیرا ہو کر اس کی محبت، دوستی، رضا اور قرب کی منزل کو پا سکیں۔ اب ملاحظہ فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ حضور رسول الناس ﷺ کو اس آئین حیات کے پانچ بنیادی اصولوں کا اعلان کرنے کا حکم کس انداز سے دے رہے ہیں۔

"آپ فرما دیجئے کہ میرے رب نے مجھے صراط مستقیم دکھا دیا ہے وہ ایک دین مستحکم اور طریقہ ہے ابراہیم کا (ملت ابراہیم) جو اللہ کی طرف یکسو تھے اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے۔"

آپ فرما دیجئے کہ بالیقین میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب اللہ ہی کے لئے ہے جو سارے جہان کا مالک ہے۔

اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے اور میں سب ماننے والوں (مسلمین) میں سے پہلا ہوں۔

آپ فرما دیجئے کہ کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو رب بنانے کے لئے تلاش کروں حالانکہ وہ مالک ہے ہر چیز کا۔ اور جو شخص بھی کوئی عمل کرتا ہے وہ اُسی پر رہتا ہے اور کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔ پھر تم سب کو اپنے رب کے پاس جانا ہے پھر وہ تم کو جتلا دے گا جس جس چیز میں تم اختلاف کرتے تھے۔

اور وہ ایسا ہے جس نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا اور ایک دوسرے پر رتبہ بڑھایا تا کہ تمہیں آزمائے ان چیزوں میں جو تم کو دی ہیں۔ بے شک آپ کا رب جلد عذاب دینے والا اور بے شک وہ بڑی مغفرت کرنے والا مہربانی کرنے والا ہے"۔(انعام۔161 تا 165)

"بے شک ابراہیم امام اور یکسو ہو کر اللہ کے فرماں بردار تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔ وہ اسکی نعمتوں کے شکر گزار تھے۔ اللہ نے ان کو برگزیدہ کیا تھا اور اپنی سیدھی راہ پر چلایا تھا۔ اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی بھلائی عطا کی تھی اور وہ آخرت میں بھی صالحین میں ہونگے۔ پھر ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی کہ ملت ابراہیم کی پیروی اختیار کرو جو ایک طرف کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں نہ تھے۔"(النحل 120 تا 122)

اللہ تعالیٰ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ (ملت ابراہیم) اِسقدر پسند آیا کہ اِسے آخری اُمت کیلئے آئینِ حیات قرار دے دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنے خلیل کی زندگی کے ہر پہلو پر روشنی ڈالی ہے۔ جن کڑی آزمائشوں اور اِمتحانوں سے اپنے دوست کو گذارا اور اُنھوں نے **تَبَتَّلْ اِلَى اللّٰهِ** اور **تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ** کی جوقندیلیں روشن کیں اور جس اعلیٰ وارفع کردار کا مظاہرہ کیا اِسے ہمیشہ کیلئے محفوظ فرما دیا تا کہ جس اُمت مسلمہ کی آپ نے آرزو فرمائی تھی اِسے آپ کے نقوش پا ڈھونڈنے میں دقت پیش نہ آئے۔ یہ بات ہر وقت ہمارے ذہن میں رہنی چاہیے کہ آخرت میں کامیابی اور اللہ کے ہاں اعلیٰ مراتب حاصل کرنے کیلئے مسلسل جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے۔ صرف زبانی دعوؤں سے نہیں بلکہ کام کرنے ہی سے کام بنتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ہر جگہ ایمان کے ساتھ عمل پر زور دیا ہے اور یہ واضح فرما دیا ہے کہ جو کوئی بھی ایمان کا اقرار کر کے اللہ تعالیٰ کی دوستی اور محبت کا خواہاں ہو گا اِسے لازمی طور پر آزمائشوں سے گذرنا پڑے گا۔

"کیا لوگ یہ خیال کئے ہوئے ہیں کہ صرف یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے چھوڑ دیئے جائیں گے اور اُن کی آزمائش نہیں کی جائے گی۔ جو لوگ اِن سے پہلے ہو چکے ہیں ہم نے اُن کو بھی آزمایا تھا اور اِن کو بھی آزمائیں گے۔ سو اللہ اُن کو ضرور معلوم کرے گا جو اپنے ایمان میں سچے ہیں اور اُن کو جو جھوٹے ہیں"۔ (عنکبوت۔1 تا 2)

"اے پیغمبر جو لوگ کفر میں جانے کی جلدی کر رہے ہیں اُن لوگوں میں سے جو صرف منہ سے کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے لیکن اِن کے دل مومن نہیں ہیں اِن کی وجہ سے آپ غمناک نہ ہونا"۔ (مائدۃ۔41)

اللہ تعالیٰ اہل ایمان سے تقاضہ کرتے ہیں کہ وہ بھی میرے دوست ابراہیم علیہ السلام کے اخلاق واطوار کو اپنا لیں اور ہر طرف سے منہ موڑ کر، شرک کی ہر آلائش سے بچتے ہوئے یکسو ہو کر میرے تابع فرمان بن جائیں اور اِس کا عملی نمونہ حضور رحمۃ اللعالمین ﷺ کی حیاتِ طیبہ کو قرار دیتے ہوئے حکم فرمایا کہ جسے اللہ تعالیٰ کی محبت مطلوب ہے وہ میرے محبوب کا اِتباع کرے۔ ابراہیمی نسبت کے حامل نبی آخر زمانؐ اور آپ کی اُمت کو قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

”ابراہیم نہ تو یہودی تھے اور نہ عیسائی بلکہ سب سے بے تعلق ہو کر صرف اللہ کے ہو رہے تھے اور اسی کے تابع فرمان (مسلم) تھے اور مشرکوں میں نہ تھے۔ ابراہیم سے قرب رکھنے والے تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی کی اور یہ پیغمبر (آخر الزمانؐ) اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور اللہ مومنوں کا حمایتی اور دوست ہے“۔ (آل عمران۔67 تا 68)

”آپ کہہ دیجئے کہ اللہ نے سچ فرمایا پس ملت ابراہیم کی پیروی کرو جو سب سے بے تعلق ہو کر ایک اللہ کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں نہ تھے“۔ (آل عمران۔95)

آپ دیکھ رہے ہیں کہ اُوپر دی گئیں آیات میں اِس بات کو بار بار دہرایا گیا ہے کہ میرے خلیل علیہ السلام کی زندگی شرک سے قطعی پاک تھی اور وہ صرف میرے ہی ہو کر رہ گئے تھے۔ توحید پر بار بار زور دیا جا رہا ہے کیونکہ یہی دین کی بنیاد ہے اور اِس کے بل بوتے پر ہی مومن کردار کی بلندیوں تک پہنچتا ہے اور اِس کے برعکس شرک کو ظلم عظیم اور نا قابل معافی جرم قرار دیتے ہوئے مشرک پر جنت کو حرام کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مومنین کو حکم فرماتے ہیں کہ تم بھی یکسوئی اور یکجہتی والے بن کر اللہ کے ہو جاؤ ورنہ شرک والی زندگی تمہیں بلندیوں سے گرا کر تمہاری شخصیت کو بکھیر کر رکھ دے گی۔ جیسے میرے خلیل حنیف یعنی یکسو تھے تم بھی اِنکی پیروی میں **حُنَفَاء** بن جاؤ۔

حُنَفَاءَ لِلّٰهِ غَيْرُ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْتَهْوِىْ بِهِ الرِّيْحُ فِىْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ٥

(الحج۔31)

”کسی کو شریک نہ ٹھہراتے ہوئے صرف اللہ کے ہو جاؤ، اور جو شخص اللہ کے ساتھ شریک مقرر کرے گا تو وہ گویا ایسا ہے جیسے آسمان سے گر پڑے پھر اِس کو پرندے اُچک لے جائیں یا ہوا کسی دُور جگہ اُڑا کر پھینک دے“۔

تمام عقائد، عبادات، اَوراد و اذکار اور مجاہدات کا مقصود تزکیہ اخلاق اور کردار سازی ہے۔

توحید کے بارے میں علامہ اقبالؒ نے کیا خوب فرمایا:۔

زندہ قوت تھی جہاں میں یہی توحید کبھی
آج کیا ہے؟ فقط اِک مسئلہ علم کلام

روشن اِس ضو سے اگر ظلمت کردار نہ ہو
خود مسلمان سے پوشیدہ ہے مسلمان کا مقام

اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پشت سے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو پیدا فرما کر کامل اطاعت کرنے والی اُمت مسلمہ کو اُٹھایا اور اِسے اپنے باپ ابراہیم کی ملت پر چلنے کا حکم دیا۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ ملت ابراہیم کا بہترین نمونہ تھے اِس لئے حکم خداوندی کے مطابق آپ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی محبت مقصود ہے تو میرا اِتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دیگا۔ اب ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وہ اخلاق و اطوار بیان کریں گے جن کا ذکر قرآن کریم میں کیا گیا ہے۔

اُسوۂ اِبراہیم علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل کی جن عادات و صفات کا ذکر فرمایا اور آپ کی جو شان بیان فرمائی ہے ہم اِختصار کی خاطر اُن آیات قرآنی کا صرف ترجمہ لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ اِن پر غور فرمائیں، اِنہیں اپنائیں اور مقبول بارگاہ بنانے والی اِس تعلیم سے خود بھی فائدہ اُٹھائیں اور اسے آگے بڑھا کر خلق خدا کی خدمت کریں۔

جب وہ اپنے رب کے پاس "قلب سلیم" یعنی عیبوں سے پاک دل لے کر آئے۔
(صافات-84)

ہمارے بندوں ابراہیم اور اِسحاق اور یعقوب کو یاد کرو جو ہاتھوں والے اور آنکھوں والے تھے۔ (یعنی چشم بینا رکھتے تھے اور صاحب عمل تھے) (ص-45)

بے شک ابراہیم بڑے تحمل والے، نرم دل اور رجوع کرنے والے تھے۔ (ھود-121)

بے شک ابراہیم اُس کی نعمتوں کے شکر گزار تھے۔ اللہ نے انکو برگزیدہ کیا تھا اور صراط مستقیم پر چلایا تھا۔ (نحل-121)

جب اُن سے اُنکے رب نے فرمایا کہ اِسلام لے آؤ تو اُنھوں نے عرض کی کہ میں رب العالمین کے آگے سر اطاعت خم کرتا ہوں۔ (البقرہ-131)

آپ نے اپنے بیٹوں کو بھی اِسی بات کی وصیت کی کہ بیٹا اللہ نے تمہارے لئے یہی دین پسند

فرمایا ہےتو مرنا تو مسلمان ہی مرنا ۔ (البقرہ ۔132)
جب پروردگار نے چند باتوں میں ابراہیم کی آزمائش کی تو وہ اِن میں پورے اُترے ۔اللہ نے کہا میں تمھیں لوگوں کا امام بناؤں گا ۔اُنھوں نے اپنی اولاد کیلئے عرض کیا تو ارشاد ہوا کہ ہمارا اقرار ظالموں کیلئے نہیں ہوا کرتا ۔(سورہ بقرہ ۔124)
آپ نے فرمایا کہ میں نے سب سے یکسو ہر کر اپنا رُخ اُس ذات کی طرف کرلیا ہے جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں اور اُن کی قوم نے بحث کی تو فرمایا کہ تم مجھ سے اللہ کے بارے میں بحث کرتے ہو اُس نے تو مجھے سیدھا راستہ دکھا دیا ہے اور جن چیزوں کو تم اِس کا شریک بناتے ہو میں اُن سے نہیں ڈرتا ۔ہاں جو میرا رب چاہے ۔میرا رب اپنے علم سے ہر چیز پر احاطہ کئے ہوئے ہے کیا تمہیں سمجھ نہیں آتی ۔بھلا میں اِن چیزوں سے جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو کیونکر ڈروں جب کہ تم اللہ کا شریک بنانے سے نہیں ڈرتے ہو جس کی اِس نے کوئی سند نازل نہیں کی ۔اب دونوں فریقوں میں سے کونسا امن کا مستحق ہے اگر تم سمجھ رکھتے ہو ۔(الانعام ۔79۔81)
تمہارے لئے ابراہیم اور اُن کے رفقاء میں اُسوہ حسنہ یعنی عمدہ عمل کی مثال ہے جب اُنھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ ہم تم سے اور اِن سے جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو لاتعلق ہیں ہم تمہاری بات ہرگز نہ مانیں گے ۔جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ ہم میں اور تم میں ہمیشہ کھلم کھلی عداوت اور دشمنی ہے ۔(الممتحنہ ۔4)
ابراہیم اور اِن کے ساتھیوں میں اُسوۂ حسنہ ہے جو کوئی اللہ سے ملاقات اور روزِ آخرت کی اُمید رکھتا ہو ۔اور جو روگردانی کرے تو اللہ بھی بے پروا اور سزاوارِ حمد ہے ۔(الممتحنہ ۔6)

اِبتلا اور عَطا

دنیا میں بھی سمجھدار انسان اچھی طرح پرکھنے اور آزمانے کے بعد ہی کسی کو اپنا دوست بناتے ہیں ۔اللہ تعالیٰ نے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو چند کڑی آزمائشوں سے گذارنے کے بعد ہی خلیل اللہ کی خلعت فاخرہ سے نوازا ۔آپ کے خلاف سب سے پہلا محاذ تو اپنے گھر میں ہی کھلا جب آپ نے اپنے باپ کے سامنے بتوں کی بے بسی اور برائی بیان کرکے اللہ تعالیٰ کی توحید پیش کی تو اُس نے کہا اِس روش سے باز آجاؤ ورنہ میں تجھے سنگسار کردوں گا یا تم

میری آنکھوں سے دور ہو جاؤ۔ کیونکہ باپ تو بت پرستی والے دین کا پروہت اور پرچارک تھا۔ لیکن عشقِ خلیل اِن دھمکیوں کو کب خاطر میں لاتا تھا۔ وہ ایک دن موقع پا کر اُن کے صنم کدہ میں جا گھسے اور مفروضہ خداؤں کے ٹکڑے اُڑا دیئے۔ جب وقت کے باجبروت بادشاہ نمرود کے سامنے پیش کئے گئے تو اُسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اللہ تعالیٰ کی الوہیت کے ایسے مسکت دلائل دیئے کہ کافر مبہوت ہو کر رہ گیا اور اُسکے دعویٰ ربوبیت کے پرزے اُڑ گئے۔ طاغوتی طاقت سے جب کوئی جواب نہ بن پڑا تو اپنے دین کو بچانے کیلئے قوت کا حربہ آزمانے پر اُتر آیا۔ پوری قوم نے حق کے ترجمان اور وقت کے بہترین انسان کو جو انہیں جہنم کی آگ سے بچنے کی دعوت دے رہا تھا خود اُسے ہی آگ میں جلانے کا فیصلہ کیا۔ جب اِس کا انتظام مکمل کر لیا تو:۔

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشہ لبِ بام ابھی

وہ عشق اللہ کا تھا جسے سنانے یا بتانے کی حاجت نہ تھی وہ سب کچھ دیکھ رہا تھا وہ تو اپنے بندے کے ساتھ بلکہ رگِ جان سے بھی قریب تر تھا۔ اور بندہ جو کہ صرف اُسی کا بن کر رہ گیا تھا سراپا تسلیم و رضا بن کر آتشِ نمرود کے شعلوں میں بھی اِسی لئے خاموش تھا کہ وہ بھی اپنے رب کو دیکھ رہا تھا کیونکہ بندگی کا یہی تو کمال ہے کہ اپنے رب کو دیکھ لے۔ حضور ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے "فَاعْبُدْ رَبَّكَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ" اپنے رب کی بندگی اِس طرح کر گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے۔ ایمان کی اِن معراج کی گھڑیوں اور قرب کی ساعتوں میں جو اللہ کی رحمت برسی تو اُس نے آگ کی حرارت کو ٹھنڈا اور انگاروں کو گلزار میں بدل کر رکھ دیا۔ پھر اللہ کا حکم ہوا تو اُسکی راہ میں ہجرت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے بڑھاپے میں اولاد عطا فرمائی تو حسبِ حکم اپنی بیوی اور معصوم بچے کو اُس وادی میں چھوڑ آئے جہاں گھاس کا تنکا تک نہ پیدا ہوتا تھا۔ جدائی کے اِس امتحان میں کامیاب ہوئے تو اپنی محبوب ترین متاع نوجوان بیٹے کو اللہ کی راہ میں قربان کر دینے کا حکم دے دیا گیا تو آپ نے یہ عظیم قربانی پیش کرنے سے بھی دریغ نہ کیا اور داستانِ عشق کو اپنے لختِ جگر کے خون سے رنگین بنانے کیلئے تیار ہو گئے۔ جب سراپا تسلیم بیٹا اسماعیل زمین پر لیٹ گیا اور باپ نے تیز دھار خنجر پر گرفت مضبوط کر لی اور دوسرا ہاتھ حلقوم پسر پر رکھ دیا تو اِس منظر کی دہشت سے ملائکہ پر

بھی لرزہ طاری ہوگیا۔ حضرت جبرائیل نے بحکمِ خدا حضرت اسماعیل کو ہٹا کر اِن کی جگہ ایک دُنبہ رکھ دیا جو ذبح ہوگیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ندا دی کہ اے ابراہیم تم نے رؤیا کو حقیقت بنا دیا۔

یہ تھے وہ بڑے اور کڑے امتحانات جن میں سرخرو ہونے کے بعد ہی اللہ تعالیٰ نے حضرات ابراہیم علیہ السلام کو دنیا کی امامت عطا فرمائی اور انہیں اپنا خلیل بنایا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَا لَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًاط قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِیْ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِيْنَ o

(البقرہ۔ 124)

''جب ابراہیم کے رب نے چند باتوں میں اِن کی آزمائش کی تو وہ اِن میں پورے اُترے۔ اللہ نے کہا کہ میں تم کو لوگوں کا پیشوا بناؤں گا۔ انہوں نے کہا کہ میری اولاد پر بھی عنایت ہوتو اللہ نے فرمایا کہ ہمارا اقرار ظالموں کیلئے نہیں ہوا کرتا''۔

اللہ تعالیٰ جب اپنے بندوں کو ابتلا میں سے گذارتا ہے تو جو بندے شیوہ تسلیم و رضا اختیار کرتے ہوئے مصائب کو خوشی سے برداشت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں بے شمار ظاہری اور باطنی نعمتوں سے نوازتا ہے۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام پر بھی انعام و اکرام کی بارش ہوئی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا خلیل یعنی دوست اور دنیا کا امام و پیشوا بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خصوصی فضل سے انہیں زمین و آسمان کی بادشاہت کا نظام دکھایا تا کہ انہیں یقین کامل کی دولت نصیب ہو۔ جب اطمینان قلب کی خاطر آپ نے التجا کی کہ اللہ مجھے دکھا دیں کہ آپ مردوں کو کس طرح زندہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے ذبح کرکے ٹکڑے ٹکڑے کئے ہوئے چار پرندوں کو اُن کے سامنے زندہ کرکے تسکین کا سامان فرما دیا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے اُنہیں دنیا میں بھی اجر دیا اور آخرت میں بھی انہیں صالحین میں ٹھہرایا۔ اِن کی اولاد میں نبوت وحکمت اور حکومت کو بھی جاری فرمایا۔ اولاد کیلئے دعا کی تو اللہ نے علم وحلم والے بیٹے کی بشارت دی۔ اِبتلا کے بعد جب عطا کا دور شروع ہوا تو دوست نے دوست سے جو کچھ بھی مانگا وہ دیا گیا۔

رُوحانی مرکز

اللہ تعالٰی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دنیا کا پیشوا بنایا تو ایک خاص جگہ پر اہل زمین کیلئے ایک روحانی مرکز تعمیر کرنے کا شرف بھی آپ کو عطا کیا گیا۔ کیونکہ آگے چل کر جس ہستی نے رنگوں، نسلوں اور قوموں میں بٹی ہوئی دُنیا کو ایک کلمہ، ایک دین اور ایک مرکز پر لانے کا عظیم کام سرانجام دینا تھا اِس نے یہاں ہی جلوہ افروز ہونا تھا۔ گویا خلیل اللہؑ کے ہاتھوں سے اِس بستی کو آباد کیا جا رہا تھا جہاں حبیب اللہؐ کی تشریف آوری ہونی تھی۔ بیت اللہ، مکہ مکرمہ، اپنی اولاد اور اہل ایمان کے بارے میں آپ کے فرمودات اور دُعائیں بھی خصوصی توجہ کی طالب ہیں کیونکہ جملہ اہل حرم یعنی اُمت مسلمہ کی کامیابی اِنہی سوچوں کو اپنانے اور اُن پر عمل پیرا ہونے میں ہے۔ قرآن کریم ہماری راہنمائی فرماتا ہے کہ بیت اللہ کس لئے تعمیر کیا گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو یہاں کس غرض کیلئے بسایا اور آنے والی اُمت مسلمہ کیلئے کیسی کیسی پیاری دُعائیں فرمائیں۔ چنانچہ سورت ابراہیم کی آیات 35 تا 37 میں ارشاد ہوا ہے:۔

”اور جب ابراہیم نے دُعا کی کہ اے میرے رب اِس شہر کو امن کی جگہ بنا دے اور مجھے اور میری اولاد کو اِس بات سے کہ بتوں کی پرستش کرنے لگیں بچائے رکھ“۔

”اے میرے رب اُنہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے سو جس شخص نے میرا کہا مانا وہ تو میرا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو تُو بخشنے والا مہربان ہے“۔

”اے ہمارے رب میں نے اپنی اولاد میدان (مکہ) میں جہاں کھیتی نہیں تیرے عزت والے گھر کے پاس لا بسائی ہے۔ اِس لئے کہ اے پروردگار یہ نماز قائم کریں۔ تو لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ اِن کی طرف جھکے رہیں اور اِن کو میووں سے روزی دے تا کہ تیرا شکر کریں“۔

اللہ تعالٰی نے اپنے خلیل کی دُعاؤں کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے مکہ کو انسانوں کیلئے عالمگیر اجتماع اور امن و امان کے حصول کا مرکز بنا دیا۔ سورۃ البقرہ آیات 125 اور 126 میں یہ فرمان جاری فرمایا:۔

”اور ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کے جمع ہونے اور امن پانے کی جگہ مقرر کیا اور حکم دیا کہ جس جگہ ابراہیم کھڑے ہوئے تھے اِس کو نماز کی جگہ بنا لو۔ اور ابراہیم اور اسماعیل کو کہا کہ طواف کرنے

والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کیلئے میرے گھر کو پاک صاف رکھا کرو"۔

"اور جب ابراہیم علیہ السلام نے دُعا کی اے پروردگار اِس جگہ کو امن کا شہر بنا اور اِس کے رہنے والوں میں سے جو اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان لائیں اُنکے کھانے کو میوے عطا کر تو اللہ نے فرمایا کہ جو کافر ہوگا میں اُسکو بھی کسی قدر متمتع کروں گا پھر اُسے عذاب دوزخ بھگتنے کیلئے ناچار کردونگا اور وہ بری جگہ ہے"۔

اُمت مسلمہ پر اللہ تعالیٰ خصوصی فضل اور رحمت فرمانا چاہتے ہیں اِسی لئے ملت ابراہیم کا اِتباع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔اُوپر لکھی گئی آیات پر غور فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کن لوگوں کیلئے اپنے گھر کو صاف رکھنے کا حکم دے رہے ہیں۔ایسے ہی لوگوں کو حریم کبریاء میں داخلہ ملتا ہے۔اہل حرم کو میوؤں اور پھلوں کا رزق عطا کرنے والی دُعا بھی منظور کرلی گئی۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو یہ دُعا صرف اہل ایمان کیلئے کی لیکن اللہ کی سراپا رحمت ذات نے اپنے نیک بندوں کے طفیل کفار کو بھی دُنیا کی قلیل زندگی میں فائدہ دینے کا وعدہ فرمالیا۔یہ خاص بات بھی نوٹ فرمالیں کہ اللہ کے مقرب بندوں کے قدموں سے جو برکات ملتی ہیں اُن کے حصول کیلئے خود حکم فرمایا گیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے کھڑا ہونے والی جگہ پر نماز پڑھا کرو۔چنانچہ آج بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدمین شریفین جس پتھر پر ثبت ہیں وہ ایک شیشے کے فانوس میں بند ہے جس کے سامنے ہمہ وقت نوافل پڑھنے والوں کا ہجوم رہتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں صفا اور مروہ کو شعائر اللہ قرار دے کر ان کے درمیان سعی کرنے کو عبادت میں شامل فرما دیا ہے اسی طرح مقبولین بارگاہ بندوں کے جو آثار اور نشانات ہوتے ہیں ان سے فیوض و برکات حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ان چیزوں کا احترام کرنا اللہ کے پیارے بندوں کی محبت کے زُمرے میں آتا ہے اور یہ محبت **مِنْ دُوْنِ اللّٰه** نہیں بلکہ **فِي سَبِيلِ اللّٰه** کہلاتی ہے۔اس لئے حجر اسود کو چومنا، آب زمزم کو متبرک جاننا، حضور پرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تبرکات کے لئے عقیدت و محبت کا اظہار کرنا اور قرآن کریم کو بوسہ دینا یہ سب مستحسن اعمال ہیں۔

یہ بات تو برسبیل تذکرہ درمیان میں آگئی۔حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے

انسانوں کے لئے روحانی مرکز بیت اللہ تعمیر کرتے وقت اپنی اولاد کے لئے امت مسلمہ کا اعزاز طلب کیا تو ساتھ ہی حضور خاتم النبیین رحمت اللعلمین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی بعثت کے لئے یہ دعا فرمائی۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولاً مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ط اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ o

(بقرۃ۔129)

''اے ہمارے رب ان میں انہیں میں سے ایک رسول معبوث کیجو جو ان کو تیری آیات سنایا کرے اور کتاب اور حکمت سکھایا کرے اور اُن (کے دلوں کو) پاک صاف کیا کرے۔ بے شک تُو غالب اور صاحب حکمت ہے''۔

اسی وجہ سے حضور ﷺ فرمایا کرتے کہ میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دُعا کا اثر ہوں۔

اہل ایمان کے لئے نصاب

1۔شرک سے پاک توحید

جب انبیاء کے سردار اور اللہ کے آخری رسول ﷺ کا ظہور ہوا تو صدیوں سے چھائی ہوئی ظلمت چھٹنے لگی۔ اللہ تعالیٰ نے دین کی تکمیل فرمادی اور نعمتوں کے اتمام کا اہتمام کر دیا گیا اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے دیوانے شمع رسالت کے گرد پروانوں کی طرح اکٹھے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے دعاء خلیل کے الفاظ دہرائے اور مومنین پر احسان جتلاتے ہوئے فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْ امِنْ قَبْلَ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٌ o (اٰل عمران:164)

''اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ اُن میں اُنہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کو اللہ کی آیات سناتا اور اُن کو پاک کرتا اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے اور پہلے تو یہ لوگ صریح

گمراہی میں تھے۔"

حضور نبی کریم ﷺ نے اللہ کے حکم کے مطابق خود بھی ملت ابراہیم کا اتباع کیا اور مومنین کو بھی شرک سے یکسر پاک توحید کی تعلیم دی کیونکہ شرک وہ ظلم عظیم ہے جو دوسرے اعمال کو غارت کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شرک سے بچنے کے لئے مزید تاکید کرتے ہوئے فرمایا:

"اے محمد ﷺ آپ کی طرف اور ان پیغمبروں کی طرف جو آپ سے پہلے آئے یہی وحی بھیجی گئی کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے اعمال برباد ہو جائیں گے اور تم زیاں کاروں میں ہو جاؤ گے۔ بلکہ صرف اللہ ہی کی بندگی کرو اور شکر گذاروں میں ہو جاؤ۔" (الزمر۔65۔66)

"آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہاری طرح کا ایک بشر ہوں البتہ میری طرف وحی آئی ہے کہ تمہارا معبود وہی ایک معبود ہے۔ تو جو شخص اپنے رب سے ملنے کی امید رکھتا ہے اسے چاہئے کہ نیک اعمال سرانجام دے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔" (الکھف۔110)

اللہ سُبحانہ وتعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے سب اسی کی ملکیت ہے۔ ہر شے اپنے اپنے شعور کے مطابق اسے پہچانتی، اس کی تسبیح بیان کرتی اور اس کی اطاعت میں لگی ہوئی ہے۔ وہ اکیلا ہی کائنات کا نظام سنبھالے ہوئے ہے۔ اس کی ذات قدیم اور **حَیٌّ قَیُّومٌ** ہے، اس کے لئے نیند، اُونگھ، تھکاوٹ اکتاہٹ، بھوک اور موت ہرگز روا نہیں۔ نہ ہی اسے کسی وزیر مشیر اور اولاد کی حاجت ہے۔ اگر چہ وہ ہماری عبادت یا بغاوت سے بے نیاز ہے لیکن بندوں کے لئے اپنی رحمت کے سبب کفر کی بجائے ایمان کو پسند فرماتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

اے لوگو رسول تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق لے کر آئے ہیں تو تم ایمان لے آؤ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اور اگر کفر کرو گے تو جان رکھو کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اللہ ہی کا ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔" (نساء۔170)

مخلوق میں سے جن اور انسان ہی ہیں جو اللہ کے دیئے ہوئے اختیار کا غلط استعمال کر کے حق سے روگردانی کرتے ہیں تو اس کا وبال بھی انہی کی جانوں پر پڑے گا۔ اگر کوئی انسان اللہ تعالیٰ کی انگنت آیات کے معاملے میں اندھا بن جائے اور اپنے خالق و مالک کی پہچان سے محروم ہو جائے تو اللہ کی بادشاہی میں ذرہ برابر بھی کمی واقع نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ملاحظہ ہو:

وَقَالَ مُوسىٰ اِنْ تَكْفُرُوْا اَنْتُمْ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعاً فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِىٌّ حَمِيْدٌo (ابراہیم۔8)

''اور موسیٰ نے کہہ دیا کہ اگر تم اور جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کے سب کافر ہو جاؤ تو اللہ بے نیاز اور سزا وار حمد ہے''۔

ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کی بے نیازی اور بے پروائی کا ذکر یوں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''اے میرے بندو اگر تمہارے اول و آخر تمام انسان اور جن اس ایک آدمی کے دل کی طرح ہو جائیں جو تم سب سے زیادہ متقی ہے تو اس سے میری بادشاہی میں اضافہ نہیں ہوگا۔اور اگر تمہارے اول و آخر اور انس و جن اس ایک آدمی کے دل کی طرح ہو جائیں جو تم میں سب سے بڑا نافرمان ہے تو اس سے میری بادشاہی میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔اے میرے بندو اگر تم سب ایک میدان میں جمع ہو جاؤ اور مجھ سے سوال کرو اور میں ہر انسان کو اس کے سوال کے مطابق عطا کروں تو اس سے میرے خزانے میں اتنی ہی کمی ہوگی جتنی سوئی کے سمندر میں ڈبو کر نکالنے سے سمندر کے پانی میں ہوتی ہے۔''(رواہ مسلم)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ لوگو اپنے رب کی بندگی کرو جس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔نہ کہ کسی ایسی ہستی کی جو خود پیدا کی گئی ہو اور اس نے کچھ بھی پیدا نہ کیا ہو۔اوپر دی گئی سورۃ کہف کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور سید البشر ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ لوگوں کو بتا دیجئے کہ معبود صرف ایک اللہ ہی ہے اور میں تمہاری طرح کا انسان ہوں۔کسی چیز کا رتبہ یا مقام اس کی حد سے بڑھا دینا **غُلُو** کہلاتا ہے جو کہ ظلم ہے۔جیسا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ کے بارے میں کیا اور انہیں الوہیت کا مقام دے ڈالا۔اللہ تعالیٰ نے ان کی الوہیت کی نفی کرنے کے لئے ایک عام فہم مثال دی کہ وہ کیسے **اِلٰـه** بن گئے وہ دونوں تو کھانا کھاتے تھے یعنی طعام کے محتاج تھے۔جو خود ہی محتاج ہو اسے کوئی کج فہم ہی اپنا معبود بنا سکتا ہے۔یہ کھانا کھانے والی شرط بڑی زبردست ہے کیونکہ کھانا تو ہر انسان ہی کھاتا ہے چاہے وہ کتنا بڑا اولی اللہ یا پیغمبر ہی کیوں نہ ہو۔حضور نبی کریم ﷺ نے اس خدشہ کے پیش نظر اپنی اُمت کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَا تَطْرُوْنِی کَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰی عِیْسَی بْنَ مَرْیَمَ فَاِ انَّمَا اَنَا عَبْدُہٗ فَقُوْلُوْا عَبْدُ اللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ۔ (رواہ بخاری)

"تم مجھے اس طرح حد سے نہ بڑھانا جس طرح عیسائیوں نے عیسٰی بن مریم علیہ السلام کو بڑھایا۔ میں تو صرف اللہ کا بندہ ہوں۔ پس تم مجھے اس کا بندہ اور رسول ہی کہنا۔"

اللہ تعالٰی کی حمد وثنا اور اس کی قدرت اور شان کا بیان ہماری عقل کی رسائی اور وہم وگمان سے بھی باہر ہے۔ ناسمجھ انسان جن کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں انہوں نے تو ایک چیونٹی یا مچھر تک پیدا نہیں کیا بلکہ وہ خود پیدا کئے گئے ہیں۔ اللہ رب العالمین ان سے پوچھتا ہے:

اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰہِ شُرَکَآءَ خَلَقُوْا کَخَلْقِہٖ فَتَشَابَہَ الْخَلْقُ عَلَیْہِمْ قُلِ اللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ وَّھُوَالْوَاحِدُ الْقَھَّارُ o (الرعد۔16)

"بھلا ان لوگوں نے جن کو اللہ کا شریک مقرر کیا ہے کیا انہوں نے اللہ کی سی مخلوقات پیدا کی ہے کہ ان کو مخلوقات میں شبہ پڑ گیا۔ آپ کہہ دیں کہ اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ یکتا ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔"

اللہ تعالٰی نے جہاں اپنی بندگی میں کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرانے کے تحت احکام دیئے ہیں وہاں اپنے رسولوں اور نیک بندوں کی عزت وتوقیر کے آداب بھی سکھائے ہیں کیونکہ ادب کرنے والے ہی مراد پاتے اور بے ادب بے نصیب رہ جاتے ہیں۔ لیکن حفظِ مراتب کا لحاظ رکھنا اشد ضروری ہے تا کہ نہ تو خدا کو بندہ بنایا جائے اور نہ ہی بندوں کو خدا۔ اللہ اللہ ہے اور بندہ بندہ ہی ہے۔ اللہ تعالٰی کے بندے لوگوں کو اپنی بندگی کی دعوت نہیں دیتے بلکہ اللہ کا راستہ بتاتے اور انہیں اللہ والے بنا دیتے ہیں۔ اب ملاحظہ ہو کہ اللہ تعالٰی کیا فرماتے ہیں:۔

کسی انسان کے شایاں نہیں کہ اللہ تو اسے کتاب اور حکومت اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ بلکہ اس کو یہ کہنا سزاوار ہے کہ تم رب والے بن جاؤ کیونکہ تم کتاب پڑھتے اور پڑھاتے ہو۔ اور وہ تمہیں یہ بھی نہیں کہے گا کہ تم فرشتوں اور پیغمبروں کو رب بنالو۔ بھلا جب تم مسلمان ہو چکے تو کیا وہ تمہیں کافر ہونے کو کہے گا۔

(آل عمران۔79 تا 80)

Markaz Taameer-i-millat, Waheed colony, Kot Shahan, Gujranwala, Pakistan. Contact: +92-0344-9000042
Silselah-i-Tauheediyah, Website: http://www.tauheediyah.com/

”اور جو شخص ان میں سے کہے کہ اللہ کے سوا میں معبود ہوں تو اسے ہم دوزخ کی سزا دیں گے اور ظالموں کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں“۔ (الانبیاء۔29)

”جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ عیسیٰ بن مریم اللہ ہیں وہ بے شک کافر ہیں۔آپ کہہ دیں کہ اگر اللہ عیسیٰ بن مریم اور ان کی والدہ کو اور جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کو ہلاک کرنا چاہے تو اُس کے آگے کس کی پیش چل سکتی ہے۔آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ سب پر اللہ ہی کی بادشاہی ہے۔وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے“۔ (المائدۃ۔17)

آپ نے اللہ کی بے نیازی اور جلال شاہی سے بھرپور فرمان سنا کہ ہم ساری مخلوق کو ہلاک کرنا چاہیں تو کون ہے جو ہمارا ہاتھ روک سکے۔آیات کے ترجمہ میں خط کشیدہ الفاظ سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ کفر و شرک صرف پتھر اور لکڑی کے بنے ہوئے بتوں کو معبود بنانے کا نام ہی نہیں ہے بلکہ انبیاء اور ملائکہ کی الوہیت اور ربوبیت کا عقیدہ رکھنا بھی کفر ہے۔جو انسان خود الٰہ اور رب ہونے کا دعویٰ کرے وہ بھی اور جو لوگ اللہ کے سوا کسی دوسری ہستی کو معبود ٹھہرائیں وہ بھی ظالم شمار ہونگے۔جن برگزیدہ ہستیوں کو ہم مشکل کشا اور حاجت روا سمجھ لیتے ہیں اور ہر مشکل میں انہی کو پکارتے ہیں حالانکہ انہوں نے ایسی تعلیم ہرگز نہیں دی ہوتی تو وہ اللہ والے اپنے عقیدتمندوں سے ہرگز خوش نہ ہونگے کیونکہ ان کے **غُلُو** کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان سے بھی پوچھ گچھ کرے گا جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہوا ہے۔

”اور جب اللہ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ بن مریم کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری والدہ کو معبود مقرر کرو۔وہ کہیں گے تو پاک ہے۔مجھے کب شایاں تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کا مجھے کوئی حق نہیں۔اگر میں نے ایسا کہا ہوگا تو آپ کو معلوم ہوگا۔جو بات میرے دل میں ہے آپ جانتے ہیں اور جو آپ کے ضمیر میں ہے اسے میں نہیں جانتا بے شک آپ **عَلّامُ الْغُيُوبِ** ہیں۔میں نے انہیں وہی کہا جس کا آپ نے مجھے حکم دیا تھا کہ تم اللہ کی عبادت کرو جو میرا رب ہے اور تم سب کا بھی رب ہے۔اور جب تک میں اُن میں رہا اُن کی خبر رکھتا رہا۔جب آپ نے مجھے دنیا سے اٹھالیا تو آپ ہی ان کے نگران تھے اور آپ ہر چیز سے

خبردار رہیں۔‘‘(المائدۃ۔116 تا117)

ملت ابراہیم کے کڑے معیار میں شرک صرف بتوں کے آگے سر جھکانے ہی کا نام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اور اُس کی محبت کا مدمقابل کسی بھی چیز کو ٹھہرانا شرک ہے خواہ وہ جان و مال یا اپنے نفس کی خواہشات ہی کیوں نہ ہوں۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

o ’’آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔‘‘
(جاثیۃ۔23)

o ’’افسوس ہے مشرکین پر جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت کے بھی قائل نہیں۔‘‘
(حم سجدہ۔7)

o ’’مشرکوں میں نہ ہونا جنہوں نے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کیا اور خود فرقے فرقے ہو گئے۔‘‘
(روم۔32)

o ’’شیاطین اپنے دوستوں کے دلوں میں باتیں ڈالتے ہیں کہ تم سے جھگڑا کریں۔ اگر تم ان کے کہنے پر چلے تو بے شک تم بھی مشرک ہو۔‘‘(انعام۔121)

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا بیان یہاں ختم کرتا ہوں ورنہ قرآن کریم کے ورق ورق پر کائنات کے خالق و مالک اور حکمران کی قدرت و عظمت کے روشن اور بیّن دلائل ثبت ہیں۔ اور یہ التجا بھی کرتا ہے ہوں کہ روزانہ قرآن کریم کی تلاوت باترجمہ کیا کریں۔

گر تو می خواہی مسلمان زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن

2۔اخلاص

توحید میں اخلاص کے معنی ہی یہ ہیں کہ اس میں کسی طرح کی بھی آمیزش نہ ہو۔ ایک مومن کو اس عقیدے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بندگی یعنی غلامی کرنی چاہئے کہ نظام کائنات کی ملکیت اور ربوبیت میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ زندگی کی ہر نعمت اللہ تعالیٰ ہی سے ملتی ہے اور وہی مصیبتوں، بیماریوں اور تکلیفوں کو دور کرنے والا ہے۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْئَرُوْنَ o ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ o (نحل۔53 تا 54)

''اور جو نعمتیں تم کو میسر ہیں سب اللہ کی طرف سے ہیں اور جب تم کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اُس کے آگے چلاتے ہو۔ پھر جب وہ تکلیف دور کر دیتا ہے تو کچھ لوگ تم میں سے اپنے رب کے ساتھ شریک کرنے لگتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ اس روش کو پسند نہیں فرماتا کہ میرے بندے میری بجائے دوسری ہستیوں کو اپنا رب مان لیں، انہیں حاجت روا اور مشکل کشا سمجھیں اور ان کے سامنے دعائیں اور التجائیں کرنا شروع کر دیں۔ اللہ تعالیٰ کو یکسوئی اور اخلاص پسند ہے اور بار بار اسی کا حکم دیا ہے۔

''پہلوں کو بھی یہی حکم دیا تھا کہ <u>اخلاص کے ساتھ تمام امیدیں اللہ کے ساتھ وابستہ کر کے اور یکسو ہو کر اس کی بندگی کرو اور نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو اور یہی سچا دین ہے</u>۔'' (البینہ۔5)

''ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب سچائی کے ساتھ نازل کی ہے تو پورے دین (یعنی نظام حیات) کو اللہ کے لئے خالص کرتے ہوئے اس کی عبادت کرو۔'' (الزمر۔2)

''وہ زندہ ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ تم پورے دین کو اسی کے لئے خالص کرتے ہوئے اسی کو پکارو، ہر طرح کی تعریف اللہ کیلئے ہے جو جہانوں کا رب ہے۔''
(مؤمن۔65)

آپ کہہ دیجئے کہ مجھ سے ارشاد ہوا ہے کہ نظام بندگی کو اسی کیلئے خالص کر کے اس کی بندگی کروں۔ اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ سب سے پہلا مسلمان بنوں۔ کہہ دیں کہ اگر میں اپنے رب کا حکم نہ مانوں تو مجھے بڑے دن کے عذاب سے ڈر لگتا ہے۔ آپ کہہ دیں کہ میں اپنے دین کو (شرک سے) خالص کر کے اللہ کی عبادت کرتا ہوں۔'' (الزمر۔11 تا 14)

''دین کو خالص کر کے صرف اسی کو پکارو اگر چہ کافر بُرا ہی جانیں'' (المومن۔14)

انسان جب اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو مدد کے لئے پکارتا یا اس کے سامنے سر جھکاتا ہے تو وہ شعوری یا غیر شعوری طور پر اس کو اپنا رب بنا کر اس کی بندگی کا مرتکب ہوتا ہے جو درحقیقت شیطان

کی اطاعت وعبادت ہے۔جیسا کہ سورۃ یاسین میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''اے بنی آدم کیا میں نے تم سے یہ عہد نہیں لیا تھا کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا کہ وہ تمہارا دشمن ہے اور صرف میری ہی عبادت کرنا کہ یہی صراطِ مستقیم ہے۔''بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ حضرت قبلہ خواجہ عبدالحکیم انصاری رحمت اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب تم ہر نماز میں پڑھتے ہو اور اللہ کے سامنے اقرار کرتے ہو کہ **اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ** ۔کہ ہم آپ ہی کی بندگی کرتے اور آپ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔تو پھر اس آیت پر عمل بھی کرو ورنہ اسے پڑھا نہ کرو۔

برادران کرام! یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ اعمال صالح کے اجر و ثواب کا انحصار نیت پر ہوتا ہے۔جو عمل خلوص نیت کے ساتھ محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر کیا جائے گا اس کی قبولیت سینکڑوں بلکہ ہزاروں گنا بڑھ جاتی ہے۔اعمال کو قوت پرواز عطا کرنے والے پَر ''خلوص اور محبت'' ہیں۔اسے حسابی کلیہ کے مطابق یوں سمجھئے کہ ''عمل x خلوص = اجر ثواب'' اگر عمل تو ہے مگر خلوص ومحبت سے خالی ہے تو عمل ضائع (عمل x صفر = صفر) ہو جائے گا۔

لیکن اس کے برعکس اگر صرف زبانی محبت کے بلند و بانگ دعوے تو موجود ہیں لیکن عمل مفقود ہے تو بھی نتیجہ صفر ہی ہوگا۔(صفر x خلوص = صفر)

ایک اور بات بھی یاد رکھیے کہ اس کارزارِ حیات میں دشمنِ ایمان شیطان سے اگر کوئی زرّہ محفوظ رکھ سکتی ہے تو وہ خلوص ہی ہے۔روزِ ازل جب ابلیس کو مہلت عطا کر دی گئی کہ وہ انسانوں کو صراط مستقیم یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کی راہ سے ہٹانے کے لئے اپنے حربے آزمالے تو اس نے بھی جذبہ اخلاص کے سامنے اعتراف شکست کرلیا۔

قَالَ فَبِعِزَّتِکَ لَاُغْوِیَنَّھُمْ اَجْمَعِیْنَ o اِلَّا عِبَادَکَ مِنْھُمُ الْمُخْلَصِیْنَ o (الزمر۔82تا83)

''شیطان کہنے لگا تیری عزت کی قسم میں ان سب (انسانوں) کو بہکاؤں گا سوائے ان کے جو تیرے مخلص بندے ہیں۔''

3۔توکل علی اللہ

اِنِّی وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ

وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَo (الانعام۔79)

''میں نے یکسو ہو کر اپنے چہرے کا رُخ اِس ذات کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں''۔

یہ ہے وہ اعلان جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستارے، چاند اور سورج کی چمک دمک اور ربوبیت کو ٹھکرا کر خالق کائنات کے سامنے سربسجود ہو کر کیا اور اُمت مسلمہ کا ہر فرد نماز شروع کرنے سے پہلے اِسی کا اقرار کرتا ہے کہ میں نے بھی اپنی نظروں اور اُمیدوں کا مرکز اللہ تعالیٰ کی ذات کو بنا لیا ہے۔ اِسی کو توکل علی اللہ کہا جاتا ہے۔ ایک مومن زندگی کی تگ و دو میں تمام ممکنہ اور جائز اسباب کو اختیار تو کرتا ہے لیکن نتائج کیلئے نگاہ مسبب الاسباب اللہ تعالیٰ پر رکھتا ہے کیونکہ وہی فاعلِ حقیقی ہے۔ اِس جذبہ ایمانی کی تشریح کیلئے ایک حدیث مبارکہ سماعت فرمائیں:

حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت ابن عباس کو فرمایا ''اے لڑکے میں تجھے چند کلمات سکھاتا ہوں۔ یہ کہ اللہ کو یاد رکھو وہ تمہاری حفاظت کریگا۔ اللہ کو یاد رکھو تم اُسے اپنے سامنے پاؤ گے۔ جب تم مانگو تو اللہ ہی سے مانگو اور جب تم مدد طلب کرو تو اللہ ہی سے مدد طلب کرو اور یہ یقین جانو کہ اگر پوری دنیا والے تمہیں نفع پہنچانے کیلئے جمع ہو جائیں تو تمہیں اتنا ہی نفع پہنچا سکیں گے جتنا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ رکھا ہے۔ اور اگر ساری دنیا والے تمہیں نقصان دینے پر تُل جائیں تو اتنا ہی نقصان دے سکیں گے جتنا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ رکھا ہے۔ قلم اُٹھا لئے گئے اور صحیفے خشک ہو گئے ہیں''۔ (مسند احمد)

اللہ تعالیٰ پر ایمان کی پختگی کی کسوٹی توکل اور بھروسہ ہی ہے اس کے بارے میں اب چند احکامات ملاحظہ ہوں:۔

''اگر تم صاحب ایمان ہو تو اللہ پر ہی بھروسہ رکھو۔'' (المائدہ۔23)

''اللہ پر بھروسہ رکھنا اور اللہ ہی کارساز کافی ہے۔'' (احزاب۔3)

''جو اللہ پر بھروسہ رکھتا ہے تو پھر وہی اس کے لئے کافی ہے۔'' (طلاق۔3)

''اللہ کے اِذن کے سوا مومنوں کو کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ مومنوں کو چاہئے کہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں۔'' (مجادلہ۔10)

"آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ ہم کو کوئی مصیبت نہیں پہنچ سکتی بجز اس کے جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دی ہے۔ وہ ہمارا کارساز ہے اور مومنوں کو اللہ ہی کا بھروسہ رکھنا چاہئے۔" (توبہ۔51)

4۔ ماسواء اللہ کا خوف

اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے والے اس حقیقت پر سچے دل سے ایمان رکھتے ہیں کہ نفع اور نقصان پہنچانے والی صرف اللہ کی ذات ہے اس لئے وہ محبوب ومعبود اللہ کو کبھی نہیں چھوڑتے اور اسکے سوا نہ کسی سے ڈرتے ہیں نہ خاطر میں لاتے ہیں اور یہی اللہ کا حکم ہے۔

"کیا تم اُن (کفار) سے ڈرتے ہو حالانکہ اللہ ہی اس لائق ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم ایمان رکھتے ہو۔" (توبہ۔13)

"یہ تو شیطان ہے جو تمہیں اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے۔ اگر تم مومن ہو تو ان سے مت ڈرنا اور مجھی سے ڈرتے رہنا۔" (آل عمران۔175)

"سو اُن سے مت ڈرنا اور مجھی سے ڈرتے رہنا تاکہ میں اپنی نعمت تم پر پوری کروں اور یہ بھی کہ تم راہ راست پر چلو۔" (البقرہ۔150)

"مساجد کو وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ ایسے لوگ ہی امید ہے کہ ہدایت یافتہ لوگوں میں ہوں۔" (توبہ۔18)

یہ بات اچھی طرح جان لیں کہ ماسواء اللہ کا خوف شرک ہی کا شاخسانہ ہے۔ کیونکہ انسان اسی سے ڈرتا ہے جسے نفع ونقصان پر قادر جانتا ہے۔

رمزِ پیغامِ محمد ﷺ جو سمجھ جاؤ گے
شرک کو خوف کے پردے میں چھپا پاؤ گے

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رکھو اسی پر بھروسہ رکھو اسی سے چمٹے رہو یہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ ہے اور یہی کامرانی کی راہ ہے۔

"جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اسے مضبوطی سے تھامے رکھا اُن کو وہ اپنی رحمت اور اپنے فضل میں داخل کرلے گا اور اپنی طرف (پہنچنے کا) سیدھا راستہ دکھائے گا۔" (النساء۔175)

''اور اللہ کی راہ میں ویسا جہاد کرو جیسے جہاد کا حق ہے۔ اسی نے تمہیں برگزیدہ بنایا ہے اور تم پر دین کے بارے میں کوئی تنگی نہیں ڈالی۔ یہ طریقہ ہے تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کا۔ اسی نے تمہارا نام مسلمان رکھا اس قرآن سے پہلے بھی اور اس میں بھی تاکہ پیغمبر تم پر گواہ ہو جائے اور تم تمام لوگوں پر گواہ بن جاؤ۔ پس تمہیں چاہیئے کہ نمازیں قائم رکھو اور زکوۃ ادا کرتے رہو اور اللہ کو مضبوط تھام لو۔ وہی تمہارا ولی اور مالک ہے پس کیا ہی اچھا مالک ہے اور کتنا ہی بہتر مددگار ہے۔''

(الحج۔78)

5۔شکر یعنی احسان شناسی

شکر ایک باطنی احساس اور قلبی کیفیت کا نام ہے۔ یہ تو کسی ہستی کے کئے ہوئے احسان اور لطف و کرم کو جاننے اور ماننے کا نام ہے۔ اِس کی مہربانیوں کا کامل شعور اور اِسکے حسنِ سلوک کے احساس سے دل کے معمور رکھنے کا مقام ہے۔ اِس احسان شناسی کا نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ انسان بھی اِس ہستی کیلئے محبت اور ایثار کا مظاہرہ کرے اور اِسکے جو حقوق ہیں انہیں خوشی اور خلوص کے ساتھ ادا کرے۔ اگر کوئی انسان اِس کے برعکس کسی کی مہربانیوں اور دی ہوئی نعمتوں سے آنکھیں بند کر لے یا انکار کر دے تو اسی کا نام ناشکری یا کفر ہے اللہ تعالیٰ کے معاملے میں یوں سمجھ لیں کہ احسان شناسی شکر اور ایمان کی اور احسان فراموشی ناشکری یا کفر کی راہ ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ کی محبت اور عبادت کے صراطِ مستقیم سے ہٹانے کے لئے شیطان کا بنیادی ہتھیار ہی یہ ہے کہ وہ انسان کو نفسانی خواہشات اور مادی لذات میں الجھا کر احسان شناسی اور شکر و ایمان کی راہ سے ہٹا دیتا ہے۔

''شیطان نے کہا کہ مجھے تو تو نے ملعون کیا ہی ہے میں بھی ان کی خاطر تیرے صراطِ مستقیم پر بیٹھوں گا۔ پھر ان کے آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں سے (بے راہ کرنے کیلئے) آؤنگا اور تو اُن میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا۔''(اعراف۔16 تا 17)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو نیکی بدی اور خیر و شر میں تمیز کرنا سکھائی اور اعمال میں انتخاب و اختیار کی صلاحیت عطا کر کے زندگی اُس کے لئے ایک امتحان بنا دی ہے۔

''ہم نے انسان کو راہ بتا دی ہے اب چاہے وہ شکر گزار بنے یا ناشکرا بنے۔'' (الدھر۔3)

جس بندے کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا احساس و شعور ہوگا وہ ضرور اس کی اطاعت و بندگی کی راہ

اختیار کریگا۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں بتا دیا کہ وہ میری نعمتوں کے لئے شکر گذاری کرنے والے تھے اور یہ بھی مہربانی فرمائی کہ امت مسلمہ کو محدود اور ذاتی قسم کی نعمتوں کے تصور سے نکال دیا اور شکر گذاری کے شعور کو نئی جہتیں دے کر وسعت عطا فرمادی تا کہ اُسے اللہ کی معرفت کے اعلیٰ مقامات تک رسائی ہو۔

''ابراہیم اللہ کی نعمتوں کے شکر گذار تھے۔ اللہ نے ان کو برگزیدہ کیا اور صراط مستقیم پر چلایا اور ہم نے ان کو دنیا میں بھلائی دی تھی اور وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں ہونگے۔''
(نحل۔ 121 تا 122)

''اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لئے رات کو اور دن کو بنایا تا کہ تم اس میں آرام کرو اور اس کا فضل تلاش کرو تا کہ تم شکر کرو۔''(القصص۔ 73)

''بھلا دیکھو تو جو پانی پیتے ہو کیا تم نے اس کو بادل سے نازل کیا ہے یا ہم نازل کرتے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو اسے کھاری کر دیں پھر تم کیوں شکر نہیں کرتے۔''(واقعہ۔ 68 تا 70)

''وہی تو ہے جس نے سمندر کو تمہارے لئے مسخر کر دیا تا کہ اس میں سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس میں سے زیور (موتی) وغیرہ نکالو جسے تم پہنتے ہو۔ اور تم دیکھتے ہو کہ کشتیاں اس کو پھاڑتی ہوئی چلی جاتی ہیں تا کہ تم اللہ کے فضل سے معاش تلاش کرو تا کہ اسکا شکر کرو۔''(نحل۔ 14)

''اور ہم نے زمین میں تمہارا ٹھکانا بنایا اور اس میں تمہارے لئے سامان معیشت پیدا کئے مگر تم کم ہی شکر کرتے ہو۔''(اعراف۔ 10)

''اور ان کے لئے ایک نشانی مُردہ زمین ہے کہ ہم نے اس کو زندہ کیا اور اُس میں سے اناج اُگایا پھر یہ اس میں سے کھاتے ہیں اور اس میں کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کئے اور اس میں چشمے جاری کر دئے تا کہ یہ انکے پھل کھائیں۔ اور ان کے ہاتھوں نے تو انکو نہیں بنایا پھر یہ شکر کیوں نہیں کرتے۔ (یاسین۔ 32 تا 35)

''کیا اُنہوں نے نہیں دیکھا کہ جو چیزیں ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنائیں ان میں سے ہم نے ان کے لئے چوپائے پیدا کر دئے اور یہ ان کے مالک ہیں۔ اور اُن کو ان کے قابو میں کر دیا۔ کوئی تو اُن میں سے ان کی سواری ہے اور کسی کو یہ کھاتے ہیں اور اُن میں اِن کے لئے کئی فائدے اور پینے کی چیزیں ہیں تو یہ شکر کیوں نہیں کرتے۔''(یاسین۔ 71 تا 73)

"اور تمہارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تم بہت کم شکر کرتے ہو۔" (سجدہ۔9)

"اگر تم شکر کرو (یعنی اس کی نعمتوں کے احسان شناس بن کر) ایمان لے آؤ تو اللہ تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا اور اللہ تو قدر شناس اور دانا ہے۔" (نساء۔147)

"آپ کہہ دیجئے بھلا تم کو جنگلوں اور سمندروں کے اندھیروں سے کون نجات دیتا ہے جب تم اسے عاجزی اور دلی نیاز سے پکارتے ہو کہ اگر ہمیں اس مصیبت سے نجات دے تو ہم شکر گزاروں میں ہو جائیں گے۔ آپ فرما دیجئے کہ اللہ ہی تم کو اس سے اور ہر سختی سے نجات بخشتا ہے پھر تم اس کے ساتھ شرک کرتے ہو۔" (انعام۔63 تا 64)

جیسا کہ شکر کی تعریف میں ہم نے لکھا ہے کہ اگر انسان کو اللہ تعالیٰ کی ان گنت نعمتوں کا احساس اور شعور حاصل ہو جائے تو وہ قلب و زبان سے اسی کی حمد و ثناء کرے اور خلوص نیت کے ساتھ اسی کا مطیع اور تابع فرمان بن جائے۔

لا الہ گوئی بگو ازرُوئے جاں
تاز اندام تو آید بُوئے جاں

قرآن کریم میں والدین کا شکر ادا کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ انہوں نے تمہیں پالنے پوسنے میں جو مشقت اٹھائی اور جو تمہارے ناز نخرے اٹھائے انکا دلی احساس کرو اور تم بھی ان کے ساتھ شفقت اور رحمت کا سلوک کرو، ان کی خدمت کو کبھی بوجھ نہ جانو اور نہ ہی اُکتاہٹ کا اظہار کرو۔ یہ حقوق زبانی شکریہ کے چند الفاظ کہہ دینے سے پورے نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی شکر کا حق محبت و عبادت اور تسلیم و رضا کی راہ پر چلنے ہی سے ادا ہوتا ہے۔ اللہ کے ہاں اس منافقانہ روش کی کوئی قدر و قیمت نہیں کہ زباں پر الحمدللہ ہو رہا ہو اور دل شکووں سے پر اور غم دُنیا میں رو رہا ہو۔ تمام تر تعلیم و تربیت کا مقصود ہی یہ ہوتا ہے کہ انسان کا شعور اور سوچنے کا انداز بدلا جائے۔ جب ذہن بدلے گا تو طرز حیات میں بھی انقلاب برپا ہو جائے گا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو عطا کی گئی خصوصی نعمتوں کا ذکر کرنے کے بعد آل داؤد کو حکم دیا کہ شکر گذاری والے اعمال کرو کہ یہی اس کی نوازشوں کا حق ادا کرنے کا طریقہ ہے۔

اِعْمَلُوْا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ (سبا۔13)

"اے آلِ داؤد شکر گذاری والے اعمال کرو۔ اور میرے بندوں میں تھوڑے ہی شکر گزار ہیں۔"

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ ۔اللہ رحیم وکریم نے سچ فرمایا۔کیونکہ انسان اللہ کی دی ہوئی نعمتوں پرغور کرنا شروع کردے تو اپنے منعم حقیقی کو پہچان جائے اور اسکی بندگی کی راہ میں بچھتا چلا جائے۔یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں رسول اللہﷺ کی بعثت کا اولین مقصد یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ ''اللہ کی آیات یعنی نشانیاں بیان کرتے ہیں۔'' جن میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اسکی دی ہوئی نعمتوں کا ذکر ہوتا ہے۔اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ جو کہ بنی نوع انسان پر نہایت مہربان اور نعمتیں عطا کرنے میں سخی اور فراخ دل ہے میرے خیال میں وہ نعمتوں کا احسان نہیں جتلاتا بلکہ یہ احساس دلانا چاہتا ہے کہ اسے انسان سے بہت زیادہ محبت ہے تا کہ وہ بھی اس محبت کا جواب محبت سے دے اور اس کی محبت اور عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔لیکن ایسے بھلا کیونکر ہوسکتا ہے۔انسان کو اللہ تعالیٰ نے انتخاب وعمل کا اختیار خود عطا کیا ہے۔اور جہاں اختیار ہوگا وہاں اختلاف کا ہونا لازمی ہوتا ہے۔اب ذرا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے مقابلے میں انسان کے ظلم اور اسکی ناشکری کے بارے میں قرآن کریم کا ایک جامع بیان دیکھئے:

''اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے مینہ برسایا پھر اس سے تمہارے کھانے کے لئے پھل پیدا کئے اور کشتیوں کو تمہارے زیرفرمان کیا۔اور سورج اور چاند کو تمہارے لئے کام میں لگا دیا کہ دونوں ایک دستور پر چل رہے ہیں۔اور رات اور دن کو تمہاری خاطر مسخر کیا۔اور جو کچھ تم نے مانگا سب میں سے تم کو عنایت کیا۔اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتیں شمار کرنا چاہو تو احاطہ نہ کرسکو۔مگر بے شک انسان بڑا بے انصاف اور ناشکرا ہے۔''(ابراہیم۔31تا34)

علامہ اقبالؒ نے شاید اسی خیال کو شعر میں ڈھال دیا ۔

یہی انساں ہے سلطاں بحر و بر کا؟
کہوں کیا ماجرا ،اس بے بصر کا
نہ خود بیں نَے خدا بیں نَے جہاں بیں
یہی شاہکار ہے تیرے ہُنر کا؟

عروج وزوال کا معیار

1۔اعلیٰ اخلاق اور نفع رسانی

ملت ابراہیم کے نام سے جو نصاب بیان کیا گیا ہے وہ

کافی مشکل ہے اور اسے ایسا ہی ہونا چاہئے کیونکہ آزمائشوں اور دشواریوں سے گذرنے کے بعد ہی انسان میں وہ کردار پیدا ہوتا ہے جو اسے اللہ کا مقرب بناتا ہے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ اُمت مسلمہ کو خصوصی انعامات اور عالمی سیادت کی اہم ذمہ داری سے نوازنا چاہتا تھا اس لئے آخری دور کے لئے اپنے آخری رسول ﷺ کو اس پر چلنے کا حکم دیا تا کہ آپ کی اُمت حبیب خدا اور حامل خلق عظیم ﷺ کے نقوش پا پر چلتی ہوئی اخلاق و کردار کے اس مطلوبہ معیار پر آجائے جہاں اللہ کی طرف سے انہیں خیر الامت کا اعزاز بخشا جائے۔ اس برگزیدہ گروہ میں شمولیت کے لئے شرط اول یوں بیان فرمائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور اموال جنت کے عوض خرید لئے ہیں (سورۃ توبہ۔ 111) اس معیار کو دیکھتے ہوئے علامہ اقبال ؒ بھی پکار اُٹھے۔

یہ شہادت گہہ اُلفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آساں سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ بندہ مومن اس کے احکام کے سامنے سپر انداز ہو کر سرنگوں ہو جائے اس لئے حکم دیا کہ اسلام یعنی مکمل اطاعت میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور پھر شیطان اور خواہشات نفسی کا اتباع ہرگز نہ کرو یہی اللہ تعالیٰ کے دین کی تشریح و توضیح ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت و اتباع اور فرائض و نوافل کی پابندی کرنے سے مومن کے دل میں اللہ کی محبت گھر کر لیتی ہے۔ اِس کی زبان شُستہ اور اخلاق شائستہ ہوتے چلے جاتے ہیں اور وہ اللہ کی ساری مخلوق کے لئے سراپا رحمت و شفقت بن جاتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان مبارک ہے کہ **بُعِثْتُ لِاُ تَمِّمُ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ** مجھے تو بھیجا ہی اس لئے گیا ہے کہ اعلیٰ ترین اخلاق کی تکمیل کروں۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری ؒ نے بھی تعمیر ملت میں تحریر فرمایا ہے کہ فرض عبادات بالذّات مقصود نہیں بلکہ ہمارے باطن کو بدلنے اور زندگی میں تبدیلی لانے کا واحد اور بہترین ذریعہ ہیں۔ شعائرِ اسلام میں سب سے پہلی چیز ہے ایمان محکم اور سب سے آخری چیز ہے اخلاق کامل۔ اسلام یہی چاہتا ہے کہ اہل ایمان مجسم اخلاق، سراپا عجز و نیاز اور محبت و خدمت کے علمبردار بن جائیں۔ اسلام تو محبت اور رحمت کا دین ہے جس کا مقصود بنی نوع انسان کی خیر

خواہی اور خدمت ہے۔ یہ عالمی امن اور فلاح دارین کے لئے منشور ہے۔ اللہ تعالٰی کی ذات اور آخرت کی حیات پر ایمان لانے کی مشفقانہ نصیحت ہے جس میں جبر کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ ہمارا محبوب و معبود اللہ وہ ہے جس نے اپنی ذات کے لئے رحمت لکھ رکھی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ مومنین پر روؤف و رحیم اور عالمین کے لئے رحمت ہیں۔ اللہ کی کتاب قرآن مجید کی شان یہ ہے کہ اس میں نور و رحمت، شفا اور ہدایت ہے اور سچے مومن آپس میں بھائی بھائی اور دوسرے انسانوں کے لئے سراپا شفقت ہوتے ہیں۔ اپنی مجالس، مساجد، راستوں اور بازاروں میں ملتے اور وداع ہوتے وقت ایک دوسرے کے لئے سلامتی، رحمت اور برکت کے لئے دعا کرنا ہم اہل ایمان ہی کا شعار ہے۔ اور اللہ کی جنتوں میں بھی **سَلَامًا سَلَامًا** کی صدائیں سنیں گے۔

فطرت مسلم سراپا شفقت است
خلق را دست و زبانش رحمت است

یہ بات یاد رکھیں کہ اللہ تعالٰی کو اپنی مخلوق بہت پیاری ہے۔ **اَلْخَلْقُ عَيَالُ اللّٰه** کے مطابق ساری مخلوق اللہ تعالٰی کا کنبہ ہے۔ سب انسان ایک ہی باپ کی اولاد ہونے کے ناطے ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ جو بھی امت یا قوم بنی نوع انسان سے محبت کرتی اور اسکی خدمت کو اپنا شعار قرار دے لیتی ہے اللہ تعالٰی اسی سے محبت کرتا اور اپنی تائید و نصرت سے نوازتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان عالیشان ہے کہ **خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَنفَعُ النَّاس** ۔ یعنی سب سے اچھا انسان وہ ہے جو دوسروں کو نفع پہنچائے۔ جب قوم کا ہر فرد اسی جذبہ سے سرشار ہو اور انسانیت کی خدمت محض اللہ کی رضا کی خاطر کرے اسے ہی خیر الامت کہا جائے گا۔ انسانی تاریخ میں ایسے واقعات بھی نظر آتے ہیں جب کچھ عرصہ کے لئے ظلم و فساد برپا کرنے والی قومیں غالب آجاتی ہیں لیکن ان کا دور زیادہ طویل نہیں ہوتا اور اللہ تعالٰی ان کو منظر سے ہٹانے کا انتظام کر دیتا ہے مقام انسانیت اور احترام آدمیت سے عاری قومیں کبھی بھی پائیدار تہذیب کو جنم نہیں دے سکتیں فیضان سماوی سے محروم قوموں کے کمالات کی حد مشینوں کے انبار لگانے اور تباہی کے ہتھیار بنانے تک ہوتی ہے۔

برتر از گردوں مقامِ آدم است
اصلِ تہذیب احترامِ آدم است

اللہ تعالیٰ نے یہ اصول سمجھانے کے لئے قرآن کریم میں بڑی عمدہ مثال بیان فرمائی۔

''اللہ نے آسمان سے پانی اتارا پھر اس سے اپنے اپنے اندازے کے مطابق نالے بہہ نکلے پھر نالے پر پھولا ہوا جھاگ آ گیا۔ اور جس چیز کو زیور یا کوئی اور سامان بنانے کے لئے آگ میں تپاتے ہیں اس میں بھی ایسا ہی جھاگ ہوتا ہے۔ اس طرح اللہ حق اور باطل کی مثال بیان فرماتا ہے۔ سو جھاگ تو سوکھ کر زائل ہو جاتا ہے۔ جو بھی شے لوگوں کو فائدہ پہنچاتی ہے وہ زمین میں ٹھہری رہتی ہے اس طرح اللہ مثالیں بیان فرماتا ہے۔ جن لوگوں نے اللہ کے حکم کو قبول کیا ان کے لئے بہتری ہوگی اور جنہوں نے اس کو قبول نہ کیا اگر روئے زمین کے سب خزانے ان کے اختیار میں ہوں تو وہ سب کے سب اور انکے ساتھ ہی اتنے اور نجات کے بدلے صرف کر ڈالیں (مگر نجات کہاں) ایسے لوگوں کا حساب بھی برا ہوگا اور ان کے ٹھکانا بھی دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے۔'' (الرعد۔ 17 تا 19)

ان آیات کی جو تفسیر پیر محمد کرم شاہ ؒ نے ضیاء القرآن جلد دوم میں لکھی اسے نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے تا کہ اخلاق اور کردار کی اہمیت واضح ہو جائے۔

''اُس اُبھرے ہوئے جھاگ کے نیچے جو نتھرا ہوا پانی یا صاف پگھلی ہوئی دھاتیں ہیں۔ یوں سمجھ لیں کہ وہ حق ہے اور اُس پر اُبھرا ہوا جھاگ باطل ہے۔ بظاہر تو وہ جھاگ اُوپر ہے اور پانی اس کے نیچے چھپا ہوا ہے لیکن تھوڑی دیر بعد پانی کی کوئی لہر اُسے اٹھا کر کنارے پر پھینک دے گی اور کوئی کاریگر اُس میل کچیل کو نکال باہر کرے گا اور اسی جھاگ اور میل کا نام و نشان باقی نہ رہے گا۔ اسی طرح باطل ظاہری کروفر کے باوجود مٹنے والا ہے۔ حادثات کی کوئی ایک ٹکر ہی اُس کی مغرور گردن کو مروڑ کر رکھ دیتی ہے اور حق نتھرے ہوئے پانی کی طرح رواں دواں آگے بڑھتا ہے۔ باغوں اور کھیتوں کو سیراب کر کے ان کو نیا جوبن بخشتا ہے اور لاکھوں پیاسوں کی پیاس بجھاتا ہے۔ اب اس راز سے پردہ اٹھایا جاتا ہے کہ حق کو بقائے دوام کیوں بخشا گیا اور باطل کے مقدر میں فنا و زوال کیوں رقم ہوا۔ یہاں بیان ہوا کہ ہمارا یہ اصول ہے کہ جو چیز نفع رساں ہوگی، جس سے ہماری مخلوق کو فائدہ پہنچے گا، جو بزم ہستی کی رونق میں افزائش کا باعث ہوگی وہ باقی رہے گی اور جو چیز افادیت اور نفع رسانی کی صفت سے محروم ہوگی وہ فنا ہو جائے گی۔ جب بھی کوئی

چیز اپنی افادیت کھو بیٹھے وہ کسی وقت کتنی عزیز اور گراں قدر کیوں نہ ہو اس کو اٹھا کر باہر پھینک دیا جاتا ہے۔ آپ صبح سویرے اپنے باغیچہ سے خوبصورت رنگین اور پیارے پیارے پھول چن کر اُن کا گلدستہ بناتے ہیں اور کتنے شوق سے اسے کسی گلدان میں سجاتے ہیں۔ دن بھر انہیں دیکھ کر کتنی تازگی اور فرحت محسوس کرتے ہیں لیکن جب وہ دوسرے دن کُملا جاتے ہیں۔ ان کی مہک ختم اور انکی رنگت پھیکی پڑ جاتی ہے تو اس گلدستہ کو اپنے اِنہی ہاتھوں سے اٹھا کر باہر پھینک دیتے ہیں۔ یہی حال نظریات کا بھی ہے۔ زندگی کے کسی شعبہ سے متعلق ہوں جب تک وہ مفید نتائج پیدا کرتے رہتے ہیں زندہ سلامت رہتے ہیں اور جب وہ افادیت سے محروم ہو جاتے ہیں تو انہیں بھلا دیا جاتا ہے۔ قوموں اور افراد کے لئے بھی عروج وزوال کا یہی معیار ہے۔ جب تک کوئی فرد یا کوئی قوم اپنی تعمیری صلاحیتوں، پسندیدہ اخلاق اور منفعت بخش اعمال سے متصف رہتی ہے اس کی عظمت کا پرچم بلند فضاؤں میں لہراتا رہتا ہے اور ہر حادثہ اس کو نئی طاقت بخشتا ہے ہر آزمائش اس کی قوتوں کو جلا بخشتی ہے۔ لیکن جس وقت اس کی ذہنی قوتیں بانجھ ہو جاتی ہیں، ان کے اخلاق گر جاتے ہیں اور انکا طریقہ کار راہ راست سے بھٹک جاتا ہے تو عزت و کرامت کا جو تاج صدیوں سے ان کے سر پر جگمگا رہا تھا وہ چپکے سے اتار لیا جاتا ہے۔ وہ زرنگار مرصع تخت جس پر وہ بیٹھا کرتا تھا اس کے نیچے سے خود کھسک جاتا ہے۔ آپ قوموں کی ترقی وادبار کا مطالعہ کریں۔ آپ افراد کے عروج وزوال کا جائزہ لیں ایک ہی اصول ہر جگہ آپ کو جاری وساری نظر آئے گا۔ ہر قوم کو زندہ رہنے کے لئے قیمت ادا کرنا پڑتی ہے۔ ہر قوم کو عزت وناموری کے حصول کے لئے قربانی دینا پڑتی ہے اور پھر اس حاصل کردہ عزت وناموری کو برقرار رکھنے کے لئے شدید محنت سے کام کرنا پڑتا ہے اور یہی حال افراد کا ہے۔ ہم عروج حاصل کرنے کیلئے بڑے بڑے منصوبے بناتے ہیں ہم بلند مناصب تک پہنچنے کے لئے بڑے خواب دیکھا کرتے ہیں لیکن صد حیف وہ رستہ اختیار نہیں کرتے جو قدرت نے اس منزل تک پہنچنے کے لئے مقرر کیا ہے اور اس طرح عمر بھر ٹھوکریں کھاتے چلے جاتے ہیں۔ تھک کر چُور ہو جاتے ہیں اور منزل ہے کہ دور ہی دور ہوتی چلی جاتی ہے۔ ترقی کا خواب دیکھنے والوں، بام عروج پر پہنچنے کی تڑپ رکھنے والوں کو چاہئے کہ وہ اپنے وجود کو نفع بخش بنائیں دکھی دلوں کا سکوں بنیں تا کہ اشکبار آنکھیں ان کو دیکھ کر مسکرانے

لگیں۔اپنے دامنِ شفقت کوحتی الامکان کشادہ کریں تا کہ مصیبت زدوں کواس کے سایہ میں پناہ مل سکے۔منزل چل کرخود ان کے قدموں میں آئے گی اور اقتدار کی کرسی بصد منت ان کی خدمت میں پیش کی جائے گی۔جب تک بنی اسرائیل رشدوہدایت کاچراغ روشن کئے رہے'' **اِنِّـــی فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعَالَمِیْن** ''کاشرف انہیں نصیب رہاجب ملت اسلامیہ نے اس ذمہ داری کوسنبھالاتو **خَیْرُ الْاُمَم** کاتاج ان کے سر پر رکھ دیا گیا۔اپنے عہدعروج میں جہاں جہاں بھی مسلمان گئے جہالت کے اندھیروں میں علم وعرفان کے چراغ روشن کرتے رہے۔لق ودق صحرا ،مرغزاروں اور لالہ زاروں میں بدل گئے ۔انکے اٹھارہ سالہ بچے مشرق ومغرب کے مظلوموں اورستم زدوں کی امداد کے لئے پہنچےاورانہیں ظلم واستبداد کی زنجیروں سے آزاد کرایا۔اگر ان کے عالم تحقیق واجتہاد سے علم وحکمت کے گلستانوں میں تازہ پھول کھلارہے تھےتو اُن کاایک کاشتکاراورایک باغباں بھی اپنے ذوق تجدید کی تسکین کے لئے پھلوں،پھولوں اوراناجوں میں عمدہ سے عمدہ قسمیں پیدا کررہاتھا۔ان کاطبیب اگرامراض جسمانی کی تشخیص میں سب سے گوئے سبقت لے گیا تھاتو اُن کاصوفی روحانی امراض کی چارہ گری میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔جب تک اس قوم کاوجودخیروبرکت کاسرچشمہ بنارہااس کی پیش قدمی کوروکنے کی ہرکوشش ناکام ثابت ہوئی اور جب اس کی صلاحتیں سہل انگاری کاشکارہوگئیں،جب اسکانشترتحقیق کندہوگیا اور جذبہ اجتہادٹھنڈاپڑگیا،جب اس کے حوصلے پست اورولولے سردہوگئے،جب اس کے نوجوانوں کو شمشیروسناں سےنفرت اورطاؤس ورباب سے پیارہوگیاتو پھراسی اصول کےتحت تخت وتاج سے دستبردارہوناپڑا۔الحمرا کی دیواروں کے سایوں میں انکے بوڑھوں اوربچوں کوبیدردی سے ذبح کردیاگیا۔شاہی محلوں میں شہزادیوں کی عصمتیں لوٹی گئیں اورانہیں اندلس کی سرزمین سے جہاں انہوں نے نوسوسال تک حکومت کی تھی نکلناپڑا۔یہی حال ہندوستان اوردوسری جگہوں پر ہوا۔عزت وکرامت کی وہ قباءزریں جواُن کے آباؤاجداد نے بڑی محنت ومشقت سے حاصل کی تھی وہ انہیں اپنے ہاتھوں سے اتارکردوسروں کودینی پڑی۔یہ اللہ تعالیٰ کاقانون ہےاوراس میں کسی قوم یافردکالحاظ نہیں کیاجاتا۔اگرتم اپنی موجودہ حالت پرخوش نہیں ہوتو منہ بسورنے یاسرد آہیں بھرنے سے کچھ نہیں بنے گا۔اپنے آپ کوبدلئے زمانہ خودبخودبدل جائے گا۔یہی سبق

قرآن نے آپ کو پڑھایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ اپنے نفسوں کو نہ بدلیں اور یہ بھی آپ کو بتادیا گیا ہے کہ قوم ہو یا فرد بقاء دوام اس کے لئے ہے، عزت کی بلندیاں اس کے لئے ہیں جس سے خلق خدا کو فائدہ ہو۔ آئیں اپنے آپ کو مخلوق کے لئے نفع رساں بنائیں۔ اپنی صلاحیتوں کی برتری، اپنی سیرت کی پاکیزگی، اپنے عزائم کی پختگی اور حق کے لئے جینے اور حق کے لئے مرنے کا ثبوت بہم پہنچائیں۔ دنیا خود ہی آپ کو اپنی آنکھوں پر بٹھائے گی۔" (تفسیر ضیاء القرآن۔جلد دوم)

رقابت اقوام

افراد ہوں یا قومیں ترقی کرنے اور آگے بڑھنے کی دوڑ میں مسابقت یا باہمی مقابلے کا جذبہ بڑا اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ عالمی سطح پر دو یا دو سے زیادہ قومیں یا تہذیبیں موجود رہیں۔ اللہ تعالیٰ کی علیم و حکیم ذات نے ایسا ہی انتظام کیا ہے اور اس کی حکمتوں سے بھی ہمیں آگاہ کر دیا۔ اُمت وسطٰی ہونے کی حیثیت سے ہمیں یہ حکم تو دیا کہ اہل کتاب کو پُر از حکمت دلائل اور پیار بھری نصیحتوں کے ساتھ دعوت حق ضرور دیتے رہنا۔ لیکن یہ بھی فرما دیا کہ بقاء باہمی کے اصول پر قائم رہنے کے باوجود ان سے دوستی ہرگز نہ کرنا تاکہ مسابقت کا جذبہ سرد نہ پڑ جائے۔ اب ان ہدایات سے متعلقہ آیات کا ترجمہ سنیئے:

ہم نے انسانوں کے ہر گروہ کے لئے ایک دستور اور طریقہ مقرر کیا ہے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت کر دیتا۔ لیکن جو کچھ اس نے تمہیں دیا وہ چاہتا ہے اس میں تمہیں آزمائے۔ سو تم نیک کاموں میں ایک دوسرے کا مقابلہ کرو۔ تم سب کو لوٹ کر اللہ ہی کے پاس جانا ہے پھر جن باتوں میں تم کو اختلاف تھا وہ تم کو بتا دے گا۔" (مائدہ۔48)

"اے ایمان والو یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ یہ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اور تم میں سے جو ان کو دوست بنائے گا وہ انہیں میں سے ہوگا۔ بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ جن لوگوں کے دلوں میں مرض ہے تم ان کو دیکھو گے کہ ان میں دوڑ دوڑ کر ملے جاتے ہیں کہ ہمیں خوف ہے کہ کہیں ہم پر زمانے کی گردش نہ آ جائے۔ سو قریب ہے کہ اللہ فتح بھیجے یا اپنے پاس سے کوئی امر نازل فرمائے پھر یہ اپنے دل کی باتوں پر جو چھپایا کرتے تھے پشیمان ہو کر رہ جائیں"۔

(النساء۔51 تا 52)

''اے ایمان والو جن لوگوں کو تم سے پہلے کتابیں دی گئی تھیں اُن کو اور کافروں کو جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے دوست نہ بناؤ۔ اور مومن ہو تو اللہ سے ڈرتے رہو''۔ (النساء۔57)

''اے اہل ایمان تمہارے مال و جان میں تمہاری آزمائش کی جائے گی اور تم اہل کتاب اور اِن لوگوں سے جو مشرک ہیں بہت سی ایذا کی باتیں سنو گے۔ تو اگر صبر اور پرہیزگاری کرتے رہو گے تو یہ بڑی ہمت کے کام ہیں''۔ (آل عمران۔186)

محولہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ نے جو حقائق بیان فرمائے ہیں موجودہ دور کے حالات اور عالمی سطح پر اسلام کے خلاف جو گروہ بندی ہو رہی ہے وہ اِن کی تصدیق کر رہی ہے۔ یہودیوں اور عیسائیوں کی دوستی اب ایک کھلی حقیقت ہے۔ اسرائیل کی خاطر امریکہ اور عیسائی حکومتیں سب کچھ کرنے کو تیار رہتی ہیں۔ اِن دونوں کے ساتھ اب بت پرست مشرکین کی سالار بھارت سرکار کا گٹھ جوڑ ہو جانا بالکل فطری بات اور قرآن کی صداقت کا آئینہ دار ہے۔ اِن حالات میں جو مسلمان حکمران حزب الشیطان کی طاقت سے مرعوب ہو کر ڈرے اور مرے جا رہے ہیں، اِن کا ساتھ دینے ہی میں اپنی مصلحت جانتے ہیں اِن کی تشخیص بھی فرما دی ہے کہ ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیار کی بجائے نفاق کا آزار براجمان ہے۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ ''کفر ملت واحد ہے'' اور اِسکا مقابلہ فرقوں اور قوموں میں بٹ کر نہیں بلکہ اُمت واحدہ بن کر ہی کیا جا سکتا ہے۔ اِس کے ساتھ ہی اُمت مسلمہ کے ہر فرد کے دل میں یہ یقین ہونا چاہیے کہ صرف ہم ہی حق پر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سچے دین کے علمبردار صرف کالی کملی والی سرکار ﷺ ہی کے غلام ہیں اور حاملین قرآن کریم کے سوا کوئی اُمت یہ دعویٰ نہیں کر سکتی کہ اِس کے پاس اصل زبان اور غیر تحریف شدہ متن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی کتاب موجود ہے۔ اہل کتاب کے ساتھ مکالمہ کا انداز اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں خود تعلیم فرمایا ہے۔

''آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب تم ہم میں برائی ہی کیا دیکھتے ہو سوا اس کے کہ ہم اللہ پر اور جو کتاب ہم پر نازل ہوئی اِس پر اور جو کتابیں پہلے نازل ہوئیں اِن پر ایمان لائے ہیں اور تم میں اکثر نافرمان ہیں''۔ (المائدۃ۔59)

''اے میرے حبیب ﷺ آپ اسی دین کی طرف لوگوں کو بلاتے رہنا اور جیسا آپ کو حکم ہوا ہے اِس پر قائم رہنا اور اِن کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا۔ آپ کہہ دیجئے کہ جو کتاب اللہ نے نازل فرمائی ہے اِس پر ایمان رکھتا ہوں اور مجھے حکم ہوا ہے کہ تم میں انصاف کروں۔ اللہ ہی ہمارا اور تمہارا رب ہے۔ ہم کو ہمارے اعمال کا اور تم کو تمہارے اعمال کا بدلا ملے گا۔ ہم میں اور تم میں کچھ بحث وتکرار نہیں۔ اللہ ہم سب کو اکٹھا کرے گا اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے''۔
(الشوریٰ۔15)

اِنسانیت کے دو گروہ

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اہل کتاب اور دوسرے انسانوں کے ساتھ خیر خواہی اور نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔ لیکن یہ بھی بتا دیا کہ ان کی سوچ اِس طرح کی ہے کہ وہ تمہاری بھلائی سے رنجیدہ اور تمہاری تکلیف سے خوش ہوتے ہیں اور وہ کبھی تمہارے دوست نہیں ہو سکتے۔ دنیا کے تمام انسان دو گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ ہر فرد ہر گروہ اپنے اعمال اور کردار کا جائزہ لے کر معلوم کر سکتا ہے کہ اس نے کس فوج کی وردی پہن رکھی ہے حزب اللہ کی یا حزب الشیطٰن کی۔ اب دونوں گروہوں کے اوصاف و اہداف ملاحظہ ہوں:۔

''اے لوگو اللہ کا وعدہ سچا ہے پس دنیا کی زندگی تم کو دھوکے میں نہ ڈال دے اور نہ شیطان فریب دینے والا تمہیں فریب دے۔ شیطان تمہارا دشمن ہے اور تم بھی اسے دشمن ہی سمجھو۔ وہ اپنے گروہ کو بلاتا ہے تا کہ وہ دوزخ والوں میں ہوں۔'' (فاطر۔5 تا 6)

''شیطان نے ان کو قابو میں کر لیا ہے اور اللہ کا ذکر انہیں بھلا دیا۔ یہ جماعت حزب الشیطان ہے۔ اور سُن رکھو کہ حزب الشیطان ہی نقصان اٹھانے والا ہے۔'' (مجادلہ۔19)

''جو لوگ اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں تم ان کو اللہ اور اسکے رسول کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ دیکھو گے خواہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا خاندان کے لوگ ہی ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے اور اپنے فیض سے ان کی مدد کی ہے۔ اور وہ ان کو بہشتوں میں جن کے تلے نہریں بہہ رہی ہیں داخل کرے گا ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ اللہ ان سے خوش اور وہ اللہ سے خوش۔ یہی گروہ حزب اللہ ہے اور سن رکھو کہ حزب اللہ (یعنی

اللہ کا لشکر) ہی مراد حاصل کرنے والا ہے۔'' (مجادلہ۔22)

''تمہارے دوست اللہ اور اس کے پیغمبر اور مومن لوگ ہی ہیں جو نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے اور اللہ کے آگے جھکنے والے ہیں۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں سے دوستی رکھے گا وہ حزبُ اللہ میں داخل ہوگا اور یہی گروہ غلبہ پانے والا ہے۔ (المائدۃ۔55 تا 56)

اور حزبُ الشیطان کی علامت یہ بتائی گئی ہے کہ شیطان نے انہیں اپنے پیچھے لگا کر اللہ تعالیٰ کی یاد اور نماز سے غافل کر دیا ہے۔ سورۃ المائدۃ میں ایک دوسری جگہ یہ فرمایا گیا کہ انسانوں کو بہکانے، باہم لڑانے اور ذکر و نماز سے دور ہٹانے کیلئے شیطان جو ناپاک حربے استعمال کرتا ہے وہ ہیں شراب، جواء، پانسے، لاٹریاں اور صنم کدے اور عُریانی۔ اب خود ہی دیکھ لیں کہ کون کون سے گروہ ان برائیوں میں گلے گلے تک ڈوبے ہوئے ہیں۔ اور اس طرزِ حیات کو جدید تہذیب اور روشن خیالی کا نام دے کر پوری دنیا میں پھیلانے کے لئے تمام ذرائع استعمال کرنے کے لئے متحد ہو چکے ہیں۔ وہ حزبُ اللہ پر نہ صرف علمی فکری اور تہذیبی یلغار کر رہے ہیں بلکہ وحدت سے تہی اور انتشار میں مبتلا اُمتِ مسلمہ کی اسلحہ کو قوت سے دھمکا بھی رہے ہیں۔ اس صورت حال کا مقابلہ صرف مساجد میں یہود اور نصاریٰ کی تباہی کیلئے بددُعاؤں سے نہیں کیا جا سکتا۔ بقول اقبالؒ ؎

کر سکتی ہے بے معرکہ جینے کی تلافی
اے شیخِ حرم تیری مناجاتِ سحر کیا

پلٹو اللہ کی طرف

اس کے لئے اُمتِ مسلمہ کو حزبُ اللہ کے سالارِ اعظم حضور سرکار مدینہ ﷺ کے پیچھے پھر سے صف بندی کر کے عہدِ وفا باندھنا ہوگا تا کہ اللہ ہمارا ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کی طرف پلٹنے کے لئے سب سے پہلا قدم ہمارا یہ ہونا چاہئے کہ مذہبی فرقہ بندیوں اور سیاسی گروہ بندیوں سے توبہ کر کے مسلم اور صرف مسلم بن جائیں۔ ایک ہی گروہ اور ایک ہی جماعت بن جائیں تا کہ اللہ کی ہر مسجد ہم سب کی مسجد بن جائے اور ہم ہر جگہ با جماعت نماز پڑھ سکیں۔ ہماری سیاست اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کی اطاعت و اتباع اور زمین پر اللہ کی حکمرانی قائم کرنا ہے۔ اس سیاست کے مقابل جس حزبِ اختلاف کی ضرورت ہوتی ہے وہ حزبُ الشیطان کی صورت میں پہلے ہی سے موجود ہے۔ اس لئے امت کو تقسیم کرنے اور باہمی لڑنے والی

پارٹیاں بنانے والی سیاست ایک لعنت اور عذاب کی صورت ہے۔اس سے چھٹکارا حاصل کئے بغیر ملی اتحاد کا خواب کبھی پورا نہ ہوگا۔حکیم الامت اقبال ؒ کی دانائی وحکمت پر ہی اعتماد کرلیں اور اس سیاست کوخیر باد کہہ دیں:

پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصارِ دیں میں ہو
ملک و دولت ہے فقط حفظ حرم کا اِک ثمر
ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر

دوسرا اقدم مسلم امت کے لئے سو فیصد تعلیم اور جدید ٹیکنالوجی کا حصول ہے تا کہ ہم اسلحہ اور قوت کے دیگر اسباب تیار رکھنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کے مرتکب نہ ہوں۔اللہ کا فرمان ہے:

''جہاں تک ہوسکے تم قوت کا سامان اور گھوڑوں (یعنی ذرائع نقل وحمل) کی تیاری سے مستعد رہو کہ اس سے اللہ اور تمہارے دشمنوں اور ان کے سوا اور لوگوں پر جن کو تم نہیں جانتے اللہ جانتا ہے ہیبت بیٹھی رہے گی ۔اس کے لئے تم جو کچھ بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اس کا اجر تمہیں پورا پورا دیا جائے گا اور تمہارا ذرا نقصان نہیں کیا جائے گا۔''(الانفال ۔60)

اگر چہ ہم اس میدان میں یورپی اقوام اور امریکہ سے بہت پیچھے رہ گئے ہیں اور انکی برابر کی سطح پر پہنچنے میں کافی وقت درکار ہوگا لیکن دشمنوں پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے اہم ترین عنصر اللہ تعالیٰ کی مدد ہے جس کے حصول کے لئے کوئی مدت درکار نہیں ہے ۔ہمیں صرف یہ کرنا ہوگا کہ ہم **من حیث الامت** اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ترک کرکے حضور نبی رؤف ورحیم ﷺ کے دامن رحمت میں پناہ لے لیں ۔جیسا کہ حضرت عمر فاروق ؓ نے اپنے سپہ سالار عمر بن عاص ؓ کو لکھا تھا کہ:۔

''ہمیں اللہ تعالیٰ اس لئے فتح دیتا ہے کہ ہمارا دشمن اللہ کا نافرمان ہے ۔اگر ہم بھی نافرمان ہوجائیں تو اللہ کی نصرت سے ہم محروم ہوجائیں گے ۔پھر جنگ اسلحہ اور نفری کی ہوگی ۔جس کا اسلحہ بہتر اور نفری زیادہ ہوگی وہ جیت جائے گا۔ہم ہمیشہ تھوڑے اسلحہ اور نفری کے ساتھ اللہ کی نصرت کی وجہ سے کامیاب ہوتے ہیں اسلئے تم اپنی فوج کا جائزہ لو کہ کہیں اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کی نافرمانی تو نہیں ہورہی جس کی وجہ سے فتوحات رک گئی ہیں ۔''اس لئے حتی الامکان

سامان حرب اکٹھا کرنے کے ساتھ ساتھ یہ امر بھی نہایت ضروری ہے کہ ملت کے ہر فرد کے اخلاق وکردار کا معیار اللہ تعالیٰ کی فوج کے سپاہی کے ساتھ مطابقت رکھتا ہو۔اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہو تو چھوٹے چھوٹے گروہ بڑی فوجوں پر غالب آتے رہے ہیں اور آسکتے ہیں۔حزب اللہ اور حزب الشیطان کے بارے میں اقبال کی پیشگوئی دیکھیں:۔

اللہ کو پامردی مومن پہ بھروسا
اِبلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا
تقدیر اُمم کیا ہے کوئی کہہ نہیں سکتا
مومن کی فراست ہو تو کافی ہے اشارہ

ابلیس کے گروہ کا کام ہوس مال و جاہ کے لئے خوں ریزی کرنا اور کمزور قوموں کو غلام بنا کر ان کا استحصال کرنا اور زمین میں فساد پھیلانا ہوتا ہے۔حزب اللہ کا کام انسانوں کو انسانوں کے ظلم و استبداد سے نجات دلا کر زمین پر عدل کی فضا قائم کرنا ہوتا ہے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

''جو مومن ہیں وہ اللہ کے لئے لڑتے ہیں اور جو کافر ہیں وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں۔سو تم شیطان کے دوستوں سے لڑو اور (ڈرو مت) کہ شیطان کا داؤ بودا ہوتا ہے۔''(نساء۔76)

حقیقت ازلی ہے رقابتِ اقوام
نگاہ پیر فلک میں نہ میں عزیز نہ تُو
خودی میں ڈوب زمانے سے ناامید نہ ہو
کہ اِس کا زخم ہے درپردہ اہتمام رفُو
رہے گا تو ہی جہاں میں یگانہ و یکتا
اتر گیا جو تیرے دل میں لَاشَرِیکَ لَہٗ
(ضرب کلیم)

اِن اشعار میں علامہ نے یہ حقیقت بتائی ہے کہ اللہ کی بادشاہی میں قوموں کے عروج وزوال کے فیصلے جانبداری کی بنا پر نہیں بلکہ خالصتاً ان کے اخلاق وکردار اور خلق خدا کی خدمت کے معیار کو سامنے رکھ کر کئے جاتے ہیں۔کفار اور اہل کتاب کی یلغار اور عداوت کی وجہ سے امت مسلمہ کو جو دکھ پہنچایا جا رہا ہے وہ اس لئے ہے تا کہ امت خواب گراں سے بیدار ہو کر اپنی اصلاح کر لے۔

آخری مصرع میں "**لَا شَرِيكَ لَهٗ**" کودل میں اتار لینے کو کامرانی کا نسخہ قرار دیا ہے تو اس کے لئے بھی ہمیں اللہ کے دیئے ہوئے نصاب کی طرف ہی لوٹنا ہوگا کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کے دل کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ نے باربار تصدیق فرمائی کہ **مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ**۔ اس پر عمل ہی سے ایمان دلوں کے اندر داخل ہوگا اور ہم حقیقی مومن بن سکتے ہیں (حجرات۔14) ایک حدیث مبارکہ بھی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰى صُوَرِكُمْ وَلَا اِلٰى اَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَّنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ وَاَعْمَالِكُمْ۔ (صحیح مسلم ومسنداحمد)

اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور اموال کو نہیں بلکہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دلوں کے اندر اللہ تعالیٰ کے لئے ایسی شدید محبت اور اسکی راہ میں سب کچھ قربان کردینے کی کیفیت کیونکر پیدا کی جاسکتی ہے۔علامہ اقبال نے اس کا جواب بھی نصاب ہی سے نکال دیا ہے:

یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آداب فرزندی

موجودہ اداروں سے تعلیم حاصل کرنے والے بچے تو باپ کے فرمان پر بال کٹوانے کے لئے بھی تیار نہیں ہوتے اور ایک وہ بچہ جس کا دل فیضان نظر سے منور تھا اپنے باپ کے اشارے پر اللہ کی راہ میں سر کٹوانے کے لئے تیار ہوگیا۔اللہ تعالیٰ کی کروڑوں رحمتیں ہوں اس عظیم باپ پر اور حلیم بیٹے پر اور انکے بیٹے حضرت **مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ** پر جنہوں نے اپنے دور میں فیضان نبوت سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مال اور جانیں نثار کرنے والی ایک اُمت تیار کی جنہیں زندگی ہی میں رضوان کی بشارت اور خیر الامت ہونے کی سعادت عطا کی گئی۔حضور ﷺ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مثل کسی نبی کے اصحاب نہ تھے۔انہوں نے روایتی مدرسوں سے تعلیم حاصل نہیں کی تھی بلکہ صحبت رسول اللہ ﷺ ہی ان کی واحد وجہ فضیلت تھی۔فیضان نظر کیمیا اثر نے کمال کر دکھایا کہ:

خود جو تھے نہ راہ پر اوروں کے رہبر ہوگئے
کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کردیا

اب بھی یہ نعمت بے بہا مادی سائنس کے علاموں اور بادشاہوں کے خزانوں سے نہیں بلکہ

حضورؐ کے غلاموں کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے سے ہی ملتی ہے۔اللہ والے سچے صوفیوں کا یہی کام ہوتا ہے کہ اپنی توجہ اور فیضِ صحبت کے اثر سے تزکیہ اخلاق اور تصفیہ قلوب کر کے اِن میں اللہ تعالیٰ کی محبت کی شمع روشن کر دیتے ہیں۔ یہی حقیقی فقیری ہے اور اِسی کا نام اسلامی تصوف ہے جس کا منبع انور ہمارے سرکار، ابدِ قرار احمد مختار ﷺ کی ذات مبارک ہے۔انسانی فکر اللہ کے ذکر کے بغیر اپنی حقیقی منزل اور کمال تک نہیں پہنچ سکتی اِس لئے سائنس اور ٹیکنالوجی میں مہارت پیدا کرنے سے بھی پہلے یہ ضروری ہے کہ تزکیہ اخلاق اور اصلاح قلوب کیلئے صحبت صالحین و صادقین سے مستفیض ہونے کا اہتمام بھی کیا جائے تا کہ ملت کا ہر ہر فرد مومن، متقی اور اللہ کی رضا کا طالب بن جائے۔

دورِ جدید کا قلندر اور مردِ مومن اقبالؒ اور ان کے مُرشد مولانا رومؒ ہمیں تاکید کر رہے ہیں کہ حقیقت دین تک رسائی مردانِ خدا کے سامنے جبہ سائی کے بغیر ممکن نہیں۔

علم کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں
ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں
صحبت اہل صفا نور و حضور و سُرور
سر خوش و پُر سوز ہے لالہ لبِ آبجو
صحبت از علم کتابی بہتر است
صحبت مردانِ حُر آدم گر است
صد کتاب و صد ورق در نار کن
رُوئے دل را جانبِ دلدار کن
دیں مجو اندر کُتب اے بے خبر
علم و حکمت از کتب دیں از نظر
صحبتِ شاں خاک را اکسیر کرد
لطفِ شاں بر ہر دِلے تاثیر کرد

افراد کی اِن خطوط پر تربیت کرنے ہی سے اُمت اِس معیار پر آ سکتی ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت اِس کے شامل حال ہو جائے۔اللہ تعالیٰ نے نصرت کے جو وعدے کر رکھے ہیں انہیں ہمارے ایمان اور اخلاق و کردار کے ساتھ مشروط کر رکھا ہے۔

"جولوگ نافرمانی کرتے تھے ہم نے اِن سے بدلا لے کر چھوڑا۔ اور مومنوں کی مدد ہم پر لازم تھی"۔ (الروم۔47)

"اے ایمان والو اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمہاری مدد کریگا اور تم کو ثابت قدم رکھے گا"۔ (محمد۔7)

"اگر اللہ تمہارا مددگار ہے تو تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو پھر کون ہے کہ تمہاری مدد کرے۔ اور مومنوں کو اللہ ہی پر توکل رکھنا چاہیے"۔ (آل عمران۔160)

"اللہ نے لکھ رکھا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب رہیں گے۔ بے شک اللہ زور آور اور زبردست ہے"۔ (مجادلہ۔21)

ہمارے آبا وٴاجداد تو سراپا کردار تھے لیکن ہم صرف گفتار کے غازی بن کر رہ گئے۔ کلمہ طیبہ تو پڑھ لیا لیکن دِل پاک نہ ہو سکے۔ ہم نے اللہ تعالٰی کی محبت اور آخرت کی طلب سے منہ موڑ کر دنیا اور اس کی عارضی نعمتوں کو مقصودِ حیات بنا لیا تو پھر ہمیں موت سے ڈر آنے لگا حالانکہ اسلام اپنے ماننے والوں کے دلوں سے موت کا خوف دور کر کے آخرت کی زندگی کا پیار پیدا کرتا ہے اور سورۃ جمعہ میں موت کی تمنا کرنے کو صداقت کا نشان بتایا ہے۔ اقبال تو اِس سے بھی آگے کی بات کرتا ہے۔

مسلمانے کہ مرگ از وے بلرزد
جہاں گردیدم و اُورا ندیدم

ایسا مسلمان جس سے موت بھی لرزتی ہو۔ میں نے دنیا دیکھی لیکن وہ نظر نہ آیا۔

اگر ہمیں اپنا کھویا ہوا مقام پھر سے حاصل کرنا ہے تو اپنے آپ کو بدلنا ہو گا۔ اللہ تعالٰی کی محبت کو دل میں بسا کر حبیبِ خدا ﷺ کے نقشِ قدم پر چلنا ہو گا۔ ملت ابراہیم پر عمل پیرا ہو کر اپنے آپ کو اولادِ ابراہیم علیہ السلام ثابت کرنا ہو گا۔ تا کہ نمرودِ وقت نے ہمیں مرعوب کرنے کیلئے جو آگ جلا رکھی ہے اِسکا مقابلہ ایمان محکم کی قوت سے کر سکیں۔

ہو اگر آج بھی ابراہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

اگر اُمت مسلمہ اپنے عقائد و اعمال کو قرآن کریم کے مطابق کر لے اور اللہ کے دیئے ہوئے

آ ئین کو اِسکے رسول ﷺ کی سنت کے مطابق زندگی کے ہر شعبہ میں نافذ کر دے تو اللہ تعالیٰ اِس سے راضی ہو جائیں گے۔ پھر کامیابی اِس کے قدم چومے گی۔ یہ بات تو یقینی ہے کہ مستقبل اُمت مسلمہ ہی کا ہے لیکن اِس کیلئے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا ضروری ہے۔

کیونکہ اِنسانوں کی فلاحِ دارین کا ضامن آ ئین اِسی کے پاس ہے۔ اولادِ آدم کے رنج وغم اور درد و کرب کے علاج کیلئے نسخہ کیمیا اِسی کی بغل میں ہے۔ حزبُ الشیطان کیلئے فتنہ فرد ابنا اور طاغوت کے مکروفریب کو توڑنا اِس کا مقدر بنا دیا گیا ہے۔ دنیا کی امامت کا تاج اِسی کے سر کیلئے مخصوص ہو چکا ہے۔ فرشتوں کی فوجیں اِسکی مدد کی لئے ایستادہ ہیں۔ اب کوتاہی اور سُستی ہماری طرف سے ہو رہی ہے کہ حزبُ اللہ اپنی صفیں درست نہیں کر پا رہی۔ اگر آج ہم متحد ہو کر اللہ کی مدد کے سہارے باطل کے مقابل کھڑے ہو کر فضاءِ بدر پیدا کر لیں تو اللہ اور اِس کے فرشتے ہمارے مددگار ہو جائیں۔ پھر حسبِ فرمان ہم پر کوئی غالب نہ آ سکے گا۔ یہ خیال دل سے نکال دیں کہ اللہ کے سوا بھی کوئی سپر پاور ہے۔ اللہ تعالیٰ خوشحالی اور غلبہ عطا کر کے قوموں کو پرکھتا ہے کہ کونسی جماعت انسانوں کی خدمت کرتی ہے اور کونسی فتنہ و فساد برپا کرتی ہے۔ گذشتہ اُمتوں میں سے بھی ایک قوم اللہ کو بھول گئی اور طاقت کے گھمنڈ میں یہ نعرہ بلند کیا کہ کون ہے جو ہم سے زیادہ طاقتور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری ایمانی قوت کو سہارا دینے والا جو جواب اِس قوم کو دیا وہ ملاحظہ ہو۔

''جو عاد تھے وہ ناحق زمین میں غرور کرنے لگے اور کہنے لگے کہ ہم سے بڑھ کر قوت میں کون ہے۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ جس نے ان کو پیدا کیا وہ ان سے قوت میں بہت بڑھ کر ہے۔ اور وہ ہماری نشانیوں سے انکار کرتے تھے۔ تو ہم نے بھی ان پر نحوست کے دنوں میں زور کی ہوا چلائی تا کہ اُن کو دنیا کی زندگی میں ذلت کے عذاب کا مزہ چکھا دیں اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی ذلیل کرنے والا ہے اور ان کو کوئی مدد نہیں ملے گی۔'' (حم سجدہ۔15)

دِین محبت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

1۔محبت اور سلسلہ عالیہ توحیدیہ

آپ سب بھائی اچھی طرح جانتے ہیں کہ
ہمارے سلسلے کی تعلیم میں توحید اور محبت کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔بانی سلسلہ رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن وسنت کے مطابق ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ذات وصفات ہر لحاظ سے واحد اور بے مثل سمجھو۔اللہ کے سوا نہ کسی سے ڈرو نہ کوئی توقع رکھو۔نہ کسی پیر،فقیر،امام،ولی یا نبی کو کسی حیثیت سے اللہ کا شریک جانو۔تمام علماء کرام اور بزرگان کی عزت کرو،ان کی صحبت سے دلوں کا نور حاصل کرو اور انکی خدمت کر کے ان کی دعائیں لو۔جو لوگ مقربین بارگاہ ہیں ان کی کرامات کو برحق سمجھتے ہوئے بھی مشکل کشا اور حاجت روا صرف اللہ کی ذات کو جانو۔اہل اللہ سے کشف و کرامات کے صدور کے باوجود اتباع صرف اور صرف رسول اللہ ﷺ کا کرو جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت اور قرب و رضا کے متلاشیوں کیلئے کامل ترین نمونہ قرار دیا ہے۔اس بات کو ہمیشہ ذہن میں رکھیں کہ حضور ﷺ خلق عظیم کے بلند ترین مرتبہ پر فائز ہیں اور ازل سے ابد تک کوئی بشر کسی بھی نیکی اور خوبی میں نہ حضور ﷺ سے افضل ہوا ہے اور نہ ہی ہوگا۔آپ کا خلق ہر نقص اور خامی سے پاک تھا۔اس لئے جو بھی صاحب کمال ہوگا وہ حضور کے رنگ میں رنگا ہوا ہوگا۔سلسلہ توحیدیہ کے طریقہ پر سلوک طے کرنے والوں کا ہدف کشف و کرامات،سلب امراض اور تعویذ گنڈوں سے علاج ہرگز نہیں ہے بلکہ ہمارا مقصود قرآن وسنت کی تعلیم کے مطابق نماز اور کثرت ذکر کی پابندی کرتے ہوئے اللہ کے قرب اور دیدار کا حصول ہے۔روحانیت کا یہ بلند مقام تسلیم ورضا اور اللہ کی محبت کے رنگ میں رنگے بغیر حاصل نہیں کیا جاسکتا۔اس لئے ہمیں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے اور تمام حقوق العباد ادا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی محبت کو تمام مخلوقات کی محبت پر مقدم رکھیں۔روزانہ زندگی میں جو بھی حالات پیش آئیں انہیں اللہ کی طرف سے سمجھتے ہوئے ہر حال میں خوش رہنے کی عادت ڈالیں۔قطع ماسواءاللہ **تَوَکُّلْ عَلَی اللّٰہِ** اور **تَبَتُّلْ اِلَی اللّٰہِ**

کی مشق کرتے ہوئے اللہ کی محبت کو بڑھاتے چلے جائیں۔ اللہ تعالیٰ کے بعد حضور نبی کریم ﷺ اور پھر اپنے مرشد کی محبت کو اپنا شعار بنائیں۔ کسی بھی انسان کو دکھ، رنج، تکلیف یا نقصان نہ پہنچائیں۔ بلکہ خدمت، اصلاح اور فلاح کے کام کو سب سے بڑی نیکی جانیں۔ جن لوگوں نے اسلامی انقلاب کی روح اور حضور نبی کریمؐ اور صوفیاءِ کرام کے فیض صحبت کے اثرات کا بنظر عمیق مطالعہ کیا ہے یا کسی اللہ والے کی مجالس میں حاضر ہو کر روحانی فیض کا عملی تجربہ حاصل کیا ہے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اللہ کی محبت اہل محبت کی صحبت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ جس طرح علم اہل علم سے، فن اہل فن سے اور ہنر اہل ہنر سے حاصل کیا جاتا ہے۔ اسی طرح دل میں اللہ کی محبت کی جوت کسی اہل دل کی نظر اور توجہ ہی سے جگائی جا سکتی ہے حکیم الامت حضرت علامہ محمد اقبالؒ فرماتے ہیں۔

می نہ روئید تخم دل از آب و گل
بے نگاہے از خداوندان دل

یعنی اللہ تعالیٰ نے روزِ الست ہی اپنی محبت کا جو بیج ہر انسان کی روح میں ڈال دیا تھا وہ مٹی اور پانی سے نہیں اُگتا بلکہ اسے اہل دل یعنی اللہ والوں کی نگاہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور یہی درحقیقت بزرگوں کا اصل کام ہے کہ انسانوں کے دلوں میں اللہ کی چھپی ہوئی محبت کو بیدار کر کے انہیں اللہ کی محبت اور اطاعت کے صراطِ مستقیم پر ڈال دیں ہمارے سلسلے کے بانی حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرہ آفاق کتاب ''تعمیر ملت'' میں تحریر فرماتے ہیں۔ ''یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں سلوک اور معرفت وحکمت کی افادیت کے متعلق خود ہمارا جو خیال ہے وہ بھی ظاہر کر دیا جائے۔ اس میں شک نہیں کہ حکمت یا تصوف اشرف اور افضل ترین علم ہے۔ اس سے حقیقت الاشیاء معلوم ہو جاتی ہے۔ بڑے بڑے اسرار ظاہر ہوتے ہیں۔ عقل سلیم اور فراست کاملہ پیدا ہوتی ہے۔ روحیں نظر آنے لگتی ہیں۔ رسول اکرم ﷺ اور دوسرے انبیاء عظام کی زیارت میسر آتی ہے۔ عالم مثال کی سیر اور انوار و تجلیات کا نظارہ ہوتا ہے۔ کشف و کرامات کی طاقت حاصل ہو جاتی ہے۔ مادہ پر تصرف حاصل ہو جاتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود حضرت احدیت کی معرفت اور حضوری سے انسان مشرف ہوتا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک

یہ سب کچھ مل جانے کے باوجود بھی اگر کوئی عارف اُمت محمدیہ کی اجتماعی ترقی اور کامیابی کیلئے کچھ نہ کرے تو وہ اپنی ذات کے لئے سب کچھ ہوتے ہوئے بھی ملت اسلامیہ کیلئے بیکار ہے۔ ملت کو آج ایسے بزرگوں کی ہرگز ضرورت نہیں جو تعویز گنڈوں اور دم درود سے کچھ مریضوں کو تندرست کر دیں یا چند غریب ان کی دعا سے امیر کبیر بن جائیں یا کچھ لوگ مقدمے جیت جائیں یا چند بے اولادوں کے اولاد پیدا ہو جائے یا کچھ کفار و مشرکین مسلمان ہو کر ملت کی تعداد میں بیکار لوگوں کا اضافہ کر دیں۔ آج کل تو ضرورت ایسے اولیاء کی ہے جو فاسق و فاجر مسلمانوں کو سچا مسلمان اور سچے مسلمانوں کو پکا مومن اور موحد بنا سکیں۔ جو اپنی تعلیم و توجہ سے مسلمانوں میں ایسی فراست و بصیرت پیدا کر سکیں کہ وہ اپنے تمام تفرقے اور اختلافات مٹا کر ایک جان اور ایک قالب کی طرح مربوط و متحد ہو جائیں، حق و باطل میں تمیز کر سکیں، سستی اور کاہلی چھوڑ کر کام کرنا اور کام کرتے رہنا سیکھیں۔ اللہ اور رسول ﷺ کی سچی محبت کا جنون ان کے لئے سرمایہ دانش ہو۔ وہ بقائے ملت کے لئے جان و مال قربان کرنا اپنی زندگی کا مقصد جانیں اور ہر طرف سے اپنا منہ موڑ کر صرف اللہ کی طرف کر لیں"۔

اللہ تعالٰی کے فضل سے جب کوئی مرد کامل مل جائے تو اس کے روحانی فیض سے دل میں چھپا ہوا محبت کا بیج پھوٹ پڑتا ہے جس سے دل سراپا نور ہو جاتا ہے۔ دل میں وہ چھپے کی بوٹی لگ جاتی ہے کہ جب ذکر کی آبیاری سے اس پر بہار آتی ہے تو انسان کی نس نس میں محبت کی خوشبو بس جاتی ہے۔ اللہ تعالٰی اور اس کے حبیب ﷺ کی اطاعت میں لطف آنے لگتا ہے۔ اللہ کے ذکر سے دل کو اطمینان کی دولت عطا ہوتی ہے۔ نمازیں اللہ کی حضوری والی اور آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان بن جاتی ہیں۔ اللہ کی محبت سے قلب و روح کو وہ انوکھی لذت ملتی ہے کہ انسان دنیا کے مال و متاع سے بے نیاز ہو کر دائمی مسرت جیسی نعمت سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

2۔ مقامِ محبت

اللہ تعالٰی اپنی مخلوق کے ساتھ بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ حضور نبی

کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق وہ اپنی مخلوق کے ساتھ ستر ماؤں سے بھی زیادہ مہربان ہے اور جو انسان جتنا زیادہ اللہ کا مقرب ہوتا ہے اتنا ہی وہ اسکی مخلوق کے ساتھ پیار کرتا ہے۔ بنی نوع انسان میں سے اللہ کا سب سے زیادہ قرب حاصل کرنے والی ذات حضور رسالت مآب فخر موجودات سید الانبیاء احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ ﷺ کی ہے۔ آپ اللہ کے قرب کے جس مقام پر پہنچے وہاں نہ کبھی کوئی پہنچا نہ ہی پہنچ سکے گا۔ دوسرے تمام انسانوں کی معراج کا انحصار حضور کے اتباع کے مدارج پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کے بعد اللہ کی مخلوق کیلئے سب سے زیادہ محبت آپکے دل میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی رؤف و رحیم اور رحمت اللعالمین کے خطابات سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے قرب و رضا کے طالب اس حقیقت سے اچھی طرح آگاہ ہوتے ہیں کہ اس کائنات کی تخلیق کا باعث ہی محبت ہے۔ محبت ہی وہ امانت تھی جس کے اُٹھانے سے زمین اور آسمان ڈر گئے لیکن حضرت انسان نے اسے اٹھالیا کیونکہ اسے پیدا ہی اللہ کی عبادت یعنی محبت و اطاعت کیلئے کیا گیا تھا۔ اللہ کے دین کی اساس بھی محبت ہی ہے اور تمام عبادات کی روح بھی یہی ہے۔ محبت کے ساتھ انجام دئے گئے چھوٹے چھوٹے اعمال بھی اللہ کے ہاں مقبول ہو کر مغفرت کا سبب بن جاتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر ارکان اسلام میں اللہ کی محبت شامل نہ ہو تو سب کچھ رد کر دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے کہ

شوق تیرا گر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب

انسان کی زندگی کا مقصود اللہ تعالیٰ کا قرب اور دیدار حاصل کرنا ہے۔ دین کے اوامر و نواہی کا مقصود ہی یہ ہے کہ انسان خواہشات نفس اور ہوا و ہوس کا غلام بننے کی بجائے صرف اللہ کا عبد یعنی غلام بن جائے۔ اس کا تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب ہو جائے اور اس پر اللہ کی صفات کا رنگ چڑھ جائے۔ اس کے دل سے دنیا کی محبت نکل جائے اور اس کی جگہ اللہ اس کے رسول اور اس کی مخلوق کی محبت گھر کر جائے۔ حضور رحمت اللعالمین ﷺ کا فرمان مبارک ہے کہ دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے اور اللہ کی محبت ہر نیکی اور خوبی کا منبع ہے۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ خرابی کی جڑ دنیا کو نہیں بلکہ دنیا کی محبت کو فرمایا گیا ہے۔ دنیا اور اس میں جو کچھ بھی ہے اسے تو پیدا ہی انسان کیلئے کیا گیا

ہےاورانسان کوزمین کی خلافت کیلئےخلق فرمایا گیااوراس منصب پرفرشتوں اورجنوں کوبھی رشک آیا تھا۔اس لئےخرابی دنیا میں نہیں ہے بلکہ اس کی محبت میں پھنس کراللہ کوبھول جانے میں ہے۔ انسان کا شرف کمال انسانیت پر فائزحضور سیدالانبیا علیہﷺ کا اتباع کرتے ہوئے اللہ کی محبت کا حصول ہے۔ جوانسان اللہ کی محبت کے رنگ میں رنگ جاتا ہے اس سے عفوو درگزر، حلم و برداشت،سخاوت وایثاراورہمدردوخدمت جیسے فضائل کااظہارہونے لگتاہے۔حضورنے جب بھی مثالی مومن کی پہچان کے بارے میں ارشادفرمایاتو ہمیشہ دوسرےانسانوں کے ساتھ اس کے رویےاوربرتاؤکوہی برتری کامعیارقراردیا۔آپ نےاللہ کی محبت کےحصول کیلئےاللہ کی مخلوق کی خدمت کاراستہ دکھایا۔اللہ کےدین میں تمام عبادات اورکثرت ذکرکامقصودہی یہ ہے کہ اس سے اخلاقی رذائل زائل ہوتے چلے جائیں اوران کی جگہ فضائل پیداہوجائیں۔اللہ کی راہ میں جیسے جیسےانسان آگے بڑھتاہےویسےویسےاس میں انسانوں کی خدمت کاجذبہ بھی ترقی کرتا چلاجاتا ہے۔حضورمحسن انسانیت علیہﷺ نےحُسن اخلاق محبت ومودّت اورتکریم انسانیت کوہی ایمان کا پیمانہ قراردیتے ہوئے جوارشادات فرمائے وہ آب زرسے لکھے جانے کےقابل ہیں۔چنداقوال ملاحظہ ہوں۔

ایمان لانے کےبعدسب سے بڑی نیکی انسانوں سےمحبت کرناہے۔

تم میں سب سےاچھاوہ ہےجواپنےاہل وعیال کےساتھ سب سےاچھاسلوک کرے۔

اپنے غلاموں کے بارے میں محتاط رہو۔ان کووہی کھلاؤجوخودکھاتے ہوں اورانہیں وہی پہناؤجوخودپہنتے ہو۔

خداکی قسم تم مومن نہیں ہوسکتے جب تک اپنے بھائی کیلئےوہی کچھ پسندنہ کروجواپنی ذات کیلئےکرتے ہو۔

اللہ کی قسم وہ مومن نہیں، اللہ کی قسم وہ مومن نہیں، اللہ کی قسم وہ مومن نہیں پوچھا گیا کہ یا رسول اللہﷺ کون؟ آپ نے ارشادفرمایاوہ شخص جس کے پڑوسی اس کی شرسےمحفوظ نہ ہوں۔

تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جن کےاخلاق اچھے ہیں۔

سب سےاچھاانسان وہ ہےجودوسرےانسانوں کونفع پہنچائے۔

قیامت کے روز مومن کے نیکیوں والے پلڑے میں سب سے وزن والی چیز خوش خلقی ہوگی۔
جس شخص میں چار خصلتیں ہیں وہ منافق ہے۔
1۔ امانت میں خیانت کرے۔ 2۔ بات کرے تو جھوٹ بولے۔
3۔ وعدہ کرے تو پورا نہ کرے۔ 4۔ جب کسی سے جھگڑے تو گالی دے۔

اسی ضمن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ روایت کیا گیا ہے کہ آپ کے سامنے ایک صحابی نے کسی آدمی کی ایمانداری کی تعریف کی تو آپ نے انہیں ٹوکتے ہوئے دریافت فرمایا کہ کیا آپ اس شخص کے پڑوس میں رہتے ہیں؟ کیا آپ نے اس سے کبھی کوئی لین دین کیا ہے؟ کیا آپ نے اس کی معیت میں کوئی طویل سفر کیا ہے؟ اس صحابی نے نفی میں جواب دیا تو حضرت عمر نے فرمایا کہ جب ان میں سے کوئی ایک بھی موقع اسے پرکھنے کا آپ کو نہیں ملا تو آپ اس کی پارسائی کی گواہی کیونکر دے سکتے ہیں؟

ہمارے ہادی و مرشد معاملات و اخلاق کی اہمیت واضح کرنے کیلئے ''تعمیر ملت'' میں لکھتے ہیں۔ ''ایمان، عقائد اور عبادات سب کی غرض و غایت یہ اور صرف یہ ہے کہ دنیا اور آخرت دونوں میں راحت اور آرام کی زندگی حاصل ہو اور یہ اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک انسان معاملات میں صادق اور اخلاق میں کامل نہ ہو جائے بالفرض کوئی آدمی پانچ وقت نہیں بلکہ دس وقت نماز پڑھے، مہینہ بھر نہیں سال بھر روزے رکھے، ہر سال حج کرے اور زکوٰۃ دے لیکن دوسرے لوگوں کے متعلق اپنے فرائض ادا نہ کرے۔ مثلاً بیوی بچوں کو نان و نفقہ سے تنگ رکھے، لوگوں کا مال دھوکے سے ہضم کر جائے، غیبت کرے، جھوٹ بولے، چوری کرے، رشوت لے، فرائض منصبی دیانت داری سے ادا نہ کرے، کم تولے، کم ناپے، لوگوں کو لڑائے اور قوم میں تفرقہ ڈلوائے، تندخو، مغرور اور مغلوب الغضب ہو، دوسروں کو حقیر و ذلیل سمجھے اور ان سے سیدھے منہ بات کرنا اپنی توہین جانے تو آپ کا کیا خیال ہے کہ وہ مرتے ہی جنت میں چلا جائے گا؟ اور ان بداعمالیوں کی سزا نہ پائے گا؟

الغرض سچا مومن وہ ہے جس کے دامن میں انسانوں کو امن و امان ملے اور پکا مسلم وہ ہے جو دوسروں کی سلامتی اور بھلائی کیلئے کوشاں رہے۔ حکیم الامت نے اسلام کے ترجمان ہونے کی حیثیت سے انسانوں کی محبت اور خدمت کو ہی خیر و خوبی کا سرچشمہ قرار دیا ہے۔ یہاں ان کے چند

منتخب اشعار درج کیے جاتے ہیں۔

محبت کے شرر سے دل سراپا نور ہو جاتا ہے
ذرا سے بیج سے پیدا ریاض طور ہوتا ہے
محبت ہی سے پائی ہے شفا بیمار قوموں نے
کیا ہے اپنے بخت خفتہ کو بیدار قوموں نے
شراب روح پرور ہے محبت نوع انساں کی
سکھایا اس نے مجھ کو مست بے جام و سبو رہنا
یقیں محکم عمل پیہم ، محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں
جو تو سمجھے تو آزادی ہے پوشیدہ محبت میں
غلامی ہے اسیر امتیاز ماو تو رہنا
خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا

علامہ اقبال نے قرآن کریم کے حیات افروز پیام اور حضور خیر الانام ﷺ کے اسوہ حسنہ کے ذریعے اُمت مسلمہ کو بیدار کرنے کی کوشش کی۔ علامہ کے سیاسی خواب کی تعبیر پاکستان کی صورت میں حضرت قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ نے پوری فرمائی۔ لیکن اصل کام اسلام کی نشاۃ ثانی ہے جس کی خاطر یہ خطہ زمین حاصل کیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے نظام قضا وقدر کے تحت قرآن کریم کے نزول کی رات لیلۃ القدر کی بابرکت گھڑیوں اور ملک پاکستان کے ظہور میں آنے کی ساعات کو یکجا کر دیا گیا۔ یہ ایک واضح دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پاکستان کیلئے ارض قرآن بننا مقدر فرما دیا ہے یہ سعادت اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل سے عطا ہوئی ورنہ ہمارے سیاسی راہنماؤں اور خاص طور پر انگریز آقاؤں کو اس خصوصی اہمیت کی حامل شب سے کیا غرض ہوگی۔ اس مملکت خداداد میں اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ آئین کے نفاذ کیلئے علماء کرام اور مشائخ عظام رحمھم اللہ اجمعین مسلسل جدوجہد کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اس صدی کے عظیم صوفی اور محقق بزرگ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی غرض سے سلسلہ توحیدیہ قائم فرمایا۔ تصوف کے اس نئے

سلسلے کی تعلیم قرآن وسنت کے عین مطابق، موجودہ دور کے تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگ اور حکیم الامت کے نظریات کی عملی تفسیر ہے۔ اس سلسلے میں طریق خانقاہی کی بجائے فقر و شاہی کی تعلیم دی جاتی ہے رہبانیت اور مسکینی و دلگیری کی بجائے قوت و شوکت اور جہانگیری و جہانبانی کا پیام ہے۔ ترک دنیا اور نفی ذات کی بجائے تسخیر کائنات اور استحکام ذات کی ترغیب ہے۔ اس میں فقیرانہ وضع وقطع اختیار کرنے کی ہرگز اجازت نہیں ہے بلکہ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب پر زور دیا جاتا ہے۔ دنیا کی ہوا وہوس کی اسیری سے نجات دلا کر تسلیم و رضا اور فقر و استغناء والی امیری سے تعلق جوڑا جاتا ہے۔ ملک وقوم، رنگ ونسل اور فرقہ ومسلک کی بنیادوں پر تعمیر کی گئی نفرت کی دیوار کو منہدم کر کے عالمگیر محبت اور انسانیت کی خدمت کو سلسلہ توحیدیہ کا شعار بنا دیا گیا ہے۔ یہاں حکایات و روایات اور فسانہ ہائے کرامات میں کھو جانے کی بجائے حقائق حیات پر نظر رکھنے کی تربیت دی جاتی ہے۔ یہاں مستی احوال و گفتار والے خفتہ تصوف کی جگہ حضور رحمت اللعالمین ﷺ کے اتباع اور پختگی کردار والا بیدار تصوف سکھایا جاتا ہے۔ سلسلہ توحیدیہ میں یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی خیر خواہی، اصلاح وفلاح اور محبت وخدمت کے منشور پر عمل کئے بغیر اللہ کا قرب حاصل ہو ہی نہیں سکتا۔ بانی سلسلہ نے ''طریقت توحیدیہ'' میں محبت کی اہمیت واضح کرتے ہوئے تحریر فرمایا۔ ''اخلاق حسنہ پیدا کرنے کیلئے پہلی ضروری بات یہ ہے کہ تمام مخلوق خدا کے ساتھ ایک عالمگیر محبت کا جذبہ پیدا کرو اور اپنے دل و دماغ اور روح کو محبت کے رنگ میں رنگ لو۔ اگر تم ولی اللہ بننا چاہتے ہو اور اگر تمہاری خواہش ہی کہ اللہ تمہارے ساتھ محبت کرے تو ضروری ہے کہ تم اس کی مخلوق سے محبت کرو۔ مجنوں تو لیلیٰ کے کتے سے بھی محبت کرتا تھا۔ تم کیسے محبّ ہو کہ اپنے محبوب کی مخلوق سے بھی محبت نہیں کرتے۔''

3۔ قیادت وسیادت

اللہ تعالیٰ کا دین بنی نوع انسان کیلئے محبت و اخوت، امن و

امان اور دنیا و آخرت میں کامرانی کا ضامن ایک مکمل نظام حیات ہے۔ اسلام مغرب کے فلسفہ قومیت کی طرح انسانوں کو وطن کی پرستش سکھا کر باہم جنگ وجدل میں مبتلا کرنے کی بجائے وحدت الوہیت، وحدت آدمیت اور تکریم انسانیت کا علمبردار ہے اور پوری نسل انسانی کو اللہ کا کنبہ قرار دیتا ہے۔ اللہ کے نزدیک انسانی جان کی حرمت اتنی عظیم ہے کہ قرآن کریم میں ارشاد

فرمایا کہ جس کسی نے ایک انسان کو قتل کر دیا وہ اللہ کے ہاں ایسا مجرم ہے جس نے پوری انسانیت کو قتل کر دیا ہو اور جس نے ایک انسانی جان کو بچالیا وہ ایسا محترم ہے جیسے کہ اس نے پوری انسانیت کو بچالیا ہو۔ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ﷺ نے حجتہ الوداع کے خطبے میں ارشاد فرمایا۔

''تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری آبرو تا قیامت اسی طرح محترم ہے جس طرح یہ دن، اس مہینہ میں اور اس شہر میں محترم ہے۔ اور ہاں! میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ خود ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔ تم کو اللہ کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس کرے گا۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی اور تمام مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں۔''

حضور محسن انسانیت ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے کہ ''اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے ستر ماؤں سے بھی زیادہ پیار کرتے ہیں''۔ اس بے پایاں محبت کو مدنظر رکھتے ہوئے غور فرمایئے کہ کیا اللہ تعالیٰ ایسا دین نازل کریں گے جس میں اس کی پیاری مخلوق کا خون بہانے کی تعلیم دی گئی ہو۔ انبیاء کو بھیجنے کا تو مقصود ہی یہ تھا کہ انسانوں کی اصلاح کر کے انہیں اللہ کی بندگی کی راہ پر لگایا جائے تا کہ وہ ظلم، فساد، لوٹ مار اور خوں ریزی سے باز آ جائیں اور اللہ کی مخلوق کی خدمت کی راہ پر گامزن ہو کر اللہ کا قرب حاصل کریں۔ انبیاء علیہم السلام تو انسانیت کیلئے رحمت بن کر آتے ہیں وہ خود سراپا محبت ہوتے ہیں اور انسانوں کو اللہ کی عبادت اور اسکی مخلوق کی خدمت کی راہ پر لگانے کا عظیم فریضہ ادا کرتے ہیں۔ اصلاح کرنے والوں کے کام کی مثال ڈاکٹر کے کام کی مانند ہے۔ کسی مریض کی حالت کتنی ہی خراب کیوں نہ ہو، وہ اپنی لاپرواہی سے بیمار ہوا ہو یا ڈاکہ ڈالتے ہوئے زخمی ہو گیا ہو ایک اچھا ڈاکٹر اپنی سرتوڑ کوشش کرتا ہے کہ اس کی جان کسی طرح سے بچ جائے۔ اسی طرح اللہ والے بھی آخر دم تک گنہگار انسانوں کو اللہ کی رحمت کی طرف بلانے میں لگے رہتے ہیں اور ان کی ہدایت کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتے رہتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں دُکھ اُٹھاتے اور ان کی گالیاں کھاتے ہیں لیکن ان کی بھلائی اور خیر خواہی کے کام میں لگے رہتے ہیں۔

ایک طرف تو اسلام کی یہ محبت بھری تعلیم ہے اور دوسری طرف ہم مسلمانوں کا کردار ہے۔ کتنے افسوس کا مقام ہے کہ ہمارے اخلاقی تنزل کا یہ عالم ہے کہ معمولی معمولی جھگڑوں اور فروعی قسم کے مسلکی اختلافات پر اپنے ہی کلمہ گو مسلمان بھائیوں کا خون بہانا ہمارا روزانہ کا معمول بن

چکا ہے۔کوئی دن ایسا نہیں جاتا جب اخبارات میں ایک دو قتل کی وارداتیں نہ چھپتی ہوں اس باہم خونریزی کی وجہ سے خود بھی بدنام ہورہے ہیں ۔اور اللہ کے سچے دین کی بھی رسوائی کرا رہے ہیں۔مسلمان جسے اپنے آقا حضور رحمۃ اللعالمین کے اتباع میں رحمت ورافت،محبت ومودت اور صداقت وامانت کا مظہر اور قرآن کی تعلیم کا مجسم نمونہ ہونا چاہئے اسکا حال یہ ہوگیا ہے کہ یورپ اورامریکہ کے جتنے بھی پڑھے لکھے اور سکالر قسم کے حضرات اسلام میں داخل ہوئے ہیں ان کی اکثریت کا یہ کہنا ہے کہ ہم مسلمانوں سے متاثر کرمسلمان نہیں ہوئے بلکہ ذاتی مطالعہ کے نتیجہ میں قرآن کی صداقت اور حضور ﷺ کی عظمت کو پہچان کر ایمان لائے ہیں ۔ان میں سے بعض تو یہاں تک کہتے ہیں کہ اسلام بہترین دین اور مسلمان بدترین قوم ہیں ۔اگر مسلمان اوراسلام ایک ہوجائیں تو پوری دنیا میں انقلاب برپا ہوجائے ۔

اللہ تعالیٰ اس کائنات کا مالک ہے ۔زمین اور آسمانوں کی کنجیاں اسی کے ہاتھ میں ہیں وہ جس قوم کو مناسب سمجھتا ہے دنیا کا اقتدار عطا کردیتا ہے اور جب وہ اس کی اہل نہیں رہتی تو اسے معزول کرکے کسی دوسری قوم کو آگے بڑھا دیا جاتا ہے ۔آئندہ بھی اقوام عالم کی قیادت کسی ایسی قوم کو سونپی جائے گی جس کے پاس اللہ کی مخلوق کی خدمت کا مشن اور مناسب اہلیت ہوگی ۔اگر صرف دنیوی فلاح کا کوئی جزوی سا پروگرام ہوگا تو اس کا اقتدار بھی تھوڑے سے عرصے کیلئے ہو گا۔اگر کوئی قوم بنی نوع انسان کی دنیا وآخرت کی بھلائی کا منشور لے کر اُٹھے اور انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نجات دلا کر کرہ ارض پر اللہ کی حاکمیت کے نفاذ کیلئے سرگرم عمل ہوجائے ،ظلم وستم ،جبرواستحصال اور وطن پرستی کی مکروہ اور خونریز سیاست کو ختم کرکے اکرام انسانیت اور وحدت آدمیت کا نیا عالمی نظام رائج کرنے کیلئے کوشاں ہو تو اللہ تعالیٰ اُسے اقوام عالم کی امامت کے منصب پر سرفراز فرمائیں گے۔یہ اعزاز صرف اس قوم کو عطا کیا جائے گا جو پہلے خود اللہ کے آئین کی پابند ہو کر اپنی سرزمین میں اللہ کی حاکمیت کے تحت صلوٰۃ وزکوٰۃ کا نظام نافذ کرکے اسے جنت کا نمونہ بنا چکی ہوگی اور محبت واخوت کے منشور کو سارے عالم میں پھیلانے کے وسائل پیدا کرچکی ہوگی ۔علامہ اقبال کے خیال میں ایسا ضرور ہونا ہے ۔آپ فرماتے ہیں۔

یہی مقصود فطرت ہے یہی رمز مسلمانی
اخوت کی جہانگیری محبت کی فراوانی

یہ عظیم منصب اُمت مسلمہ کا استحقاق ہے لیکن اس کیلئے محبت و خوت، عدل و انصاف اور صداقت و شجاعت کے معیار پر پورا اترنا اولین شرط ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ کسی خادم انسانیت اور صالح قوم کو ہی آگے لائیں گے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں بار بار ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر تم اللہ کے آئین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اللہ کی محبت کو بھول کر دنیا کی محبت میں غرق ہو جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تمھیں امامت کے منصب سے معزول کر کے دوسری قوم کو کھڑا کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ملاحظہ ہو۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْ اٰمَنُوْامَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَسَوْفَ یَاتِیْ اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ o یُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَا ئِمٍ ۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ ۔ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ o (المائدۃ۔54)

ترجمہ "اے ایمان والو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا تو اللہ ایسے لوگ پیدا کر دے گا جن کو وہ دوست رکھے اور جسے وہ دوست رکھیں اور جو مومنوں کے حق میں نرمی کریں اور کافروں سے سختی سے پیش آئیں۔ اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہ کریں۔ یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑی کشائش والا اور جاننے والا ہے"۔

اس آیت مبارکہ میں دنیا کی قیادت سنبھالنے والی قوم کی اہم ترین خوبی یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ اللہ سے محبت کرنے والی ہوگی کیونکہ باقی ساری خوبیاں اللہ کی محبت کی وجہ سے ان میں خود بخود موجود ہوں گی۔ اس وقت پوری دنیا روحانی کرب اور ذہنی پریشانی میں محض اس لئے مبتلا ہے کہ مادی اور سائنسی قوت ان لوگوں کے ہاتھوں میں ہے جو اللہ اور یوم آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور نفسانی خواہشات کی تسکین کو ہی مقصود حیات سمجھے ہوئے ہیں۔ مغربی تہذیب نے قومیت اور وطن پرستی کے بت تراش کر انسانیت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔ ہر قوم اپنے افراد کی خوشحالی کی خاطر دوسری قوموں کو لوٹنے اور ان کا خون چوسنے کو سیاسی اور معاشی کامیابی کا معیار بنائے ہوئے ہے۔ وطن پرستی کی آگ ہی نے گزشتہ عالمگیر جنگوں کو جنم دے کر دنیا کو تباہی سے دوچار کیا اور اب بھی کئی

جگہ ایک ہی دین کے پیروکار ایک دوسرے کے دشمن بن کر ناحق خونریزی کر رہے ہیں اور بے یقینی اور جنگ کے مہیب سائے ہر طرف منڈلا رہے ہیں۔ کیمیائی ہتھیاروں، ایٹم بموں، میزائلوں اور بمبار طیاروں کی تباہ کن قوت نے بنی نوع انسان پر مکمل تباہی کا خوف مسلط کر رکھا ہے کیونکہ مغرب اللہ کے دین کو ترک کر کے چنگیزیت پر اتر آیا ہے اور اپنی طاقت اور ذرائع ابلاغ کو شیطانی مقاصد کے پورا کرنے میں صرف کر رہا ہے۔ امن عالم کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ علوم جدید اور قوت جدید پر کوئی اللہ سے محبت کرنے والی قوم قابض ہو کر اس قوت کو انسانیت کے دکھوں کا مداوا کرنے کیلئے استعمال کرے تا کہ دنیا جنت کا نمونہ بن جائے۔ علامہ اقبال اللہ والے فقیروں اور موجودہ دور کے جمہوری امیروں کی حکومتوں کا فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

مسلماں فقر و سلطانی بہم کرد
ضمیرش باقی و فانی بہم کرد
و لیکن الاماں از عصر حاضر
کہ سلطانی بہ شیطانی بہم کرد

عصر حاضر کے سیاسی نظاموں نے قوت و سلطنت شیطانی ہاتھوں میں مرتکز کر رکھے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کے سیاسی نظام کا مقصود سیادت و امارت متقین کے ہاتھوں میں دینا ہوتا ہے جو تخت شاہی پر بیٹھ کر بھی فقیری کرتے اور اللہ کے عاجز بندے بن کر اللہ کی مخلوق کی بھلائی، بہتری اور خدمت کیلئے کام کر کے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ علامہ اقبال "قوت اور دین" کے عنوان سے ضرب کلیم میں لکھتے ہیں۔

لا دیں ہو تو ہے زہر ہلاہل سے بھی بڑھ کر
ہو دیں کی حفاظت میں تو ہر زہر کا تریاک

دُنیا میں انسانوں کے صرف اور صرف دو گروہ ہیں۔ جو لوگ اللہ کی الوہیت اور ربوبیت پر ایمان رکھتے، اس کی محبت اور اطاعت کی راہ پر چلتے اور بنی نوع انسان کی خدمت کو رضائے الٰہی کا ذریعہ جانتے ہیں قرآن انہیں اہل ایمان، اولیاء اللہ اور حزب اللہ کے نام سے پکارتا ہے۔ ان کی ساری صلاحیتیں بنی نوع انسان کی اصلاح اور فلاح کیلئے وقف ہوتی ہیں۔ ان کے برعکس

دوسرے گروہ کو اہل کفر، اولیاء الشیطان اور حزب الشیطان کا نام دیتا ہے۔ یہ لوگ اپنی ذہانت اور قوت سے یہ کام لیتے ہیں کہ انسانیت کو قوموں اور طبقوں میں تقسیم کر کے انہیں لڑایا جائے اور کمزور قوموں کو اپنا غلام بنا کر ان کا استحصال کیا جائے۔ یہ لوگ انسانیت کے بدترین دشمن ہیں۔ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو ایسے لوگوں کے خلاف جنگ کرنے کا حکم دیتا ہے تا کہ اس شیطانی گروہ کا پھیلایا ہوا رنگ و نسل، طول امل ہوا و ہوس، فسق و فجور اور جنگ و جدل کا بے بنیاد اور بودا جال توڑ دیا جائے۔ یہ جنگ دوسرے انسانوں کو اپنا غلام بنانے کیلئے نہیں لڑی جاتی ہے بلکہ انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نجات دلا کر اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا نفاذ کرنے کیلئے لڑی جاتی تا کہ اولاد آدم حقیقی آزادی اور تکریم انسانیت کی نعمتوں سے مستفید ہو سکے۔ اہل ایمان کی طرف سے اللہ کی راہ میں لڑی جانے والی جنگ انسانیت کیلئے اسی طرح مفید ہوتی ہے جس طرح کسی مریض کیلئے ایک ماہر سرجن کا آپریشن ہوتا ہے۔ انسانیت کے دکھوں کو دور کرنے والے اس بابرکت جہاد کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْۤا اَوْلِیَآءَ الشَّیْطٰنِ اِنَّ كَیْدَ الشَّیْطٰنِ كَانَ ضَعِیْفًا۠ (النساء۔76)

ترجمہ:۔"جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ تو اللہ کے مقاصد کیلئے لڑتے ہیں اور جو کافر ہیں وہ شیطانی گروہ کے مقاصد کیلئے لڑتے ہیں۔ سو تم شیطان کے مددگاروں سے لڑو۔ اور ڈرو مت کیونکہ شیطان کا داؤ فریب بودا اور کمزور ہوتا ہے۔"

اوپر بیان کی گئی ملکی اور بین الاقوامی صورت حال کے تناظر میں اسلام کی سچی تعلیم کے مطابق بانی سلسلہ توحیدیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ کی محبت اور بنی نوع انسان کی خدمت کا چراغ روشن فرمایا۔ سب سے پہلے خود ہمیں اپنے کردار کو اس تعلیم کے مطابق ڈھالنا اور پھر اس کی برکات کو مملکت خداداد پاکستان کے کونے کونے تک پہنچانا ہے۔ اس سے بہتر اور اچھا اور کوئی کام نہیں کیونکہ محض اللہ کیلئے مخلوق خدا کی اصلاح کرنا سب سے بڑی عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے اس عظیم اور مبارک کام کی ذمہ داری آپ بھائیوں پر ڈال دی ہے۔ دنیا کو اس وقت قرآن کریم

کی سچی تعلیم اور اللہ تعالی کے آخری رسول ﷺ کے اسوہ حسنہ کے عملی مظاہرہ کی ضرورت ہے تا کہ نفرتوں اور کدورتوں کو مٹا کر محبت کے پیام کو عام کیا جا سکے۔اس وقت نہ صرف پاکستان کے رہنے والوں کو محبت کی تعلیم کی ضرورت ہے بلکہ عالم اسلام اور پوری دنیا اس کیلئے چشم براہ ہے۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی اس روحانی اصلاح کی تحریک کا لائحہ عمل اس طرح ہے کہ پہلے تعلیم پر پوری طرح عمل کر کے اپنے اندر مطلوبہ روحانی قوت پیدا کی جائے اور پھر دوسرے بھائیوں کی اصلاح کا کام کیا جائے۔سلسلہ توحیدیہ کے اوراد و وظائف نہایت مختصر اور سہل العمل ہونے کے باوجود انتہائی موثر ہیں۔قرآن کریم کی تلاوت اور نماز کی پابندی کے علاوہ صرف دو ذکر بتائے جاتے ہیں۔پہلا ذکر نفی اثبات یعنی **لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه** کا ذکر ہے جو رات کی نمازوں میں سے کسی ایک کے بعد کرنا ہوتا ہے اور اس پر صرف آدھا پونا گھنٹہ صرف ہوتا ہے۔دوسرا ذکر پاس انفاس کہلاتا ہے۔یعنی سانسوں کا خیال رکھا جائے کہ کوئی سانس اللہ کی یاد کے بغیر نہ لیا جائے جو سانس اندر جائے یا باہر آئے اس کے ساتھ زبان ہلائے بغیر لفظ اللہ اس طرح کہا جائے کہ صرف دل کہے اور کان سنیں۔یہ ذکر چلتے پھرتے اور کام کاج کے دوران ہر وقت اور ہر جگہ کیا جا سکتا ہے اور اس کیلئے کسی خصوصی وقت کی ضرورت ہی نہیں۔راہ فقر میں ذکر کے ساتھ مجاہدہ بھی کرایا جاتا ہے تا کہ طبیعت میں سے سختی،غرور،غصہ اور حسد وغیرہ جاتا رہے اور نرمی اور شائستگی کے ساتھ انکساری پیدا ہو جائے۔اگلے زمانے کے شیخ اپنے مریدوں سے سخت مجاہدے کراتے تھے۔ان سے سقے اور بھنگی کا کام کراتے اور بھیک منگواتے تھے۔آج کل اس قسم کے مجاہدے ممکن نہیں ہیں۔اس لئے سلسلہ توحیدیہ کی تعلیم میں مجاہدے کا طریقہ بدل دیا گیا ہے اور اس کیلئے دو چیزیں چھوڑنا ہوتی ہیں۔اور دو اختیار کرنا پڑتی ہیں۔چھوڑ دینے والی دو چیزیں غصہ اور نفرت ہیں اور اختیار کرنے والی محبت اور صداقت ہیں۔مجاہدے کی اس تربیت کیلئے گھر سے باہر نہیں جانا پڑتا بلکہ ان کی مشق گھر کے اندر بہترین طریقہ سے ہو سکتی ہے۔اس مختصر ترین تعلیم پر عمل کرنے سے چند ماہ کے اندر ہی انسان اپنی طبیعت میں ایک عظیم تبدیلی محسوس کرنے لگتا ہے۔نماز اور ذکر میں مزہ آنے لگتا ہے۔گناہوں اور برائیوں کی طرف رغبت ختم ہو جاتی ہے۔دنیوی تفکرات کا اثر دل پر کم ہوتا ہے اور آخر میں بالکل جاتا رہتا ہے۔سچے خوابوں اور روحانی سیر کے علاوہ دل میں حرارت یا سوز و گداز کی صورت میں روحانی طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔اس طرح سالک کا دل چھوٹا

سا پاور ہاؤس یا ٹرانسمیٹر بن جاتا ہے جس سے اللہ کی محبت کی لہریں نکلتیں اور اس کے پاس بیٹھنے والوں کو متاثر کرتی رہتی ہیں۔ یہی چیز فیض صحبت کہلاتی ہے۔ ہمارے مرشد نے اس روحانی قوت سے دلوں کی اصلاح کرنے کیلئے ہی سلسلہ توحیدیہ قائم کیا ہے۔ آپ بھی سلسلہ کی تعلیم پر عمل پیرا ہو کر مجسم پیار و پریم بن کر اللہ کی محبت اور اس کی مخلوق کی خدمت والے دین کے علمبردار بن کر آگے بڑھیں۔ اس سے اچھا دنیا میں کوئی کام نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو اللہ کی راہ پر ڈال دیا جائے تا کہ اس کی دُنیا اور آخرت دونوں سنور جائیں۔ اس عظیم ترین کام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد قرار دیتے ہوئے نصرت کا وعدہ فرمایا ہے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تَنْصُرُوْاللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْo
(محمد۔7)

ترجمہ "اے اہل ایمان اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا"۔

اللہ تعالیٰ کے دین کی اشاعت اور تبلیغ کا عظیم کام اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے مطابق سرانجام دینا ہی کامیابی کی ضمانت ہے۔ اس سلسلے میں بہت سی غلط فہمیاں اپنوں اور بیگانوں میں پائی جاتی ہیں۔ جنہیں دور کرنے کیلئے ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق سے چند قرآنی حقائق پیش کر رہے ہیں۔

اشاعتِ دین

4۔ بنیادی حقائق

اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر مشتمل نظامِ حیات جسے ہر دور میں اسلام کا نام دیا گیا محبت اور رحمت کا دین ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ بنی نوع انسان کی راہنمائی کرنا چاہتا ہے تا کہ اولادِ آدم اس دنیا میں بھی امن و امان اور عزت و اکرام کی زندگی گزارے اور آخرت کی زندگی میں بھی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کر کے اس کی جنت میں داخل ہو سکے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو صاحبِ ارادہ بنا کر انتخابِ عمل کا اختیار دے رکھا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے **لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِo** فرما کر دین کے نفاذ کیلئے جبر کے استعمال کا دروازہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے بند کر دیا۔ عالمی امن اور فلاحِ دارین کے اس مقدس منشور کے رد و قبول کا معاملہ انسان کی صوابدید اور ضمیر کے فیصلہ پر چھوڑ دیا گیا ہے وہ جس لائحہ عمل کا انتخاب کرے گا اس کے نتائج کی

ذمہ داری اسی پر ہوگی ۔اللہ تعالٰی نے اس حقیقت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا:

''اور ہم جو رسول بھیجتے رہے ہیں تو وہ خوشخبری سنانے اور ڈرانے کو۔پھر جو شخص ایمان لائے اور نیکوکار ہو جائے تو ایسے لوگوں کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ اندوہناک ہونگے ۔اور جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا ان کی نافرمانیوں کے سبب انہیں عذاب ہوگا''۔ (انعام-49,48)

''آپ کہہ دیں کہ یہ قرآن تمہارے رب کی طرف سے برحق ہے ۔تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کافر رہے''۔ (کھف ۔29)

''جن کی تم بندگی کرتے ہو میں اِنکی بندگی کرنے والا نہیں ۔نہ تم اس کی بندگی کرنے والے ہو جس کی میں بندگی کرتا ہوں ۔تمہارے لئے تمہارا دین میرے لئے اللہ کا دین''۔

(کافرون ۔4 تا 6)

''ہم نے اُسے اپنا راستہ دکھا دیا خواہ وہ شکر گذار ہو خواہ ناشکرا''۔ (دھر ۔3)

5۔ پوری اِنسانیت کیلئے

گذشتہ ادوار میں انسانی آبادیاں دُور دُور اور ذرائع نقل مفقود تھے اس لئے اللہ تعالٰی نے ہر قوم کی طرف ان لوگوں کی مقامی زبان ہی میں ہدایت دینے والے پیغمبر بھیجے ۔لیکن وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ آبادی پورے کرہ ارض پر پھیل گئی نقل و حمل کیلئے نئے نئے ذرائع میسر آ گئے نشر و اشاعت کی سہولتیں عام ہو گئیں اور یہ ممکن ہو گیا کہ کسی ایک ہی مقام سے ایک ہی شخصیت کے ذریعے اللہ کے پیغام کو پھیلایا جا سکے تو اللہ تعالٰی نے پوری انسانیت کیلئے اپنے آخری رسول حضرت محمد مصطفٰے ﷺ کو اپنی آخری کتاب قرآنِ مجید دے کر مکہ میں مبعوث فرما دیا۔اب قیامت تک آنے والے تمام انسان آپ ہی کی اُمت ہیں اور یہ سارا عرصہ آپ ہی کا دورِ نبوت ہے ۔آپ **رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ** اور **خَاتَمُ النَّبِیّٖن** ہیں ۔آپ کے بعد اب کوئی نبی نہیں آئے گا کیونکہ آپ کی نبوت قیامت تک قائم رہے گی ۔یہ بات ذہن میں بٹھا لیں کہ قرآن کریم مسلمانوں کی کتاب نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالٰی کی کتاب ہے اور تمام دنیا کے انسانوں کیلئے ہے تاکہ وہ اپنے رب پر ایمان لا کر مسلمان بن جائیں ۔اللہ تعالٰی قرآن کریم میں ''**یٰاَیُّھَا النَّاسُ**'' کہہ کر دنیا جہان کے بسنے والوں کو خطاب فرماتا ہے کہ میرا یہ آخری

رسول ﷺ اور آخری کتاب پوری انسانیت کیلئے ہدایت اور نور کا منبع ہیں۔ چند قرآنی آیات ملاحظہ فرمائیں۔

قُلْ یٰاَیُّھَاالنَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًاo (اعراف۔158)

''آپ کہہ دیجئے کہ لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں''

وَاَرْسَلْنٰکَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَھِیْدًاo (نساء۔79)

''اور ہم نے آپکو لوگوں کیلئے رسول بنا کر بھیجا ہے اور اللہ ہی گواہ کافی ہے''۔

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَo (انبیاء۔107)

''اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے''۔

وَمَااَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَّلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ o (سباء۔28)

''ہم نے آپ کو تمام لوگوں کیلئے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے''۔

قُلْ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّمَا اَنَا لَکُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌo (الحج۔49)

''آپ کہہ دیں کہ لوگو میں تمہیں کھلم کھلا نصیحت کرنے والا ہوں''۔

یٰاَیُّھَا النَّاسُ قَدْجَآءَ کُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّکُمْ فَاٰمِنُوْا خَیْرًالَّکُمْ۔ فَاِنْ تَکْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَکَانَ اللّٰہُ عَلِیْمًا حَکِیْمًاo (نساء۔170)

''اے لوگو اللہ کے رسول تمہارے پاس تمہارے اللہ کی طرف سے حق بات لے کر آئے ہیں تو ان پر ایمان لاؤ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اور اگر کفر کرو گے تو جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے''۔

یٰاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَ کُمْ بُرْھَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًاo (نساء۔174)

''اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیل آ چکی اور ہم نے تمہاری طرف چمکتا ہوا نور نازل فرما دیا''۔

6۔ منصب رسالت

اللہ تعالیٰ نے منصب رسالت کے بارے میں بھی واضح کر دیا
کہ میرے رسول ﷺ کا کام میرا پیغام بندوں کے نام پہنچا دینا ہے۔ اسے لوگوں پر جابر حاکم یا داروغہ بنا کر نہیں بھیجا گیا کہ انہیں زبردستی اللہ تعالیٰ کے دین میں داخل کرے۔ اللہ تعالیٰ کی آیات میں تدبر و تفکر کرنا اور حق کی جستجو کرنا بندوں کا کام ہے اور ہدایت عطا فرمانا رحمٰن و رحیم آقا کا انعام ہے۔ اس حقیقت کو قرآن کریم میں باربار دہرایا گیا ہے تاکہ رسول اللہ ﷺ اور ان کے متبعین اہل ایمان پر تبلیغ دین کی حدود و قیود واضح ہو جائیں۔

اِختصار کی خاطر ہم یہاں قرآنی آیات کا ترجمہ لکھنے پر اکتفا کر رہے ہیں:۔

''(اے میرے رسول) ہم نے آپکو سچائی کے ساتھ خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور اہل دوزخ کے بارے میں آپ سے کچھ پرسش نہیں ہوگی''۔(بقرہ۔199)

''اور اس قرآن کو تمہاری قوم نے جھٹلایا حالانکہ وہ سراسر حق ہے۔ کہہ دو کہ میں تمہارا داروغہ نہیں ہوں''۔ (انعام۔66)

''جو حکم تمہارے رب کی طرف سے تم پر وحی کیا گیا اس کی پیروی کرو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور مشرکوں سے کنارہ کرلو۔ اگر اللہ چاہتا تو یہ لوگ شرک نہ کرتے۔ اے پیغمبر ہم نے تم کو اُن پر نگہبان مقرر نہیں کیا اور نہ تم ان کے داروغہ ہو''۔ (انعام۔107,106)

''اور اللہ کی اطاعت کرو اور اسکے رسول کی اطاعت کرو۔ اگر تم منہ پھیر لوگے تو ہمارے پیغمبر کے ذمے تو صرف پیغام کا کھول کھول کر پہنچا دینا ہے''۔ (طلاق۔12)

''پھر اگر یہ منہ پھیر لیں تو ہم نے تم کو اُن پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔ تمہارا کام تو صرف احکام کا پہنچا دینا ہے''۔ (شوریٰ۔48)

''تمہارا کام ہمارے احکام کا پہنچا دینا ہے اور ہمارا کام حساب لینا ہے''۔(رعد۔40)

''جو شخص رسول کی فرمانبرداری کرے گا تو بے شک اُس نے اللہ کی فرمانبرداری کی۔ اور جو نافرمانی کرے تو اے پیغمبر تمہیں ہم نے اُن کا نگہبان بنا کر نہیں بھیجا''۔(نساء۔80)

''آپ نصیحت کرتے رہیں کہ آپ نصیحت کرنے والے ہی ہیں''۔(غاشیہ۔21)

''تم اُن پر داروغہ نہیں ہو'' (غاشیہ۔22)

اگر چہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہوا نظامِ حیات اپنے دامن میں انسان کیلئے امن وامان، راحت وآرام، خوشحالی وترقی، اطمینان قلب اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا سامان لئے ہوئے جنت میں داخلے کی دعوت ہے۔ تاہم صاحب عقل اور باشعور انسان کیلئے جبری ہدایت کا طریقہ کسی طرح بھی مناسب نہیں تھا۔ اِسی لئے دعوت کے کام کو ابلاغ کی حدود کے اندر ہی رکھا گیا۔ جو انسان اس دعوت کو قبول کر کے اپنی زندگی اپنے رب کی مرضی کے مطابق بسر کریگا وہ دنیا اور آخرت میں فلاح پالے گا اور جس نے مادی زندگی کے فریب میں آکر اسی کو اپنا مقصود بنالیا اور خواہشات کی پیروی میں من مرضی کی زندگی اپنالی تو گویا وہ نہ اللہ کو پہچان سکا نہ اپنے آپ کو جان سکا۔ اس کیلئے دنیا میں بھی تنگی کا جینا اور آخرت میں جہنم کا ٹھکانا ہوگا کیونکہ آخر کار ہم سب کو اللہ کے ہاں جانا اور اپنے اعمال کا بدلہ ضرور پانا ہے۔

7۔ ترغیب وترہیب

اللہ تعالیٰ نے ارواحِ انسانی کو اپنا دیدار کرا کے ان سے اپنی ربوبیت کا عہد لیا تاکہ انکے اندر اللہ تعالیٰ کی محبت ثبت ہو جائے۔ پھر اسے عقل جیسی نعمت سے نوازا تاکہ اِس کے ذریعے انفس وآفاق میں بکھری ہوئی اللہ تعالیٰ کی انگنت صفات پر تدبر وتفکر کر کے اس کی ذات کو پہچان لے اور اسلام میں داخل ہو کر اس کا قرب وعرفان حاصل کر سکے۔ انسان کو اس کے مقصودِ حیات کی طرف متوجہ کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں سینکڑوں آیات ہیں جن میں سے چند ایک یہاں درج کی جارہی ہیں۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ٥ (بقرۃ۔28)

"تم لوگ اللہ کے کیسے منکر ہو سکتے ہو جب کہ تم (عالم ارواح میں بغیر جسم کے) مُردہ حالت میں تھے تو اس نے تمہیں زندگی بخشی پھر وہی تم کو مردہ (یعنی عالم برزخ میں بغیر جسم والی) حالت میں لے جائیگا۔ پھر وہی تم کو (جسموں کے ساتھ) دوبارہ زندہ کریگا۔ پھر اِسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے"۔

يٰاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ۔ لَااِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ٥
(فاطر۔3)

”اے لوگو تم پر جو اللہ کے احسانات ہیں ان کو یاد کرو۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق دے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس تم کہاں بھٹکے پھرتے ہو“۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ o الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ o (بقرہ۔22,21)

”لوگو اپنے رب کی بندگی کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تا کہ تم عذاب سے بچ جاؤ۔ وہ ذات جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا۔ اور آسمان سے پانی برسا کر تمہارے کھانے کے لئے انواع و اقسام کے میوے پیدا کئے۔ پس کسی کو اللہ کا ہمسر نہ بناؤ اور تم خوب جانتے ہو“۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِىْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْئًا o اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ o (لقمان۔33)

”اے لوگو اپنے رب سے ڈرو اور اس دن کا خوف کرو کہ نہ تو باپ اپنے بیٹے کے کچھ کام آئے اور نہ بیٹا اپنے باپ کے کچھ کام آسکے۔ بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے پس دنیا کی زندگی تم کو دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ فریب دینے والا شیطان تمہیں اللہ کے بارے میں کسی طرح کا فریب دے“۔

8۔ ایمان بہ اِذنِ اللہ

اِنسان کی رشد و ہدایت کے لئے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ایک اپنا نظام ہے جس کا انحصار فرد کی گذشتہ زندگی کے کردار پر ہوتا ہے۔ کچھ لوگ کفر و شرک، بدکرداری اور فحش کلامی کی ان حدوں تک پہنچ جاتے ہیں جہاں ہدایت کے لحاظ سے انہیں لاعلاج قرار دے دیا جاتا ہے اور اللہ ان کے دلوں پر مہر کر دیتا ہے۔ ایسے لوگوں پر کسی تقریر و تحریر کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پُر از حکمت نظام سے اپنے حبیب علیہ السلام اور مومنین کو آگاہ فرما دیا تا کہ تبلیغ کے نتائج سے کبھی رنجیدہ نہ ہوں اور پورے اِطمینان قلب اور وقار کے ساتھ اس کام کو آگے بڑھاتے چلے جائیں کیونکہ ایمان کی سعادت اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کسی فرد کو حاصل نہیں ہو

سکتی۔اس کیلئے اللہ تعالیٰ کے چند فرمودات کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:۔

''اگر آپ کا رب چاہتا تو جتنے لوگ زمین پر ہیں سب کے سب ایمان لے آتے۔کیا آپ لوگوں پر زبردستی کرنا چاہتے ہیں کہ وہ مومن ہو جائیں''۔ (یونس۔99)

''کسی شخص کو قدرت نہیں ہے کہ اللہ کے حکم کے بغیر ایمان لائے اور جو لوگ بے عقل ہیں ان پر وہ کفر و ذلت کی نجاست ڈالتا ہے''۔ (یونس۔100)

''اور موسیٰ نے کہہ دیا کہ اگر تم اور جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کے سب کافر ہو جائیں تو بے شک اللہ بے نیاز اور قابل تعریف ہے''۔ (ابراہیم۔8)

''اے پیغمبر شاید تم اِس رنج سے کہ لوگ ایمان نہیں لاتے اپنے تئیں ہلاک کر دو گے۔اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے نشانی اُتار دیں پھر ان کی گردنیں اس کے آگے جھک جائیں''۔
(شعراء۔4,3)

''کیا تم چاہتے ہو کہ جس کو اللہ نے گمراہ کیا اس کو رستے پر لے آؤ۔جسے اللہ گمراہ کر دے تم اس کیلئے کبھی بھی رستہ نہ پاؤ گے''۔ (نساء۔88)

''تو جس شخص کو اللہ چاہتا ہے کہ ہدایت بخشے اس کا سینہ اسلام کیلئے کھول دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے کہ گمراہ کرے اس کا سینہ تنگ اور گھٹا ہوا کر دیتا ہے گویا وہ آسمان پر چڑھ رہا ہے۔اِسی طرح اللہ اِن لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے گند ڈال دیتے ہیں''۔ (انعام۔125)

''جب اِن لوگوں نے کجروی کی اللہ نے بھی ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے''۔(صف۔5)

''جب آپ قرآن پڑھا کرتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے مخفی پردہ ڈال دیتے ہیں کہ اسے سمجھ نہ سکیں اور ان کے کانوں میں ثقل پیدا کر دیتے ہیں۔جب آپ قرآن میں اپنے رب یکتا کا ذکر کرتے ہیں تو وہ بدک جاتے ہیں اور پیٹھ پھیر کر چل دیتے ہیں''۔ (بنی اسرائیل۔46,45)

''اگر تمہارا رب چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک ہی اُمت کر دیتا لیکن وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے۔مگر وہ جن پر تمہارا رب رحم فرما دے اور اِسی لئے اُس نے ان کو پیدا کیا ہے۔اور تمہارے رب کا قول پورا ہو گیا کہ میں دوزخ کو جنوں اور انسانوں سے بھر دونگا''۔(ھود۔119,118)

اِن آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے رُشد و ہدایت کے نظام کی حکمت اپنے رسول ﷺ پر کھول کر بیان کر دی تا کہ وہ چند بدنصیب لوگوں کے اِنکار و اِعراض سے ہرگز تنگ دل نہ ہوں اور

سمجھ لیں کہ اللہ کی مرضی یوں ہی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اشاعت دین کیلئے جبر کی اجازت نہیں دی تو اہل ایمان اللہ تعالیٰ کے احکام اور سنت خیرالانام ﷺ کے خلاف چلنے کی جرأت کیسے کر سکتے ہیں۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں نے دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کا ہمیشہ احترام کیا اور مفتوحہ ممالک میں بسنے والی اقلیتوں کے جان و مال اور ان کی عبادت گاہوں کی حفاظت کی اور انہیں مذہبی رسوم ادا کرنے کی مکمل آزادی دی۔ اگر اس کے برعکس عمل ہوتا تو ہسپانیہ، ہندوستان اور دیگر مسلم ممالک میں کوئی غیر مسلم باقی نہ رہتا۔ درحقیقت اہل ایمان ہی اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق انسانی جان کے تقدس کو دل سے تسلیم کرتے اور احترام انسانیت کی راہ پر چلتے ہیں۔ کیونکہ سراپا رحمت اللہ تعالیٰ کے رسول **رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ** کی اُمت پوری انسانیت میں محبت اور رحمت بانٹنے کیلئے ہی اُٹھائی گئی ہے۔ بقول حضرت اقبالؒ۔

فطرتِ مسلم سراپا شفقت است
خلق راہ دَست و زبانش رحمت است

9۔ اہل کتاب سے مکالمہ

اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے حضور نبی کریم ﷺ اور اہل ایمان کو یہی ہدایت دی ہے کہ انسانوں کی دُنیوی اور اُخروی فلاح کے ضامن دین کی اشاعت اور انسانوں کو اللہ کی بندگی کی راہ پر لگانے کی عظیم خدمت، حکمت، دانائی اور دل پذیر نصیحتوں کے ذریعے انجام دی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں دعوتِ دین کا لائحہ عمل واضح کرتے ہوئے فرمایا۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ۔ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ٥ (نحل۔125)

''اے نبی آپ لوگوں کو اپنے رَب کی راہ کی طرف حکمت اور پیاری پیاری نصیحت سے بلایئے اور نہایت اچھے طریقے سے بحث کیجئے۔ جو اس کے راستے سے بھٹک گیا ہو آپ کا رب اسے خوب جانتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں سے بھی خوب واقف ہے''۔

اللہ تعالیٰ کے دین کی حقیقت یہ ہے کہ اس نے ہر قوم کی طرف اپنے پیغمبر بھیجے۔ وہ سب

اللہ تعالیٰ کے منتخب اور محبوب بندے تھے۔ان پر جو کتابیں اُتاری گئیں وہ برحق تھیں۔انہوں نے انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی بندگی کی دعوت دی۔اللہ تعالیٰ، اُسکے فرشتوں، اسکی کتابوں، اس کے رسولوں اور حیاتِ آخرت پر ایمان لانا ان سب کی تعلیم کے بنیادی ارکان تھے۔ان حقائق کو تسلیم کرنے والوں کو ہر دور میں مُسلم کہا گیا اور جنہوں نے کسی ایک بھی رُکن کا انکار کیا وہ کافر قرار پائے۔اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ﷺ کی اُمت بھی ان تمام ارکان پر ایمان رکھتی اور اللہ تعالیٰ کے تمام رسولوں اور ان پر نازل کی گئی کتابوں کو برحق مانتی ہے۔گذشتہ اُمتوں یعنی اہلِ کتاب کو اِن ابدی حقائق پر ایمان لانے کی دعوت دینے کا اسلوب اللہ تعالیٰ نے خود تعلیم فرمایا ہے۔اللہ تعالیٰ انسانوں سے بے پناہ محبت کرنے کی وجہ سے یہ پسند نہیں فرماتے کہ وہ راہِ راست سے بھٹک کر اپنی عاقبت برباد کرلیں۔وہ چاہتا ہے کہ دین کی حقیقت جو کہ سراسر نصیحت اور خیر خواہی ہے تمام انسانوں تک خلوص، محبت اور دلسوزی کے جذبہ کے ساتھ ضرور پہنچائی جائے۔اس کیلئے اللہ تعالیٰ نے جو ہدایات دی ہیں وہ ہمیشہ پیش نظر رکھنی ہوں گی:۔

''اے اہلِ ایمان آپ کہہ دیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو کتاب ہم پر اُتری اس پر اور جو صحیفے ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور انکی اولاد پر نازل ہوئے اُن پر اور جو کتابیں مُوسیٰ اور عیسیٰ کو عطا ہوئیں ان پر اور جو پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے ملیں ان سب پر ایمان لائے۔ہم اِن پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اُسی خدائے واحد کے فرمابردار ہیں''۔ (بقرہ۔136)

''اہلِ کتاب سے جھگڑا نہ کرو مگر ایسے طریق سے کہ نہایت اچھا ہو۔ہاں جو ان میں سے بے انصافی کریں ان سے کہہ دیں کہ جو کتاب ہم پر اُتری اور جو کتابیں تم پر اُتریں ہم سب پر ایمان رکھتے ہیں۔اور ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اُسی کے فرمابردار ہیں''۔(عنکبوت۔46)

''اگر آپ سے جھگڑا کریں تو کہہ دیں کہ جو عمل تم کرتے ہو اللہ ان سے خوب واقف ہے۔جن باتوں میں تم اختلاف کرتے ہو اللہ تم میں قیامت کے روز ان کا فیصلہ کردے گا''۔ (الحج۔69,68)

''آپ کہہ دیں کہ اے اہلِ کتاب تم ہم میں برائی ہی کیا دیکھتے ہو،سوا اِس کے کہ ہم اللہ پر

اور جو کتاب ہم پر نازل ہوئی اس پر اور جو کتابیں پہلے نازل ہوئیں ان پر ایمان لائے ہیں ۔اور تم میں سے اکثر نافرمان ہیں"۔ (مائدۃ۔59)

"اے نبی آپ کہہ دیں کہ جو کتاب اللہ نے نازل فرمائی ہے میں اُس پر ایمان رکھتا ہوں۔ اور مجھے حکم ہوا ہے کہ تم میں انصاف کروں ۔اللہ ہی ہمارا اور تمہارا رب ہے ۔ہم کو ہمارے اعمال کا بدلہ ملے گا اور تم کو تمہارے اعمال کا۔ہم میں اور تم میں کچھ بحث و تکرار نہیں ۔اللہ ہم سب کو اکٹھا کرے گا اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے"۔ (شُوریٰ۔15)

"اے اہل ایمان جن لوگوں کو یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں ان کو بُرا نہ کہنا۔کہ یہ بھی کہیں اللہ کو بے ادبی سے بے سمجھے برا نہ کہہ بیٹھیں۔اِسی طرح ہم نے ہر اُمت کے اعمال اُن کی نظروں میں اچھے کر دکھائے ہیں۔پھر ان کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے تب وہ اُن کو بتائے گا جو کچھ وہ کیا کرتے تھے"۔ (انعام۔108)

"جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ نہیں کی اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اُن کے ساتھ بھلائی اور انصاف کا سلوک کرنے سے اللہ تم کو منع نہیں کرتا ۔اللہ تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے" (ممتحنہ۔8)

"آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب جو بات ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں تسلیم شدہ ہے اس کی طرف آ جاؤ۔وہ یہ کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں اور اسکے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں۔اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا کارساز نہ بنائے ۔اگر وہ یہ بات بھی نہ مانیں تو اُن سے کہہ دیں کہ تم گواہ رہو کہ ہم اِسی کے (لئے مُسلمون یعنی) تابع فرمان ہیں۔آل عمران ۔64)

گذشتہ تمام انبیاء محدود لوگوں کی طرف اور محدود وقت کے لئے تشریف لائے اور اپنے فرائض منصبی احسن طریقے سے ادا کر گئے ۔ان کی طرف نازل کی جانے والی ساری کتابوں میں ایک ایسے عظیم المرتبت رسول کی بشارت دی گئی تھی جو سب سے آخر میں آئے گا۔روئے زمین پر بسنے والے تمام انسان اس کی اُمت ہوں گے اور قیامت تک اس کی نبوت کا دور ہو گا۔چنانچہ اللہ نے نبی آخر الزماں ﷺ کے ذریعے بنی نوع انسان پر اپنی نعمتوں کا اِتمام فرماتے ہوئے آئینِ حیات کو اس طرح مکمل کر دیا کہ اب کسی نئے نبی، نئی کتاب اور نئی اُمت کی ضرورت باقی نہیں

رہی ۔اللہ تعالیٰ کا یہ آئین رنگ ونسل اور جغرافیائی اور لسانی زنجیروں سے نجات دلا کر انسانی بنیادوں پر عالمگیر محبت اور اکرام انسانیت کی دعوت دیتا ہے ۔علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں!

تفریق ملل حکمت افرنگ کا مقصود

اِسلام کا مقصود فقط ملت آدم

اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب میں تمام انسانوں کیلئے دعوتِ ایمان اور فلاحِ دارین کے حصول کا پیام ہے ۔اس میں سب سے زیادہ ذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اہل یہود کا آیا ہے بلکہ بنی اسرائیل کے عنوان سے ایک پوری سورت موجود ہے ۔اس لئے اہل اسلام پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ دنیا کی تمام اقوام کو اللہ کا پیام پڑھنے اور سمجھنے کے مواقع فراہم کریں تا کہ انسانیت کے اُتارے گئے اللہ کے دین کو پوری انسانیت پر غلبہ حاصل ہو جائے اور یہ زمین توحید کے نُور سے معمور ہو جائے ۔اہل ایمان یقین رکھیں کہ ایسا ہو کر رہے گا کیونکہ انجام لکھا جا چکا ہے ۔

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَ غْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِيْ ۔اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌo (مجادلۃ ۔20)

''اللہ نے یہ لکھ رکھا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب آ کر رہیں گے ۔بے شک اللہ زور آور اور زبردست ہے''۔

اب میں سلسلہ توحیدیہ کی تنظیم کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں ۔ ہمارا یہ سلسلہ کوئی سیاسی یا معاشرتی جماعت نہیں ہے بلکہ یہ تو ایک خاص صوفیوں کی جماعت ہے ۔یہ سلسلہ صرف لوگوں کے اخلاق کی اصلاح روحانی طریقوں سے کرنے کیلئے بنایا گیا ہے ۔روحانی سلسلوں میں جب تک اپنے شیخ یعنی مرشد کی کامل اطاعت نہ کی جائے تصوف کا علم حاصل نہیں ہو سکتا ۔اس لئے جو لوگ واقعی ترقی حاصل کرنا چاہتے ہیں ان کیلئے ضروری ہوتا ہے کہ اپنے مرشد کی ہدایات پر پوری دلجمعی کے ساتھ عمل کریں ۔اس کے علاوہ بزرگوں کی صحبت کے بارے میں ایک نازک سانکتہ یہ ہے کہ روحانی فیض صرف اور صرف محبت کے تاروں کے ذریعے منتقل ہوتا ہے ۔اس لئے کسی بزرگ سے فیض حاصل کرنے کیلئے ان کے ساتھ صرف عقیدت کا ہونا ہی کافی نہیں ہوتا بلکہ اس میں محبت کی چاشنی کا شامل ہونا بھی بہت ضروری ہوتا ہے ۔اسی طرح جس آدمی کی اصلاح کرنا مقصود ہو جب تک اس کیلئے پوری دلسوزی کے ساتھ خیر خواہی کا جذبہ آپ کے اندر کارفرما نہیں ہوگا اصلاح کا کام بار آور نہیں ہو سکے گا۔اس لئے آپ سب بھائیوں کو محبت کے جذبہ کو زیادہ سے زیادہ فروغ دینا چاہیے کیونکہ دل محبت ہی سے فتح کیے جاتے ہیں ۔اس اصول کو ہمیشہ مدنظر رکھیں کہ گناہ سے تو

نفرت ہونی چاہیے لیکن گنہگار سے ہرگز نہیں۔ اس پر تو آپ کو رحم آنا چاہئے کہ بہترین صلاحیتوں کے ساتھ پیدا کیا گیا یہ انسان ناسمجھی، کج فہمی اور غفلت کی وجہ سے جہنم کے گڑھے کی طرف چلا جا رہا ہے اور اسے اس دردناک انجام سے بچانے کیلئے اپنی ساری ہمت صرف کر دینی چاہئے۔ اگر ہم یہ کام محض اللہ کی رضا کی خاطر سرانجام دیں اور اس میں ذاتی بزرگی کا خیال اور نام ونمود کی خواہش کی کوئی آمیزش نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت یقیناً ہمارے ساتھ ہوگی۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی بندہ اللہ کا کام کر رہا ہو اور اللہ اس کی مدد نہ کرے۔ آپ قرآن حکیم اور نبی کریم ﷺ کے احکام کے مطابق نماز اور کثرت ذکر سے دلوں میں روحانی قوت پیدا کریں اور محبت وصداقت اور خدمت انسانیت کے عظیم مقصد کا علم تھام کر پوری دلجمعی کے ساتھ اصلاح کا کام شروع کر دیں تا کہ چراغ سے چراغ جلتے چلے جائیں اور محبت کا فیض عام ہو جائے پاکستان اور کرہ ارض پر بسنے والے تمام انسان اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ﷺ کی رحمت کے سایہ میں آ کر فلاح دارین حاصل کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حامی و ناصر ہو، ہماری راہنمائی فرمائے، ہر مشکل آسان فرمائے، اس عظیم کام کیلئے مطلوبہ ذرائع اور روحانی قوت عطا فرمائے اور لوگوں کے دلوں کو دین حق کی طرف رجوع کرنے کی توفیق سے نوازے۔ آمین **یَا رَبَّ الْعٰلَمِیْن!**

مقامِ احسان اور قرآن

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

جب زوال آیا

اللہ سبحانہ وتعالیٰ جب کسی قوم کو خلافت ارضی کے منصب پر سرفراز فرماتے ہیں تو اسے اس کا نصب العین اور لائحہ عمل صاف صاف بتا دیا جاتا ہے۔ جب تک وہ قوم اس پر عمل پیرا رہتی ہے دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرتی چلی جاتی ہے اور اقوام عالم کی قیادت اور سیادت اسی کے ہاتھ میں رہتی ہے۔ لیکن جب وہ اللہ تعالیٰ کے آئین سے ہٹ جاتی ہے تو اُس کی زندگی کے ہر شعبہ میں فساد پھیل جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عزت وشرف کا عہدہ اس سے چھین کر کسی دوسری قوم کے سپرد کر دیتے ہیں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمۡ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعۡمَةً اَنۡعَمَهَا عَلٰى قَوۡمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِهِمۡ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ o (الانفال۔53)

''یہ اس لئے کہ جو نعمت اللہ کسی قوم کو دیا کرتا ہے جب تک وہ خود اپنے دلوں کی حالت نہ بدل ڈالیں اللہ اسے نہیں بدلا کرتا اور اس لئے کہ اللہ سنتا جانتا ہے''۔

اسی طرح دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا کہ

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِهِمۡ وَاِذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوۡمٍ سُوۡٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ‌ۚ وَمَا لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ وَّالٍ o (رعد۔11)

''اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حیثیت کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت کو نہ بدلے اور جب اللہ کسی قوم کے ساتھ برائی کا ارادہ کرتا ہے تو پھر اسے کوئی ٹال نہیں سکتا اور اللہ کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں ہوتا''۔

اُمت مسلمہ کو بھی اس قانون سے استثنا نہیں ہے۔ جب تک ہم اللہ کے آخری رسول ﷺ کی اتباع میں حامل خلق عظیم اور خیر الامت بنے رہے۔ اللہ تعالیٰ کے آئین کی پاسبانی اور زمین پر عدل وانصاف کے نفاذ کیلئے مطلوبہ قوت اور جہاد کا اہتمام کئے رکھا۔ انسانوں کی جان، مال، عزت و

آبرو کی حفاظت کا فریضہ ادا کرتے اور گذشتہ انبیاء اوران کی امتوں کی عبادت گاہوں کی تو قیر کرتے رہےتو اللہ تعالٰی کی تائیدونصرت ہمارے ساتھ رہی اور کوئی دوسری قوم ہم پر غالب نہ آسکی۔

اِنْ یَّنْصُرْکُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَکُمْ ۔ وَاِنْ یَّخْذُلْکُمْ فَمَنْ ذَالَّذِی یَنْصُرُکُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ وَعَلَی اللّٰهِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَo (آل عمران ۔160)

''اگر اللہ تمہارا مدد گار ہےتو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دےتو پھر کون ہے جو تمہاری مدد کرے اور مومنوں کو چاہیے کہ صرف اللہ پر بھروسہ رکھیں''۔

کیونکہ حق کے مقابلہ میں باطل فتح یاب ہو ہی نہیں سکتا لیکن جب ہم بدل گئے اور اللہ تعالٰی کی کتاب کو پس پشت ڈال کر نئے نئے عقیدے گھڑ لئے اللہ تعالٰی اور اسکے رسولؐ کی محبت، توکل علی اللہ اور حسن کردار کو بھول کر رسمی نمازی اور گفتار کے غازی بن گئے، مجاہدانہ عزیمت اور سپاہیانہ سادگی والی زندگی ترک کر کے دنیا کی محبت میں کھو گئے، اللہ تعالٰی کی رضا والے اعمال کی بجائے مال بنانے کی فکر ہم پر سوار ہوگئی، ہم اِس عارضی دنیا کی زندگی کو سنوارنے اور سجانے میں ایسے مگن ہو گئے کہ آخرت کی دائمی زندگی اور اللہ تعالٰی کے ذکر کی لذتوں کو بھول ہی گئے تو پھر اللہ تعالٰی کا قانون حرکت میں آ گیا اور ہمیں منصب امارت سے معزول کر کے اغیار کی غلامی کی سزا میں ڈال دیا گیا۔اللہ تعالٰی نے تو حکم دے رکھا تھا۔

وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ نَسُوْا للّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَo (حشر۔19)

''تم اُن لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جو اللہ تعالٰی کو ہی بھول گئےتو اللہ تعالٰی نے انہیں ایسا کردیا کہ خود اپنےتئیں بھول گئے۔یہ بدکردار لوگ ہیں''۔

ہم اپنے آپ کو اس طرح بھول گئے ہیں کہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے وارث ہونے کی حیثیت سے ہمارے دلوں میں ان کا مقام حاصل کرنے کے لئے کوئی ولولہ ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وائے ناکامی کہ احساس زیاں بھی جاتا رہا ہے۔ہم تو دین اسلام کے بنیادی عقیدہ، اللہ تعالٰی کی توحید کو بھی گم کر بیٹھے ہیں۔زبان سے تو ہم سب کچھ تسلیم کرتے ہیں لیکن ہمارے دل زبانی اقرار کی تصدیق نہیں کرتے۔حضور نبی کریمؐ کا ارشاد ہے کہ اللہ تمہاری صورتوں اور جسموں کو نہیں

دیکھتے بلکہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتے ہیں۔(مُسلم) ہمارے زوال اور اخلاقی پستی کی ایک ہی وجہ ہے کہ اللہ تعالٰی کو جسطرح ماننا چاہئے ہم نے ویسا ماننا چھوڑ دیا ہے۔ نہ ہم اُسکی نعمتوں کا شکر کرتے ہیں نہ ہی مصائب پر صبر۔ نہ اس کی رزق رسانی کے وعدے پر اطمینان ہے نہ اس کی رزق کی تقسیم پر ہم راضی ہیں۔ ہمیں اس کی قوت ونصرت پر بھروسہ ہی نہیں رہا۔ اسی لئے ہمارا انداز فکر اور طرز حیات مادہ پرستوں کی مثل ہو گیا ہے۔ اللہ تعالٰی نے بھی ارشاد فرمایا ہے:۔

مَاقَدَرُو اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۔ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ۔(الحج۔74)

''لوگوں نے اللہ تعالٰی کی ہستی کا اندازہ جیسے لگانا چاہئے تھا نہیں لگایا۔ بے شک اللہ زور آور اور زبردست ہے''

لیکن ہمیں اپنی مرادوں کے حصول اور مشکلات کے حل کے لئے اللہ واحد وقہار کی ہستی کافی نہ لگی تو ہم نے اللہ کے بندوں کو مشکل کشا اور حاجت روا بنانے میں بڑی کشادہ دلی کا مظاہرہ کیا چنانچہ اس معاملہ میں ملک کا ہر خطہ خود کفیل ہے اور شرک کے بارے میں فرمان یہ ہے کہ

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۔ وَمَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِافْتَرٰٓی اِثْمًا عَظِیْمًاo (نساء۔48)

''اللہ اس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اور اِس کے سوا اور گناہ جس کو چاہے گا معاف کردے اور جس نے اللہ کا شریک مقرر کیا اس نے بڑا بہتان باندھا''۔

اِنَّهٗ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ الْجَنَّةَo (المائدۃ۔72)

اور یہ بھی جان رکھو'' کہ جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے گا اللہ اس پر جنت کو حرام کردیگا۔''

وَلَقَدْاُوْحِیَ اِلَیْكَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۔ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَo (زمر۔65)

''اے میرے حبیبؐ آپ کی طرف اور ان کی طرف جو آپ سے پہلے ہو چکے ہیں یہی وحی بھیجی گئی ہے کہ اگر آپ نے شرک کیا تو آپ کے عمل برباد ہو جائیں گے اور آپ زیاں کاروں میں ہو جائیں گے''۔

ان آیات سے واضح ہو گیا کہ اللہ تعالٰی کی توحید کا مقام بہت ہی بلند ہے اور اس عقیدہ پر

خلوص کے ساتھ کاربند ہو جانے والے لوگ بھی اخلاقی اور روحانی لحاظ سے دوسروں سے بلند ہو جاتے ہیں۔لیکن جب کوئی فرد یا قوم الوہیت اور ربوبیت کو نیچے کھینچ کر بشریت کی سطح پر لے آتی ہے یا اس سے بھی نیچے گر کر کسی مخلوق مثلاً سورج، چاند، ستارے، بت یا کسی حیوان کو اپنا معبود بنا لیتی ہے تو وہ خود جن پستیوں میں لڑھکتی ہے اس کا نقشہ قرآن کریم نے یوں کھینچا ہے کہ

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِىْ بِهِ الرِّيْحُ فِىْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ٥ (حج۔31)

"اور جو شخص اللہ کے ساتھ شریک مقرر کرے تو وہ گویا ایسا ہے جیسے آسمان سے گر پڑے پھر اس کو پرندے اُچک لے جائیں یا ہوا کسی دور جگہ اڑا کر پھینک دے"۔

اللہ تعالیٰ کی توحید ایک زندہ قوت ہے جو نہ صرف افراد امت کی شیرازہ بندی کرتی بلکہ ان کے اخلاق و کردار کو نکھار، سنوار کر اللہ کا محبوب بنا دیتی ہے۔اللہ تعالیٰ کا دین ایک مربوط وحدت ہے جسے مکمل طور پر قبول کرنا ہوتا ہے اور اس کے لئے حکم دیا گیا ہے کہ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً ۔ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ۔ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ٥ (البقرہ۔208)

"اے لوگو جو ایمان لے آئے ہو اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقوش پا پر مت چلو وہ تمہارا صریح دشمن ہے"۔

اور یہ انتباہ بھی کیا گیا ہے کہ

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ۔فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْىٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰۤى اَشَدِّ الْعَذَابِ٥ (البقرہ۔85)

"کیا تم اللہ کی کتاب کے بعض احکام کو تو مانتے ہو اور بعض سے انکار کئے دیتے ہو۔تو جو تم میں سے ایسی حرکت کریں ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ دنیا کی زندگی میں تو رسوائی ہو اور قیامت کے دن سخت سے سخت عذاب میں ڈال دیے جائیں۔"

دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے بانٹ لینا اور ان چھوٹے حصوں پر فرقے قائم کرنے کو بھی اللہ

تعالیٰ نے شرک فرمایا ہے۔

مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوْا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ o مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ۔ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ o (روم۔32,31)

''اے مومنو اللہ کی طرف رجوع کئے رہو اور اس سے ڈرتے رہو اور نماز پڑھتے رہو اور مشرکوں میں نہ ہونا جنھوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور فرقے فرقے ہو گئے۔ سب فرقے اسی ٹکڑے پر خوش ہیں جو ان کے پاس ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے ساتھ ہی اپنے حبیب ﷺ کو حکم فرما دیا کہ

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ۔ اِنَّمَا اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ o (انعام۔159)

''جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑوں میں بانٹ لیا اور کئی فرقے بن گئے اُن سے آپ کا کچھ تعلق نہیں۔ ان کا کام اللہ کے حوالے۔ پھر جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں وہ ان کو سب بتائے گا''

ایک جگہ تو قرآن کریم میں فرقوں کی باہم لڑائی کو اپنا عذاب قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۔ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ o (انعام۔65)

''آپ فرما دیجئے کہ اللہ اس پر قدرت رکھتا ہے کہ تم پر اوپر کی طرف سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے عذاب بھیجے یا تمہیں فرقہ فرقہ کر دے اور ایک کو دوسرے سے لڑا کر آپس کی لڑائی کا مزہ چکھا دے۔ دیکھو ہم اپنی آیتوں کو کس طرح بیان کرتے ہیں تا کہ یہ لوگ سمجھیں''۔

آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ کے تربیت یافتہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین سراپا عمل اور مجسم ایثار تھے۔ اس بہترین دور کے لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کو مسلکوں اور فرقوں میں نہیں بانٹا تھا اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے پیارے نام ''مسلم'' ہونے پر ہی فخر کرتے تھے۔

ان میں سے ہر فرد صوم، صلوٰۃ، زکوٰۃ اور دیگر احکام الٰہی کا پابند تھا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی محبت و اطاعت اور نیکیوں میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کا شوق اس مبارک دور کا چلن تھا۔ اس وقت قرآن کریم پڑھنے پڑھانے والوں، صلوٰۃ وسلام پڑھنے والوں، کثرت سے ذکر کرنے والوں، راتیں رکوع و سجود میں گذارنے والوں، مساجد میں امامت کرانے والوں تبلیغ کرنے والوں اور اللہ کی راہ میں جنگ کرنے والوں کی علیحدہ علیحدہ تنظیمیں اور جماعتیں ہرگز نہ تھیں۔ جب ضرورت پڑتی انہیں میں سے مساجد کے امام، مبلغین، عدالتوں کے قاضی، فوجوں کے امیر اور شہروں اور صوبوں کے والی چن لئے جاتے تھے۔ لیکن اب جہاں ہم سیاسی طور پر ملکوں میں تقسیم ہو چکے ہیں وہاں دینی لحاظ سے بھی گروہوں، جماعتوں اور فرقوں میں بٹ کر بٹ رہے ہیں اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں قرون اُولیٰ والے مسلمانوں کی سی عزت نصیب ہوتو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ پھر سے قرآن کریم کی طرف رجوع کریں اور اللہ تعالیٰ کے آئین پر رسول اللہ ﷺ کے اسوہ حسنہ کے مطابق عمل پیرا ہو جائیں تا کہ اللہ تعالیٰ کی تائیدونصرت ہمیں حاصل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ہدایت پر عمل پیرا ہونے کی اہمیت اس امر سے ظاہر ہو جاتی ہے کہ جب آدم علیہ السلام کو زمین پر اترنے کا حکم دیا گیا تو فرمایا۔

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۔ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۔ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى o وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَإِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى o (طٰہٰ۔124,123)

"تم دونوں یہاں سے نیچے اُتر جاؤ۔ تم میں بعض بعض کے دشمن ہو نگے۔ پھر اگر میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آئے تو جو شخص میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ تکلیف میں پڑے گا۔ اور جو میرے ذکر سے منہ پھیریگا اس کی زندگی تنگ ہو جائے گی اور قیامت کو ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے"۔

اُمت پر جب زوال آیا اور دین کی حقیقت نگاہوں سے اُوجھل ہونے لگی تو اس کا ایک نہایت ہی اہم شعبہ جس کا صحیح نام تو تزکیہ نفس یا احسان و اخلاص ہونا چاہیے لیکن عرف عام میں جسے تصوف کہا جاتا ہے یہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ عجمی تصورات اور یونانی توہمات کی وجہ

سے اس چشمہ صافی میں ایسے ایسے عقائد شامل کر لئے گئے جو قرآن و سنت کی تعلیم کے صریحاً خلاف تھے۔چنانچہ آج بھی تصوف کے مختلف سلسلوں میں ایسی بدعات کے اثرات دیکھے جاسکتے ہیں۔زندہ بزرگ اور فوت شدہ اکابر کی قبروں کو سجدے کئے جاتے ہیں۔مشکلات میں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اس کے بندوں کو پکارا جاتا ہے اور ان کے ناموں کے وظیفے پڑھے جاتے ہیں۔بزرگوں کے ناموں کے ساتھ منصوب نئی نئی نمازیں ایجاد کر لی گئی ہیں۔بعض پہنچے ہوئے فقیر اور حقیقت آشنائی کے دعویدار تو علی الاعلان نماز روزے اور شریعت کی پابندی سے منع کرتے ہیں اور قرآن و سنت کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔میرے اس خطبے کا موضوع تو یہ ہے کہ پیری مریدی یا تصوف و حکمت کی اہمیت کو قرآن و سنت کی روشنی میں واضح کیا جائے۔چونکہ یہ شعبہ دین اسلام کا ایک جزو ہے اس لئے پہلے یہ ضروری ہے کہ دین اسلام کی حقیقت کا سرسری جائزہ لیا جائے۔

حقیقت دین

سب سے پہلے تو ہمیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ انسان کی پیدائش کا مقصد کیا ہے۔اس کا جواب اللہ تعالیٰ یہ دیتا ہے کہ

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَo (ذاریات۔56)

''میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی بندگی کے لئے پیدا کیا ہے،،

اس بندگی سے مراد اللہ تعالیٰ کی معرفت اور محبت کا حصول ہے۔کیونکہ جہاں تک اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا تعلق ہے وہ تو کائنات کا ذرہ ذرہ کر رہا ہے۔عبادت سے مقصود صرف نماز اور دوسرے فرائض کی پابندی بھی نہیں ہوسکتی کیونکہ ان فرائض کی ادائیگی کے لئے تو تھوڑا سا وقت درکار ہوتا ہے اس لئے پوری زندگی کی غایت کچھ اور ہی ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ سے محبت اور یہی وہ امانت تھی جس کے بارے میں ارشاد ربانی ہے کہ۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهُ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا o لِيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًاo (احزاب۔73,72)

''ہم نے یہ امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کو دکھائی تو انہوں نے قبول نہ کیا کہ اس کو اٹھائیں اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھالیا۔ بے شک وہ ظالم اور جاہل تھا۔ تا کہ اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے اور اللہ مومن مردوں اور مومن عورتوں پر مہربانی فرمائے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے''۔

اس بار امانت کی تفویض کے علاوہ قرآن کریم میں ایک خصوصی عہد کا ذکر بھی کیا گیا ہے جو تمام ارواح انسانی سے روز ازل ہی لے لیا گیا تھا۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۔ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۔ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا ۔ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ o اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْ بَعْدِهِمْ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ o وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ o (اعراف۔172 تا 174)

''اور جب تمہارے رب نے بنی آدم سے یعنی ان کی پیٹھوں سے ان کی اولاد نکالی تو ان سے خود ان کے مقابلے میں اقرار کرالیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ وہ کہنے لگے کیوں نہیں ہم گواہ ہیں۔ اس لئے کہ قیامت کے دن تم کہیں یوں نہ کہنے لگو کہ ہم کو تو اس کی خبر ہی نہ تھی۔ یا یہ نہ کہو کہ شرک تو پہلے ہمارے بڑوں نے کیا تھا اور ہم تو ان کی اولاد تھے جو اُن کے بعد ہوئے۔ تو کیا جو کام اہل باطل کرتے رہے اس کے بدلے تو ہمیں ہلاک کرتا ہے اور اسی طرح ہم آیتیں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں تا کہ یہ رجوع کریں''

اللہ تعالیٰ کی بیان کی گئی ان آیات میں جن حقائق کی وضاحت کی گئی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے دین کی بنیاد ہیں۔ دین کے سارے احکام اور بنی نوع انسان کی ساری جدوجہد اسی مرکز ومحور کے گرد گھومتی نظر آئے گی۔ آپ ان پر تدبر فرمائیں گے تو پھر آباؤ اجداد کے اتباع اور فروعی اختلافات والے اسلام اور حقیقی دین کا فرق آپ پر روشن ہو جائے گا۔ سب سے پہلی حقیقت یہ معلوم ہوئی کہ کائنات اور انسان کو پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ دوسری یہ کہ دنیا کی زندگی کے بعد قیامت کا دن اور آخرت کی زندگی ہے۔ تیسری یہ کہ انسان کی زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ کی محبت کو کمال تک پہنچانا ہے تا کہ اس کی رضا حاصل کر سکے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسے اپنا

رب تسلیم کر کے محبت اور اطاعت کا محور بنا لے جو لوگ منافق اور مشرک بن کر مقدس امانت میں خیانت کے مرتکب ہوں گے انہیں اللہ تعالیٰ سزا دیں گے اور مومنین کو اللہ تعالیٰ نعمتوں بھری جنت عطا فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنا رب یعنی آقا و مالک تسلیم کر لینا اسلام میں داخل ہونا اور عہد الست کی تجدید بھی ہے اور استقامت کے ساتھ اپنے آقا کی غلامی اور بندگی کرنا ہی صراط مستقیم پر چلنا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں آیا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّیۡ وَرَبُّكُمۡ فَاعۡبُدُوۡهُ ۔ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِيۡمٌo

(زخرف۔64)

''بے شک اللہ میرا رب ہے اور تمہارا رب بھی وہی ہے۔اسی کی بندگی کرو کہ یہی صراط مستقیم ہے''۔

اور یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ

اِنَّ رَبِّیۡ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍo (ھود۔56)

''بے شک میرا رب صراط مستقیم پر ہے''۔

یہی وجہ ہے کہ شیطان نے بھی اپنے تا کے صراط مستقیم پر لگانے کا اعلان کر رکھا ہے۔

قَالَ فَبِمَاۤ اَغۡوَيۡتَنِیۡ لَاَقۡعُدَنَّ لَهُمۡ صِرَاطَكَ الۡمُسۡتَقِيۡمَo

(اعراف۔16)

''جس خطا پر تو نے مجھے گمراہ کیا میں بھی انسانوں کے لئے تیرے صراط مستقیم پر ڈیرے ڈالوں گا''

برادران کرام یہ ہے انسان کی تخلیق اور دین کی مقصدیت کا خاکہ۔اسے سمجھانے اور آخرت کی زندگی کے انجام کے بارے میں آگاہ کرنے کے لئے ہر قوم کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے منتخب بندے بھیجے۔

رُسُلًا مُّبَشِّرِيۡنَ وَمُنۡذِرِيۡنَ لِئَلَّا يَكُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ ۔ بَعۡدَ الرُّسُلِ ۔ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيۡزًا حَكِيۡمًاo (نساء۔165)

''سب رسولوں کو اللہ تعالیٰ نے خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجا تا کہ رسولوں کے بعد لوگوں کو اللہ پر الزام کا موقع نہ رہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کے رسولوں نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اور حیات آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دی اور دو قسم کے اعمال سے ان کو آگاہ کیا۔ پہلی قسم وہ ہے جنہیں صالح اعمال، ثواب کے کام یا اوامر کہتے ہیں جن کے کرنے سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور رضا حاصل ہوتی ہے۔ دوسری قسم کو اعمال سوء، گناہ کے کام یا نواہی کہتے ہیں ان کو کرنے والے کا دل سیاہ اور روح مسخ ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہو جاتے ہیں۔ آپ یوں سمجھ لیں کہ پہلی قسم کے کام اللہ تعالیٰ کی حضوری والے اور دوسری قسم کے کام اللہ سے دوری والے ہیں۔

جبر نہیں

چونکہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے عقل کی قوت اور نیک و بد کی تمیز دے کر اختیار و عمل میں انتخاب کی آزادی دے رکھی ہے اس لئے دین کے معاملے میں اس پر جبر نہیں ہے۔ اس لئے رسولوں کے ذمے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانا اور ایمان کی دعوت دینا ہے۔ آگے انسان کی مرضی پر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا o (دھر 3)

''ہم نے اُسے راستے کی سمجھ بوجھ دے دی ہے اب خواہ وہ شکر گذار بنے خواہ ناشکرا''۔

گذشتہ انبیاءؑ تو اپنی اپنی قوموں یا ایک ایک بستی کے لئے آئے لیکن جب حضور رحمتہ للعلمین تشریف لائے تو ارشاد ہوا۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا o (سباء۔28)

''ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لئے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے''۔

اور یہ بھی کہ

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا o (اعراف۔158)

''آپ کہہ دیجئے کہ لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا یعنی اس کا رسول ہوں''۔

اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی طرح اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی گذشتہ کتابوں اور آخری کتاب قرآن کریم کا کام بھی انذار و تبشیر ہی ہے۔

وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۔ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ

لِسَانًا عَرَبِيًا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ o(احقاف۔12)

''اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب تھی لوگوں کے لئے راہنما اور رحمت۔اور یہ کتاب عربی زبان میں ہے تصدیق کرنے والی۔تا کہ ظالموں کو ڈرائے اور نیکو کاروں کو خوشخبری سنائے۔''

اللہ تعالیٰ خود بھی لوگوں کو فرماتے ہیں۔

وَاَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُo (التغابن۔12)

''اور اللہ کی اطاعت کرو اور اسکے رسول کی اطاعت کرو۔اگر تم منہ پھیر لوگے تو ہمارے رسول کے ذمے تو صرف پیغام کا کھول کھول کر پہنچا دینا ہے۔''

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظاً ۔ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُo (شوریٰ۔48)

''پھر اگر یہ منہ پھیر لیں تو ہم نے آپ کو ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔آپ کا کام تو صرف احکام کا پہنچا دینا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ کی اس قرآنی وضاحت کے بعد اسلام پر یہ الزام لگانا کہ تلوار کے زور پر پھیلا ہے ناانصافی نہیں تو اور کیا ہے۔اس دور میں بھی تو سلیم الطبع لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں ان پر کون سی تلوار چل رہی ہے۔اللہ تعالیٰ نے تو قرآن کریم میں اپنے رسول ﷺ کو صاف صاف ہدایت دیتے ہوئے فرمایا

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ۔ وَلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِo (بقرہ۔119)

''ہم نے آپ کو سچائی کے ساتھ خوشخبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے اور اہل دوزخ کے بارے میں آپ سے کوئی پرسش نہیں ہوگی۔''

وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا۔ وَ مَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظاً ۔ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍo (انعام۔107)

''اگر اللہ چاہتا تو یہ لوگ شرک نہ کرتے۔ہم نے آپ کو ان پر نگہبان مقرر نہیں کیا اور نہ آپ ان کے داروغہ ہو۔''

فَذَكِّرْ اِنَّمَا اَنْتَ مُذَكِّرٌo لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍo (غاشیہ۔21٬22)

''آپ نصیحت کرتے رہیں کہ بے شک آپ نصیحت کرنے والے ہی ہیں۔آپ ان پر داروغہ نہیں ہیں۔''

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ۔ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِo (ق۔45)

''یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں ہمیں خوب معلوم ہے۔آپ ان پر زبردستی کرنے والے نہیں ہو۔پس جو ہمارے عذاب کی وعید سے ڈرے اس کو قرآن سے نصیحت کرتے رہو۔''

مندرجہ بالا احکام کی روشنی میں تمام اہل اسلام کو اچھی طرح جان لینا چاہیئے کہ دین اسلام کی تبلیغ کا طریقہ پیاری پیاری نصیحتوں اور حکمت کے ساتھ دعوت دینا ہے اور اس میں جبر کے عنصر کا شائبہ تک نہیں ہونا چاہیئے۔

نفس کی رکاوٹ

اللہ تعالیٰ کی ہستی پر ایمان کے بعد قیامت کے دن اور آخرت کی زندگی پر یقین لانا دین اسلام کا اہم ترین ستون ہے۔قیامت کا دن بہت بھاری ہوگا کیونکہ ہماری پوری زندگی کے سارے اعمال کا حساب ہوگا۔جن لوگوں نے اللہ کے انبیاءؑ کی اتباع میں زندگی گذار کر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کر لی وہ کامیاب قرار دے کر نعمتوں بھری جنتوں میں داخل کئے جائیں گے اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی دعوت کو ٹھکرا کر اپنے نفس کی خواہشات یعنی من مرضی والی زندگی بسر کی اور اللہ کی محبت کی بجائے مادی دُنیا کی محبت میں پھنس کر رہ گئے وہ عبرتناک انجام کو پہنچیں گے۔اس دن کے آنے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کیونکہ سچے اللہ کا یہ سچا وعدہ ہے۔کوئی مانے یا نہ مانے وہ دن تو ضرور آنا ہے۔اللہ کا فرمان ہے:

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًاo (نساء۔87)

''اللہ معبود برحق ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔وہ قیامت کے دن تم سب کو ضرور جمع کرے گا اور اللہ سے بڑھ کر بات کا سچا کون ہے۔''

اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا۔ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا۔ اِنَّهٗ يَبْدَؤُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ o لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّ عَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ o (یونس۔ 4)

''اللہ کے پاس تم سب کولوٹ کر جانا ہے۔اللہ کا وعدہ سچا ہے۔وہی خلقت کو پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر وہی اسکو دوبارہ پیدا کرے گا تا کہ ایمان والوں اور نیک کام کرنے والوں کو انصاف کے ساتھ بدلا دے اور جنہوں نے انکار کیا ان کے لئے پینے کو نہایت گرم پانی اور درد دینے والا عذاب ہوگا کیونکہ انہوں نے کفر کیا تھا۔''

جیسا کہ ہم پیچھے بیان کر آئے ہیں کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت اور محبت کے لئے پیدا فرمایا ہے اسلئے آخرت میں اس کی کامیابی کا ایک ہی طریقہ ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کو اپنا مقصود حیات بنا کر اس کی تکمیل کے لئے جدوجہد کرے۔اس دینا میں محبوب کا تعین ہی انسانوں کو دو گروہوں میں بانٹ دیتا ہے۔

وَّمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ o (البقرہ۔165)

''اور لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو شریک ٹھہراتے اور ان سے اللہ کی سی محبت کرتے ہیں لیکن جو ایمان والے ہیں وہ تو اللہ سے شدید محبت کرتے ہیں۔''

اہل ایمان کی زندگی کی حرارت اور اعمال کی محرک اللہ تعالیٰ کی محبت ہی ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ محبت کرنا ایمان کی علامت اور ابتدا ٹھہری اور خود اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جانا اس کا کمال ہے۔اس منزل کے راہیوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو حکم فرمایا کہ اپنے دامن رحمت کو دراز فرما کر اعلان کر دیجئے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ o قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ o (آل عمران۔32,31)

''کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ بھی تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف فرما دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔آپ کہہ دیں کہ اللہ اور اس کے

رسول کا حکم مانو۔ اگر نہ مانیں تو اللہ بھی کافروں سے محبت نہیں رکھتا"

اس آیت مبارکہ سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ پہلے تم سچے مومن بنو تا کہ اللہ کی محبت تمہارا مقصود بن جائے تو پھر میرا دامن تھام لو میں تمہیں حریم کبریا تک پہنچا دونگا۔ میں اللہ تعالیٰ کا حبیب ہوں اور جو میری اتباع کرے گا اللہ اسے بھی اپنا محبوب بنا لے گا۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی مکمل اطاعت کرو اور اپنی خواہشات کو قرآن و سنت کا پابند کر لو۔ جس نے بلا روک ٹوک خواہشات کے پیچھے بھاگنا شروع کیا اس کا انجام بہت برا ہوگا۔ قرآن کریم میں مختلف مقامات پر خواہشات کا اتباع کرنے والوں کے بارے میں ارشاد ہوا ہے۔

وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ o (ص۔26)

"اور خواہش کی پیروی نہ کرنا کہ وہ تمہیں اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی"۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى o **فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى** o (نازعات۔41,40)

"اور جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا اور جی کو خواہشوں سے روکتا ہے اس کا ٹھکانا بہشت ہے"۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ o (محمد۔16)

"یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا رکھی ہے اور وہ اپنی خواہشوں کے پیچھے چل رہے ہیں"۔

فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ۔ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ o (قصص۔50)

"پھر اگر یہ آپ کی بات قبول نہ کریں تو جان لیں کہ یہ صرف اپنی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں اور اس سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہش کے پیچھے چلے۔ بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا"۔

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ۔ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا o (فرقان۔43)

"کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔تو کیا آپ اس پر نگہبان ہو سکتے ہیں"۔

قرآن کی تعلیم یہ ہرگز نہیں ہے کہ خواہشات کو مکمل طور پر ختم کردو۔شریعت میں انسان کی تمام خواہشات کی تسکین کے لئے بہترین اور جائز طریقے موجود ہیں اس لئے مقصود یہ ہے کہ اندر سے اٹھنے والی ہر خواہش کو پہلے شریعت کی میزان پر رکھو۔اگر وہ جائز ثابت ہو تو قرآن وسنت کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کرو۔اگر اس کی اجازت نہ ہو تو اپنی قوت ایمانی سے اسے کچل کر رکھ دو۔

ہمارے قبلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جس طرح ایٹم کو توڑنے سے بے پناہ انرجی پیدا ہوتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی محبت میں ناجائز خواہشات کو توڑنے سے روحانی قوت حاصل ہوتی ہے۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جن کے اتباع ہی سے روحانی مراتب اور اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا حاصل ہوتی ہے کا فرمان ہے کہ "تم میں سے کوئی ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک اپنی خواہشات کو اس ہدایت کے تابع نہ کردے جو میں لایا ہوں"۔(حدیث شریف) اور یہ کہ "جنت مصائب اور مشقتوں سے گھری ہوئی ہے اور دوزخ خواہشات سے"۔(حدیث شریف) یعنی جنت تک پہنچنے کا راستہ کٹھن اور دشوار ہے لیکن دوزخ کی راہ میں کوئی مشکلات حائل نہیں ہیں بس اپنے نفس کی خواہشات پر چلنا شروع کردو تو سیدھے وہاں پہنچ جاؤ گے۔اسی لئے اہل ایمان کو ہوشیار رہنے کی تاکید فرمائی کہ "اپنی خواہشات کے خلاف اسی طرح جہاد کیا کرو جس طرح اپنے دشمنوں سے کرتے ہو"(حدیث شریف)

اولادِ آدم کے دو گروہ

یہ حقیقت ہے کہ ہدایت وکامرانی کے لحاظ سے انسانوں کے دو ہی گروہ ہیں۔ایک گروہ تو ان کا ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی تعلیم کو ٹھکرا دیا اور آخرت کی زندگی پر ایمان نہ لائے اور اپنی خواہشات پر چلتے رہے یعنی من مرضی کی زندگی گذاری۔دوسرا گروہ ان کا ہے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کی زندگی پر ایمان لائے اور مولا مرضی والی زندگی بسر کی اور دنیا وآخرت میں سرخرو ہو گئے۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو خالص اپنی محبت اور بندگی کے لئے پیدا فرمایا تو اس کی ہدایت اور راہنمائی کے لئے پورا پورا انتظام بھی فرمایا۔چونکہ انسان کو کسی حد تک

صاحبِ اختیار بنایا گیا ہے اور جہاں اختیار ہوتا ہے وہاں اختلاف پیدا ہونا ناگزیر ہے۔ اس لئے دو گروہ وجود میں آ گئے۔ قرآن کریم میں ان کا دو جگہ ذکر اس طرح آیا ہے۔

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ حُنَفَآءَ وَیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوا الزَّکٰوۃَ وَ ذٰلِکَ دِیْنُ الْقَیِّمَۃِ ٥ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ وَالْمُشْرِکِیْنَ فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا۔ اُولٰٓئِکَ ھُمْ شَرُّ الْبَرِیَّۃِ٥ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ ھُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّۃِ ٥ جَزَآؤُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ۔ ذٰلِکَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّہٗ٥ (البینۃ۔5تا8)

"ان کو حکم تو یہی ہوا تھا کہ یکسو ہو کر اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں۔ نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں اور یہی سچا دین ہے اور اہل کتاب میں سے جو لوگ کافر ہوئے اور مشرکین وہ دوزخ کی آگ میں پڑیں گے اور ہمیشہ اس میں رہیں گے <u>یہ لوگ سب مخلوق سے بدتر ہیں</u>۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے <u>وہ تمام مخلوق سے بہتر ہیں</u>۔ اُن کا صلہ ان کے رب کے ہاں ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں اور ابدالاباد ان میں رہیں گے۔ اللہ ان سے خوش اور وہ اللہ سے خوش۔ یہ سب اس کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا رہا۔"

لَنْ تُغْنِیَ عَنْھُمْ اَمْوَالُھُمْ وَلَآ اَوْلَادُھُمْ مِّنَ اللّٰہِ شَیْئًا ۔ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ٥ یَوْمَ یَبْعَثُھُمُ اللّٰہُ جَمِیْعًا فَیَحْلِفُوْنَ لَہٗ کَمَا یَحْلِفُوْنَ لَکُمْ وَیَحْسَبُوْنَ اَنَّھُمْ عَلٰی شَیْءٍ اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ الْکٰذِبُوْنَ ٥ اِسْتَحْوَذَ عَلَیْھِمُ الشَّیْطٰنُ فَاَنْسٰھُمْ ذِکْرَ اللّٰہِ ۔ اُولٰٓئِکَ حِزْبُ الشَّیْطٰنِ۔ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ٥ اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ اُولٰٓئِکَ فِی الْاَذَلِّیْنَ ٥ کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ۔ اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ٥ لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَوْ کَانُوْٓا اٰبَآءَھُمْ اَوْ اَبْنَآءَ

هُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْعَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا۔رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ۔ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَo (مجادلۃ۔17تا22)

"اللہ کے سامنے نہ تو ان کا مال ہی کچھ کام آئے گا اور نہ اولاد ہی فائدہ دے گی۔ یہ لوگ اہل دوزخ ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے۔جس دن اللہ ان سب کو جلا اٹھائے گا تو جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں اللہ کے سامنے بھی قسمیں کھائیں گے اور خیال کریں گے کہ ایسا کرنے سے کام بن جائے گا۔دیکھو یہ سراسر جھوٹے ہیں۔شیطان نے ان کو قابو میں کرلیا ہے اور اللہ کا ذکر انہیں بھلا دیا ہے یہ حزب الشیطان یعنی شیطان کا لشکر ہے اور سن رکھو کہ شیطان کا لشکر نقصان اٹھانے والا ہے۔جو لوگ اللہ اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔آپ ان کو اللہ اور اُسکے رسول کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ دیکھو گے خواہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا خاندان کے لوگ ہی کیوں نہ ہوں۔یہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان تحریر کر دیا ہے اور اپنے فیض سے ان کی مدد کی ہے اور وہ ان کو بہشتوں میں جن کے تلے نہریں بہہ رہی ہیں داخل کریگا ہمیشہ ان میں رہیں گے۔اللہ ان سے خوش اور وہ اللہ سے خوش۔یہ حزب اللہ یعنی اللہ کا لشکر ہے اور سن رکھو کہ اللہ کا لشکر ہی مراد حاصل کرنے والا ہے"۔

اللہ نے روز ازل ہی عذاب پانے اور انعام پانے والے دو گروہوں کا بتا دیا تھا سو وہ بن کر رہے۔اوپر دی گئی دونوں آیتوں میں سب سے آخری انعام اللہ تعالٰی کی رضا کو بتایا گیا ہے۔ درحقیقت یہی سب سے بڑی نعمت ہے اور یہی مومنین کا مقصود حیات ہے کہ زندگی اس نہج پر گذرے کہ انجام کار اللہ راضی ہوجائے۔

مسجود ملائکہ کی واپسی

اللہ تعالٰی نے آدم علیہ السلام کو خصوصی صلاحیتیں دے کر پیدا فرمایا' ان پر اپنی ذات کا فیض القاء کیا اور انہیں ہر شے کا علم عطا فرمایا۔پھر ملائکہ کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو۔جب سجدہ کیا گیا تو ساری اولاد آدم کی ارواح ان کے اندر تھیں یعنی وہ سجدہ سب

انسانوں کو تھا۔ وہ سجدہ اللہ تعالٰی کی محبت کی امانت اٹھانے کے شرف کو تھا۔ اب انسان کو مادی دنیا کی تربیت گاہ میں اس مشن کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے احسن تقویم سے پیدا کئے جانے والے انسان کے شایان شان تو یہی ہے کہ اللہ تعالٰی سے کئے ہوئے عہد الست اور بار امانت کے میثاق کو یاد رکھے اور اس طرح زندگی بسر کرے کہ جب اللہ تعالٰی کے ہاں اس کی واپسی ہو تو اللہ اس کی کارکردگی پر راضی ہو جائے۔ ایسا ہو جائے تو فرشتے اس کی عظمت کو پھر سلام کریں گے۔ اور جو لوگ اس روش کے خلاف چلیں گے ان کے ساتھ جو سلوک ہوگا اس کی جھلک قرآن کریم کے آئینے میں ملاحظہ ہو۔

اِنَّآ اَعۡتَدۡنَا لِلۡكٰفِرِيۡنَ سَلٰسِلاۡ وَاَغۡلٰلاً وَّ سَعِيۡرًاo (دھر۔4)

''ہم نے کافروں کے لئے زنجیریں اور طوق اور دہکتی آگ تیار کر رکھی ہے''

اَلَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِالۡكِتٰبِ وَ بِمَآ اَرۡسَلۡنَا بِهٖ رُسُلَنَا فَسَوۡفَ يَعۡلَمُوۡنَ o اِذِ الۡاَغۡلٰلُ فِىۡۤ اَعۡنَاقِهِمۡ وَ السَّلٰسِلُ يُسۡحَبُوۡنَ o فِى الۡحَمِيۡمِ۔ ثُمَّ فِى النَّارِ يُسۡجَرُوۡنَo ثُمَّ قِيۡلَ لَهُمۡ اَيۡنَ مَا كُنۡتُمۡ تُشۡرِكُوۡنَ oمِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ قَالُوۡا ضَلُّوۡا عَنَّا بَلۡ لَّمۡ نَكُنۡ نَّدۡعُوۡا مِنۡ قَبۡلُ شَيۡـًٔا كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الۡكٰفِرِيۡنَo ذٰلِكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَفۡرَحُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ بِغَيۡرِ الۡحَقِّ وَ بِمَا كُنۡتُمۡ تَمۡرَحُوۡنَo اُدۡخُلُوۡۤا اَبۡوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا فَبِئۡسَ مَثۡوَى الۡمُتَكَبِّرِيۡنَo (مومن۔70 تا 76)

''جنہوں نے ہماری کتاب اور جو کچھ ہم نے رسولوں کو دے کر بھیجا اس کو جھٹلایا وہ عنقریب معلوم کر لیں گے جب ان کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں ہونگی اور گھسیٹے جائیں گے کھولتے ہوئے پانی میں۔ پھر آگ میں جھونک دیئے جائیں گے۔ پھر ان سے کہا جائے گا وہ کہاں ہیں جن کو تم شریک بناتے تھے۔ کہیں گے وہ تو ہم سے جاتے رہے بلکہ ہم تو پہلے کسی چیز کو پکارتے ہی نہ تھے۔ اسی طرح اللہ کافروں کو گمراہ کرتا ہے۔ یہ اس کا بدلا ہے کہ تم زمین میں حق کے بغیر خوش ہوا کرتے تھے اور اترایا کرتے تھے۔ اب جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ ہمیشہ اسی میں رہو گے۔ تکبر کرنے والوں کا کیا برا ٹھکانا ہے''۔

خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ o ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ o ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ o اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ o وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ o (حاقہ ۔30 تا 34)

''فرشتوں کو حکم ہو گا کہ اسے پکڑ لو اور طوق پہنا دو پھر دوزخ کی آگ میں جھونک دو ۔پھر زنجیر سے جس کی ناپ ستر گز ہے جکڑ دو ۔یہ نہ بلند شان والے اللہ پر ایمان لاتا تھا اور نہ فقیر کے کھانا کھلانے پر آمادہ کرتا تھا''۔

عالم ارواح میں اللہ تعالٰی نے جو عہد و پیمان لئے ان کی یاد دہانی کے لئے ہر قوم کی طرف اپنے رسول بشیر اور نذیر بنا کر بھیجے ۔جنہوں نے آخرت کی زندگی اور اس میں پیش آنے والے تمام معاملات کے بارے میں بتا دیا ۔لیکن انسانوں میں اختلاف عمل کی وجہ سے دو گروہ بن گئے ۔ قیامت میں حساب کتاب کے بعد جب انہیں دوزخ اور جنت کی طرف لے جایا جائے گا تو ان کے دربان یوں استقبال کریں گے ۔

يَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ o (احقاف ۔20)

''جس دن کافر دوزخ کے سامنے کئے جائیں گے تو کہا جائے گا تم نے اپنی خوبیاں دنیا کی زندگی میں صرف کر ڈالیں اور ان سے متمتع ہو چکے ۔سو آج تم کو ذلت کا عذاب ہے جو کہ تم زمین میں ناحق غرور کیا کرتے تھے اور نافرمانی کرتے تھے''

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۔ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ o قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ o (زمر ۔72,71)

''اور کافروں کو گروہ گروہ بنا کر جہنم کی طرف لے جائیں گے ۔یہاں تک کہ جب وہ اس

کے پاس پہنچ جائیں گے تو اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے تو اس کے داروغہ اُن سے کہیں گے کہ کیا تمہارے پاس تمہیں میں سے رسول نہیں آئے تھے جو تم کو تمہارے رب کی آیتیں پڑھ کر سناتے اور اس دن کے پیش آنے سے ڈراتے۔ وہ کہیں گے کیوں نہیں لیکن کافروں کے حق میں عذاب کی بات ہو کر رہی۔ کہا جائے گا کہ دوزخ کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ ہمیشہ اس میں رہو گے۔ تکبر کرنے والوں کا برا ٹھکانا ہے''۔

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۔ حَتّٰى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ o (زمر۔73)

''اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کو گروہ گروہ بنا کر بہشت کی طرف لے جائیں گے۔ یہاں تک کہ جب اس کے پاس پہنچ جائیں گے اور اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے تو اس کے داروغہ ان سے کہیں گے کہ تم پر سلام ہو۔ تم بہت اچھے رہے اب اس میں ہمیشہ کے لئے داخل ہو جاؤ''

جنت میں داخل ہونے والے مومنین کی زندگی کی جو جھلک قرآن کریم میں دکھائی گئی ہے وہی دین کی اصل حقیقت اور کامیابی کی راہ ہے۔ جنت کے اندر بھی فرشتے ان کو سلامی دینے کے لئے جس طرح آئیں گے اس کے بارے میں بھی ارشاد ربانی ملاحظہ ہو۔

اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ۔ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ o الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ o وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً وَّ يَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ o جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ o سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ o

(رعد۔19 تا 24)

"بھلا جو شخص یہ جانتا ہے کہ جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل ہوا ہے حق ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جو اندھا ہے؟ اور سمجھتے تو وہی ہیں جو اہل دانش ہیں۔ جو اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور میثاق کو توڑتے نہیں اور جس کو جوڑے رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اس کو جوڑے رکھتے ہیں اور اپنے رب سے ڈرتے رہتے اور برے حساب سے خوف رکھتے ہیں اور جو اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے برداشت کرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور جو مال ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں اور برائی کا بدلہ نیکی سے دیتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لئے عاقبت کا گھر ہے۔ ہمیشہ رہنے کے باغات جن میں وہ داخل ہوں گے اور ان کے باپ دادا اور بیبیوں اور اولاد میں سے جو نیکوکار ہوں گے وہ بھی اور فرشتے بہشت کے ہر ایک دروازے سے ان کے پاس آئیں گے اور کہیں گے تم پر سلام ہو۔ یہ بدلا ہے جو تم صبر کرتے رہے اور عاقبت کا گھر کیا ہی خوب ہے"۔

مقربین و محسنین

طریقت و تصوف

انسان کی تخلیق' حیات ارضی اور اللہ تعالیٰ کے دین کی غرض و غایت بیان کرنے کے بعد ہم یہ بتائیں گے کہ صحیح اللہ والے فقیر اور سچے صوفی قرآن و سنت کے اندر رہتے ہوئے ہی روحانی کمالات اور اللہ کے قرب اور اس کی رضا کا سفر طے کرتے ہیں۔ شریعت تو وہ قانون ہے جو ہر مسلمان پر لاگو ہوتا ہے۔ شریعت میں ایمان کے جتنے ارکان ہیں ان سب کا تعلق غیب سے ہے۔ ان غیبی حقائق کی معرفت حاصل کرنے کے جو طریقے رسول اللہ ﷺ نے تلقین فرمائے ان کا نام طریقت (یعنی راستہ) ہے اور ان پر عمل کرنے کے بعد جو علم حاصل ہوتا ہے اس کا نام حقیقت ہے تو پھر شریعت اور طریقت ایک دوسرے کے خلاف کیسے ہو گئیں۔ حضرت شیخ احمد سرہند مجدد الف ثانی " مکتوبات جلد اول میں فرماتے ہیں۔ "پس شریعت دنیا و آخرت کی تمام سعادتوں کی ضامن ہے اور کوئی ایسا مطلب باقی نہیں جس کے حاصل کرنے کے لئے شریعت کے سوا کسی اور چیز کی حاجت پڑے۔ شریعت کے تین جزو ہیں۔ علم، عمل اور اخلاص

۔جب تک تینوں متحقق نہ ہوں شریعت متحقق نہیں ہوتی ۔طریقت اور حقیقت جن سے صوفیاء ممتاز ہیں تیسرے جزو یعنی اخلاص کو کامل کرنے میں شریعت کی خادم ہیں''۔(مکتوب 36) اس سے معلوم ہوا طریقت نہ تو شریعت سے باہر کی کوئی چیز ہے اور نہ ہی اس کی مخالف ہے۔اب موجودہ دور کے ایک معروف عالم اور عالمگیر شہرت کے حامل مصنف مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی تصوف کے بارے میں رائے ملاحظہ فرمائیں۔آپ رسالہ دینیات میں تصوف کے عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں۔''فقہ کا تعلق انسان کے ظاہری عمل سے ہے۔وہ صرف یہ دیکھتی ہے کہ تم کو جیسا اور جس طرح کا حکم دیا گیا تھا اس کو تم بجالائے یا نہیں۔اگر بجالائے ہو تو فقہ کو اس سے کچھ بحث نہیں کہ تمہارے دل کا کیا حال تھا۔دل کے حال سے جو چیز بحث کرتی ہے اس کا نام تصوف ہے۔تصوف تو درحقیقت خدا اور رسول ﷺ کی سچی محبت بلکہ عشق کا نام ہے اور عشق کا تقاضا یہ ہے کہ خدا کے احکام اور اسکے رسولؐ کی پیروی سے بال برابر بھی انحراف نہ کیا جائے۔پس اسلامی تصوف شریعت سے الگ کوئی چیز نہیں ہے۔بلکہ شریعت کے احکام کو انتہائی خلوص اور نیک نیتی کے ساتھ بجالانے اور اطاعت میں خدا کی محبت اور اس کے خوف کی روح بھر دینے ہی کا نام تصوف ہے''۔

ایمان کے اس اعلیٰ مقام اور قرب و رضا کی منزل کے لئے حسب ذوق و استطاعت ہر مومن کو کوشش کرنی چاہیے۔اللہ تعالیٰ نے جس طرح دنیا کی نعمتوں میں انسانوں کو ایک دوسرے پر فضیلت دے رکھی ہے اور انسان دولت، علم، عہدے اور مرتبے کی بہتری کے لئے کوشش میں لگا رہتا ہے۔ہونا تو یہ چاہیے کہ اس مختصر اور فانی زندگی کے مقابلے میں ہمیشہ والی زندگی کے لئے بہت زیادہ جدوجہد کی جائے۔اللہ تعالیٰ کا بھی فرمان ہے۔

اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا o (بنی اسرائیل۔21)

''دیکھو ہم نے کس طرح بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہوئی ہے اور آخرت درجوں میں دنیا سے بہت برتر اور برتری میں کہیں بڑھ کر ہے''۔

مرتبہ احسان

ایک حدیث مبارکہ جس میں یہ ذکر ہے کہ ایک مرتبہ جبرائیل علیہ السلام انسانی

صورت میں تشریف لائے اور صحابہ کی موجودگی میں رسول اللہ ﷺ سے اسلام، ایمان اور احسان کے بارے میں سوالات کئے۔ احسان کے بارے میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''احسان یہ ہے کہ تو اپنے رب کی بندگی اس طرح کرے گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اگر تو ایسا نہ کر سکے تو پھر وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے۔''

یعنی مرتبہ احسان یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی دائمی حضوری نصیب ہو جائے۔ جب جبرائیل علیہ السلام چلے گئے تو حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ یہ جبرائیل تھے اور آپ لوگوں کو دین کے بارے میں بتانے آئے تھے۔ اس سے یہ حقیقت بھی آشکارا ہوئی کہ دین کے تین اہم جزو ہیں اسلام، ایمان اور احسان۔ اس حدیث کو حدیث احسان کے نام سے پکارا جاتا ہے اور مرتبہ احسان کے حصول کے لئے دین کا جو شعبہ مدد دیتا ہے اس کا نام حکمت رکھ لیں چاہے اسے تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کہہ لیں یا اسے تصوف کا نام دے لیں۔ لیکن اس کے حصول کی تمنا ہر مومن کو ہونی چاہیے۔ کیونکہ

اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًاo
(مُلک۔2)

''اللہ تعالیٰ نے موت و حیات کو اسی لئے پیدا کیا تا کہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون ''حسن'' عمل کرتا ہے۔''

انسان کے لئے احسان کا اعلیٰ ہدف اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا تو اس کے لئے مطلوبہ صلاحیتیں اور اسباب بھی مہیا فرمائے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍo (التین۔4)

''ہم نے انسان کو احسن تقویم یا صلاحیت سے پیدا کیا''

صَوَّرَکُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَکُمْ وَاِلَیْہِ الْمَصِیْرُo (تغابن۔3)

''اور تمہاری ظاہری صورتیں بنائیں اور صورتیں بھی احسن بنائیں اور اسی کی طرف تمہیں لوٹ کر جانا ہے''۔

اور قرآن کریم پر عمل کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا۔

وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْo (زمر۔55)

''اور تمہارے رب کی طرف سے جو کچھ تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اس کے احسن احکام کا اتباع کرو''

اس اتباع کی عملی صورت اور بہترین نمونہ کی طرف راہنمائی فرما دی کہ

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۝ (احزاب۔21)

''رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس میں تمہارے لئے اسوہ حسنہ ہے۔''

اور اپنی محبت کے طالبوں کو حکم فرمایا۔

وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ۝ (بقرہ۔195)

''حسن عمل کو اپناؤ۔ بے شک اللہ محسنین سے محبت کرتا ہے''

اس راہ میں مسلسل جدو جہد اور محاسبہ درکار ہوتا ہے۔ جب حسن کامل کی آرزو ہو تو پھر فارغ کیسے بیٹھا جا سکتا ہے۔ خوب سے خوب تر کی جستجو میں اصلاح کا عمل آخر دم تک جاری رہتا ہے۔ بقول حضرت مولانا رومؒ:۔

اندریں راہ می تراش و می خراش
تا دم آخر دمے فارغ مباش

ایک مومن کو اللہ تعالیٰ کی محبت کے حصول کے لئے حضور نبی کریم ﷺ کے اسوہ حسنہ اور خلق عظیم کو سامنے رکھتے ہوئے ایمان و تقویٰ کے کتنے ہی مراحل سے گذرنا پڑتا ہے۔ ان کا ذکر قرآن کریم میں یوں آیا ہے۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ۝ (مائدۃ۔93)

''جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان پر ان چیزوں کا کچھ گناہ نہیں جو وہ کھا چکے۔ جب کہ انہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور ایمان لائے۔ اور نیک کام کئے۔ پھر تقویٰ اختیار کیا اور ایمان لائے پھر تقویٰ اختیار کیا تو حسن عمل تک پہنچے۔ اور اللہ محسنین سے محبت کرتا ہے''

یہ مقام بلند ہر کسی کے نصیب میں کہاں ہوتا ہے۔ لیکن محسنین ہی وہ بلند مرتبہ بزرگ ہیں جو

تسلیم ورضا اور ترک ماسوا اللہ میں اس قدر آگے بڑھ جاتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کے ہو کر رہ جاتے اور اس کے قرب و دیدار کی آرزو میں جیتے ہیں۔ انہی کی شان میں آیا ہے

وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا۔ وَاِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَo (عنکبوت۔69)

''اور جن لوگوں نے ہمارے لئے کوشش کی ہم انکو ضرور اپنے رستے دکھائیں گے اور اللہ محسنین کے ساتھ ہے''۔

اور یہ بشارت بھی دی کہ

اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَo (اعراف۔56)

''بے شک اللہ کی رحمت محسنین کے قریب ہے''

ان کے لئے آخرت میں جنتیں بھی اعلیٰ درجہ کی ہوں گی۔ سورت الرحمٰن میں بھی دو خصوصی باغوں کے ذکر کے بعد فرمایا۔ ''احسان کا بدلہ احسان کے سوا کیا ہے''۔

تین گروہ

اللہ تعالیٰ قرآن کریم کے ذریعے انسانوں کو حیات دنیا کی بے ثباتی کے بارے میں بار بار آگاہ کرتا ہے تا کہ وہ آخرت کی حقیقی اور دائمی زندگی کو ترجیح دیں اور اس کے لئے توشہ جمع کریں۔ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو نیک کاموں میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی ترغیب دیتے ہوئے فرماتا ہے۔

وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِo سَابِقُوْآ اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَجَنَّۃٍ عَرْضُھَا کَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِo (حدید۔21,20)

''اور دنیا کی زندگی تو متاع غرور یعنی فریب ہے۔ تم اپنے رب کی مغفرت اور جنت کی طرف لپکو جس کا عرض آسمان اور زمین کے عرض کا سا ہے۔''

فَفِرُّوْآ اِلَی اللّٰہِ اِنِّیْ لَکُمْ مِّنْہُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌo (ذاریات۔ 50)

''پس تم لوگ اللہ کی طرف دوڑ پڑو۔ میں اس کی طرف سے تم کو صریح رستہ بتانے والا ہوں''

یہ ایک عام فہم سی بات ہے کہ زندگی کا کوئی سا بھی شعبہ یا جدو جہد کا میدان ہو ہم کارکردگی

کے لحاظ سے انسانوں کو کم از کم تین درجات میں بانٹ سکتے ہیں۔ چنانچہ ایمان و عمل کے لحاظ سے بھی تین گروہ بن جاتے ہیں۔ یہاں اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ بلکہ موت کے وقت تینوں قسم کے انسانوں کے لئے جانکنی کی کیفیت اور عالم برزخ میں استقبال بھی مختلف ہوگا۔ قرآن کریم میں بالعموم کفار اور مومنین کے دو گروہوں کا ذکر آتا ہے۔ لیکن چند مقامات پر اہل ایمان میں سے ان خاص لوگوں کو جو نیکیوں میں دوسروں پر سبقت لے جاتے ہیں تیسرا گروہ قرار دیا ہے اور اسے سابقون اور مقربون کا نام دیا گیا ہے۔ ان کے بارے میں ارشادات ملاحظہ ہوں۔

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۔ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۔ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۔ ذٰلِكَ هُوَالْفَضْلُ الْكَبِيْرُo (فاطر ۔32)

''پھر ہم نے ان لوگوں کو کتاب کا وارث ٹھہرایا جن کو اپنے بندوں میں سے برگزیدہ کیا تو کچھ تو ان میں سے (۱) اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں (۲) اور کچھ میانہ رو ہیں (۳) اور کچھ اللہ کے حکم سے نیکیوں میں آگے نکل جانے والے ہیں یہی فضل کبیر ہے''۔

وَكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً o فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ o وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ o وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ o اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ o فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ o ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ o وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ o (واقعہ ۔7 تا 14)

''قیامت کے روز تم تین قسم کے ہو جاؤ گے تو داہنے ہاتھ والے سبحان اللہ داہنے ہاتھ والے کیا ہیں اور بائیں ہاتھ والے افسوس بائیں ہاتھ والے کیا ہیں اور جو آگے بڑھنے والے ہیں ان کا کیا کہنا وہ آگے ہی بڑھنے والے ہیں ۔ وہی اللہ کے مقرب ہیں ۔ نعمت کے بہشتوں میں ۔ بہت سے تو اگلے لوگوں میں سے ہونگے اور تھوڑے سے پچھلوں میں سے''

اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ o وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ o (مومنون ۔61,62)

"وہ لوگ نیکیوں میں تیزی دکھاتے ہیں اور وہ ان کے لئے آگے نکل جاتے ہیں اور ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے اور ہمارے پاس کتاب ہے جو حق بولتی ہے اور لوگوں پر ظلم نہیں کیا جائے گا"۔

قرآن کریم میں بیان کئے گئے ان اعلیٰ درجات کے حصول کا نام ہی بزرگی اور فقیری ہے اور اسی غرض سے کسی مرد کامل کو مرشد اور راہنما بنایا جاتا ہے۔ ویسے یہ بات یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو تمام انسانوں کو فقیر قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ۔ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُo
(فاطر۔15)

"اے لوگو تم سب اللہ کے فقیر یعنی محتاج ہو اور اللہ بے پروا اور سزاوار حمد ہے"۔

ہر مومن کو زندگی کی مہلت کو غنیمت جانتے ہوئے اللہ کی محبت کے سفر میں پرجوش رہنا چاہئے اور وقت نہ ملنے کا بہانہ تو دنیا کی محبت میں گرفتاری کا ثبوت ہے۔ کیونکہ وقت تو اللہ تعالیٰ نے دے رکھا ہے لیکن اس کا صحیح مصرف ہماری ذمہ داری ہے۔ تاکہ ہر آنے والا دن اللہ کی محبت اور قرب کے لحاظ سے کل سے بہتر ہو۔ کیونکہ "جس مومن کے دو دن یکساں حالت میں گذریں وہ خسارے میں ہے"۔ (حدیث شریف) جو لوگ وقت کی قدر کرتے اور اللہ کے مقربین والی راہ اختیار کر کے مرتبہ احسان پر فائز ہو جاتے ہیں ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام ملاحظہ فرمائیں۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا۔ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُo (توبہ۔100)

"اولین مہاجرین اور انصار میں سے جو دوسروں سے آگے نکل گئے اور جو مرتبہ احسان کے ساتھ ان کے پیچھے چلے اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں اور اس نے ان کے لئے جنتیں تیار کی ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں اور ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔"

اللہ کی محبت اور شب بیداری

ہم پیچھے بیان کر آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی رضا ہی مومن کا مقصود حیات ہے اور اہل ایمان کی علامت یہ بتائی گئی ہے کہ وہ سب سے زیادہ

محبت اللہ تعالیٰ سے کرتے ہیں اس کے بعد رسول اللہ ﷺ سے پھر صحابہ کرام اور پھر دوسرے بزرگان کرام سے اور پھر ساری مخلوق کے ساتھ عالمگیر محبت کرتے اور اس کی خدمت کو مقصود اعظم جانتے ہیں۔ اللہ والے سچے صوفی بھی یہی تعلیم دیتے ہیں اور نوافل کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے راتوں کو اٹھ کر عبادت کرتے ہیں اور "جو دم غافل سو دم کافر" کو مدنظر رکھتے ہوئے خلوت وجلوت میں اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں۔ یہ بات یاد رکھیں کہ پانچ وقت کی نماز، اڑھائی فیصد سالانہ زکوٰۃ اور سال میں ایک ماہ کے روزے تو کم از کم نصاب ہے جس کی پابندی ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اس پر کاربند ہونے سے بھی جنت تو عطا ہو جائے گی لیکن جنت میں تو بے شمار درجات ہیں ان کے حصول کے لئے نوافل کا سہارا لینا بہت ضروری ہے۔ اگر آپ اونچے مقامات کے خواہشمند ہیں تو اونچے درجے کی عبادت بھی کرنا ہوگی۔ خواص میں داخل ہونا ہے تو عوام سے زیادہ کچھ خاص عبادات اور اذکار کو اپنانا ہوگا اور اپنا اخلاق بھی مقربین بارگاہ جیسا بنانا ہوگا اور ان سب کی تاکید قرآن میں بار بار کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کے بارے میں آیات ملاحظہ فرمائیں۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ o (بقرۃ۔165)

"اور جو اہل ایمان ہیں ان کی شدید محبت اللہ سے ہوتی ہے"

قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْھَا وَتِجَارَۃٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَھَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَھَآ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَجِھَادٍ فِیْ سَبِیْلِہٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ۔ وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ o
(توبۃ۔24)

"آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور خاندان کے آدمی اور مال جو تم کماتے ہو اور تجارت جس کے بند ہونے سے ڈرتے ہو اور مکانات جن کو پسند کرتے ہو، اللہ اور اس کے رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے تمہیں زیادہ عزیز ہوں تو ٹھہرے رہو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیجے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتے"

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗo (مائدۃ۔54)

"اے ایمان والو اگر کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے گا تو اللہ ایسی قوم کو لے آئے گا جن سے وہ محبت کرتا ہوگا اور جو اس سے محبت کرتے ہوں گے"

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۔ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِo (بقرہ۔207)

"اور لوگوں میں سے کوئی ایسا ہے کہ اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے اپنی جان بیچ ڈالتا ہے اور اللہ بندوں پر بہت مہربان ہے"۔

حضور نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ سے خود بھی دعا کیا کرتے تھے۔ **اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يَّنْفَعُنِيْ فِيْ حُبِّكَ** "اے اللہ تو مجھے اپنی محبت سے نواز دے اور اس شخص کی محبت بھی جو تیری محبت کی راہ میں مجھے فائدہ دے" اس حدیث مبارکہ سے اللہ والے نیک لوگوں کے ساتھ محبت کرنے کا جواز ملتا ہے۔ کیونکہ یہ محبت **مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** نہیں بلکہ **فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** ہے۔

اب دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں اپنے ان خاص بندوں کی تعریف کس انداز میں فرماتے ہیں تا کہ سب کو شب بیداری اور سحر خیزی کی فضیلت سے آگاہی ہو۔

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِo**وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ**o (ق۔40,39)

"تو جو کچھ یہ کفار بکتے ہیں اس پر صبر کرو اور آفتاب کے طلوع ہونے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے اپنے رب کی تسبیح کرتے رہو اور رات کے بعض اوقات میں بھی اور نماز کے بعد بھی اس کی تسبیح کیا کرو۔"

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا o **وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا**o (دھر۔26,25)

"اور صبح و شام اپنے رب کے نام کا ذکر کرتے رہو اور رات کو بڑی رات تک اس کو سجدے کیا

کرو اور اس کی پاکی بیان کرتے رہو"

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنّٰتٍ وَّعُيُونٍ ٥ اٰخِذِينَ مَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِينَ ٥ كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ ٥ وَ بِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ٥ وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُومِ ٥ وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِينَ ٥ وَ فِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ٥
(ذاریات۔ 15 تا 21)

"بے شک پرہیز گار بہشتوں اور چشموں میں ہوں گے۔ جو نعمتیں ان کا رب دیتا ہوگا ان کو لے رہے ہونگے۔ بے شک اس سے پہلے وہ محسنین تھے۔ رات کے تھوڑے سے حصے میں سوتے تھے اور اوقات سحر میں بخشش مانگتے تھے اور ان کے مال میں مانگنے والے اور نہ مانگنے والے دونوں کا حق ہوتا تھا اور یقین کرنے والوں کے لئے زمین میں نشانیاں ہیں اور خود تمہارے نفسوں میں بھی تو کیا تم دیکھتے نہیں"

تَتَجَافٰى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُونَ ٥ (سجدہ۔16)

"اُن کے پہلو بچھونوں سے الگ رہتے ہیں اور وہ اپنے رب کو خوف اور امید سے پکارتے ہیں اور جو مال ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں"

وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ٥ (فرقان۔64)

"اور وہ جو اپنے رب کے آگے سجدہ کرکے اور کھڑے رہ کر راتیں بسر کرتے ہیں"

أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ٥ (زمر۔9)

"وہ جو رات کے وقتوں میں زمین پر پیشانی رکھ کر اور کھڑے ہو کر عبادت کرتا اور آخرت سے ڈرتا اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہے"

وَمِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ أُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُونَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ ٥ (آل عمران۔113)

"اہل کتاب سب ایک جیسے نہیں۔ ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو رات کے وقت اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت کرتے اور اس کے آگے سجدے کرتے ہیں"

کثرت ذکر

اللہ تعالٰی کا ذکر کثرت سے کرنا بھی تمام سلسلہ ہائے تصوف کا خصوصی امتیاز ہے۔اللہ تعالٰی نے ذکر کے سوا اور کسی عبادت کو کثرت سے کرنے کا حکم نہیں فرمایا۔اس عبادت کے لئے نہ تو وقت کی پابندی ہے نہ خاص طہارت کی ضرورت ہے اور نہ ہی کسی سمت منہ کرنے یا جسمانی حرکات کی حاجت ہے۔اللہ کا ذکر ہر جگہ اور ہر وقت کیا جا سکتا ہے۔قرآن کریم اور احادیث میں اس کی بڑی تاکید اور فضائل بیان کئے گئے ہیں۔پھر بھی کچھ علماء ذکر کی افادیت کے قائل نہیں ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں آیا ہے کہ **اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ** ''یعنی میرے ذکر یا یاد کے لئے نماز قائم کر''۔لہٰذا نماز ہی ذکر ہے لیکن اللہ والے یہ کہتے ہیں کہ نماز ہی ذکر نہیں بلکہ نماز بھی ذکر ہے۔جو خاص اوقات میں خاص اہتمام کے ساتھ ادا کی جاتی ہے لیکن یہ ذکر جس کے بارے میں حکم دیا گیا ہے کہ

یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُ اللّٰهَ ذِکْرًا کَثِیْرًا o (احزاب۔41)

''اے ایمان والو اللہ کا ذکر کثرت سے کرو''

اس کے لئے بڑا صاف حکم ہے جو اسے نماز سے علیحدہ بتا رہا ہے چنانچہ ارشاد ہوا

فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذْکُرُوا اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِکُمْ o

(سورۃ النساء۔103)

''جب نماز ادا کر چکو تو اللہ کا ذکر کیا کرو کھڑے اور بیٹھے اور پہلو کے بل لیٹے''

اسی طرح نماز جمعہ کے بارے میں حکم ہوا ہے کہ

فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْکُرُ اللّٰهَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ o (جمعہ۔10)

''جب نماز ادا ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرو تاکہ فلاح پا جاؤ''

فرصت کے لمحات اور عام کام کاج کے دوران کے علاوہ عین جنگ کے دوران ذکر کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَo (انفال۔45)

''مومنو جب کبھی کسی جماعت سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرو تا کہ مراد حاصل کرو''۔

اللہ تعالیٰ کے ذکر کا مقام اتنا بلند ہے کہ اس کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ

وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُo (عنکبوت۔45)

''اللہ کا ذکر سب سے بڑی بات ہے''

اور اس کی برکت اتنی ہے کہ ارشاد ہوا۔

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُo (رعد۔28)

''اور سن رکھو کہ اللہ کے ذکر ہی سے دل اطمینان پاتے ہیں''

اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے طالبوں کے لئے اس سے بڑی نوید مسرت کیا ہو گی اور اس سے بڑھ کر کیا انعام ہو گا جو پیار کا یہ پیام سنایا۔

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ(بقرۃ۔152)

''تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کرو نگا اور میرے احسان مانو اور ناشکری نہ کرو''

ایک اور مقام پر قرآن کریم کی دو چھوٹی چھوٹی آیات میں نماز اور ذکر دونوں کی اہمیت کو واضح کر کے بہت بڑا مسئلہ حل کر دیا گیا ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى۔ وَذَكَرَاسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى۔(اعلیٰ۔15,14)

''بے شک وہ مراد کو پہنچ گیا جو پاک ہوا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا''

ان دو آیات میں فلاح کا مدار تزکیۂ رب کے نام کے ذکر اور نماز کو بتایا گیا ہے۔ تزکیہ سے مراد انسانی نفوس کو پاک کرنا ہے۔ حضور رحمۃ اللعلمین ﷺ کی بعثت کے چار بنیادی مقاصد کو قرآن کریم میں چار جگہ بیان کیا گیا ہے اور وہ ہیں ۱۔ اللہ کی آیات کی تلاوت ۲۔ تزکیۂ نفس۔ ۳۔ تعلیم کتاب۔ ۴۔ تعلیم حکمت۔ نفوس کا تزکیہ روحانی طاقت یعنی فیض صحبت سے کیا جاتا ہے جس کی برکت سے نفوس دنیا کی محبت اور سرکشی کی روش ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی محبت اور تقویٰ کی لذت سے آشنا ہوتے ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ کے فیضان کی یہ مقدس امانت صحابہ کرام،

تابعین اور تبع تابعین کے سینوں سے ہوتی ہوئی بعد میں آنے والے مقربین اور محسنین کو عطا ہوتی رہی اور اسی طرح قیامت تک چلتی رہے گی اور ہر دور میں اس کی برکات کا ظہور ہوتا رہے گا۔ تزکیہ کے ساتھ ذکر اور نماز اور دونوں کو بیان کر کے اُن دو گروہوں کے لئے فکر کا سامان مہیا فرما دیا ہے۔ جنہوں نے اس چھوٹی سی آیت کو بھی اپنی کج فہمی کے باعث تقسیم کر لیا ہے۔ ایک گروہ جو کہ فقیری کا دعویدار ہے اور نفس کے فریب کی وجہ سے ذکر ہی کو قرب کا وسیلہ سمجھنے کے باعث نماز کو چھوڑ بیٹھا ہے اور دوسرا گروہ وہ ہے جو نماز ہی کو سب کچھ سمجھ کر ذکر اور اس کی برکات سے محروم ہو گیا ہے حالانکہ اس آیت مبارکہ کے مطابق فلاح کے لئے دونوں پر عمل کرنا ضروری ہے۔ دین اسلام میں نماز کی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے قرآن کریم کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کی مشہور احادیث ہیں جن میں فرمایا گیا ہے کہ نماز دین کا ستون ہے جس نے اسے قائم رکھا اس نے دین کو قائم رکھا اور جس نے اسے گرا دیا اس نے دین کو گرا دیا۔ یہ بھی فرمان عالیشان ہے کہ کفر اور اسلام میں فرق کرنے والی چیز نماز ہے۔ قرآن کریم میں اللہ کا ذکر چھوڑ دینے والوں کو بھی برے انجام سے اسی طرح ڈرایا گیا ہے۔ اس سلسلے کی چند آیات اور ان کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَo (منافقون۔9)

''اے ایمان والو تمہارا مال اور اولاد تم کو اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دے اور جو ایسا کرے گا تو وہ لوگ خسارہ اٹھانے والے ہونگے''

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔o (حشر۔19)

''اور اُن لوگوں جیسے نہ ہونا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے انہیں ایسا کر دیا کہ خود اپنے تئیں بھول گئے۔ یہ بدکردار لوگ ہیں''

اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۔o (مجادلۃ۔19)

''شیطان نے ان کو قابو میں کر لیا ہے اور انہیں اللہ کا ذکر بھلا دیا ہے۔ یہ شیطان کا لشکر ہے اور سن رکھو کہ شیطان کا لشکر نقصان اٹھانے والا ہے''

اسی طرح ذکر کے فضائل کے بیان میں کثرت سے احادیث آئی ہیں۔جن میں سے چند ایک کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔حضور اکرم ﷺ کے ارشادات ہیں کہ :۔

☆ دلوں کی صفائی اور صیقل اللہ کا ذکر ہے۔

☆ ذکر کرنے والے اور نہ کرنے والے کی مثال ایسے ہے جیسے زندہ اور مردہ۔

☆ ذکر کے حلقے جنت کے باغ ہیں۔

☆ جو اللہ کا ذکر کرتا ہے اللہ اس کا ہمنشین ہوتا ہے۔

☆ سب سے اچھا مال اللہ کا ذکر کرنے والی زبان اور اللہ کا شکر کرنے والا دل ہے۔

☆ جب کوئی گروہ ذکر کے لئے بیٹھتا ہے تو فرشتے اسے ڈھانپ لیتے ہیں، رحمت چھا جاتی ہے اور سکینہ نازل ہوتی ہے۔ان کے پاس بیٹھنے والا بد بخت نہیں ہوگا۔

☆ کیا میں تمہیں وہ عمل نہ بتلاؤں جو تمہارے اعمال میں سب سے بہتر ہے۔ تمہارے مالک کے نزدیک سب سے زیادہ پاکیزہ ہے اور تمہارے درجات کو سب سے زیادہ بلند کرنے والا ہے اور سونے چاندی کو خرچ کرنے سے بھی بہتر ہے اور اس سے بھی بہتر ہے کہ تم اپنے دشمن سے مقابلہ کرو پھر تم ان کی گردنیں کاٹو اور وہ تمہاری گردنیں کاٹیں۔صحابہؓ نے عرض کیا کیوں نہیں یا رسول اللہؐ ضرور بتلایئے۔آپ نے ارشاد فرمایا وہ عمل اللہ کا ذکر ہے۔

بیعت یا پیری مریدی

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے بانی حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری رحمتہ اللہ علیہ اپنی مشہور و معروف کتاب "تعمیر ملت" میں تحریر فرماتے ہیں۔

"مرید ہونے کا مقصد صرف یہ ہے کہ انسان کے اخلاق کی اصلاح ہو، صحیح قسم کی عبادت کرنا آئے، ایمان کامل پیدا ہو، عالم روحانی کا علم، اللہ تعالیٰ کی معرفت اور قسمت میں ہو تو رویت باری تعالیٰ کا شرف جیتے جی حاصل ہو جائے"۔

قبلہ حضرت نے جو کچھ بیان فرمایا ہے ان سب کی اہمیت تو مسلمہ ہے لیکن یہ دولت اتنی آسان بھی نہیں کہ ہر کسی کو راہ چلتے ہوئے میسر آ جائے۔جب دنیا کے چھوٹے چھوٹے کام سیکھنے کے لئے استاد اور معلم کی ضرورت پڑتی ہے تو ان روحانی اور باطنی پیچیدہ مقاصد کے حصول کے لئے کسی اللہ والے بزرگ، کامل رہنما یا مرشد کی ضرورت ناگزیر ہے تا کہ اس کی مریدی یا

شاگردی میں کوہر مقصود ہاتھ آئے۔ بیعت کے لفظی معنی تو خرید وفروخت یا سودا کرنے کے ہیں۔ قرآن کریم کی سورت توبہ کی آیت 111 میں ارشاد ہوا ہے کہ

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ

اِسی آیت کے آخری الفاظ **وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ ۔ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِىْ بَايَعْتُمْ بِهٖ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ** ٥ (توبہ۔111)

''اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور مال جنت کے عوض خرید لئے ہیں'' اسی آیت کے آخر میں فرمایا کہ ''اللہ سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والا کون ہے۔سو بیعت والا سودا جو تم نے اس سے کیا ہے اس سے خوش ہو جاؤ اور یہی بڑی کامیابی ہے''

اصولی طور پر تو جانفروشی کا یہ سودا طے ہو جانے پر ہر مسلمان کو اپنی جان اور مال کے اختیار سے دستبردار ہو جانا چاہیے لیکن وہ مسلمان اور تھے اور ہم کچھ اور ہیں۔اسی لئے علامہ اقبالؒ نے فرمایا۔

یہ شہادت گاہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آساں سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس قلبی سودے کا اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ یا آپ کے نائبین کو گواہ بنا کر اوران کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر زبانی اقرار و اظہار کرنے کو اصطلاح میں بیعت کہا جاتا ہے۔موجودہ زمانے میں اسے پیری مریدی کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔کچھ لوگ اس کے قائل نہیں ہیں اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔اگر وہ قرآن کی تعلیم پر عمل کرتے ہیں اچھے مسلمان ہیں اور اپنی ظاہری و باطنی حالت پر مطمئن ہیں تو ضروری نہیں کہ وہ کسی کے مرید ہوں کیونکہ بیعت فرض نہیں ہے۔لیکن قرآن وسنت میں بیعت کا ذکر موجود ہے۔رسول اکرم ﷺ لوگوں سے مختلف امور کے لئے بیعت لیا کرتے تھے۔جن میں اسلام لانے کے علاوہ ارکان اسلام کی پابندی، معرکہ جنگ میں ثابت قدمی، سنت نبوی کے تمسک اور بدعات سے اجتناب وغیرہ بھی شامل تھے۔قرآن کریم میں بیعت کے بارے میں جو آیات آئی ہیں پہلے ان کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ۔ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ۔ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ

فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا o (فتح-10)

"جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔ پھر جو اس عہد کو توڑے تو عہد توڑنے کا نقصان اسی کو ہے اور جو اس بات کو جس کا اس نے اللہ سے عہد کیا ہے پورا کرے تو وہ اسے عنقریب اجر عظیم دیگا"۔

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ o (ممتحنہ-12)

"اے پیغمبر۔ جب آپ کے پاس مومن عورتیں اس بات پر بیعت کرنے آئیں کہ اللہ کے ساتھ نہ تو شرک کریں گی نہ چوری کریں گی، نہ بدکاری کریں گی، نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی۔ نہ اپنے ہاتھ پاؤں میں کوئی بہتان باندھ لائیں گی اور نہ نیک کاموں میں آپ کی نافرمانی کریں گی تو اُن سے بیعت لے لو اور ان کے لئے اللہ سے بخشش مانگو۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے"۔

اس آیت مبارکہ میں مومن عورتوں کی بیعت کا ذکر ہے۔ بیعت میں جن برائیوں سے بچنے کا عہدہ کر رہی ہیں مسلمان ہونے کی حیثیت سے ان سے ویسے بھی گریز کرنا چاہیے۔ اس سے ثابت ہوا کہ خاص خاص گناہوں اور برائیوں سے بچنے کے لئے بھی بیعت کی جا سکتی ہے۔ بیعت کی اضافی برکت یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ بیعت کرنے والیوں کی مغفرت کے لئے دعا بھی فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت کا عظیم مظاہرہ تو بیعت رضوان کے موقع پر ہوا جب صرف بیعت کرنے پر ہی اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کے صحابہ سے راضی ہو گیا اور رضی اللہ عنہ کا اعزاز ہر صحابی کے نام کا لاحقہ بن گیا۔ آیت مبارکہ مع ترجمہ درج ذیل ہے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۔(فتح-18)

"جب مومن آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے تو اللہ اُن سے خوش ہوا اور جو صدق وخلوص ان کے دلوں میں تھا وہ اس نے معلوم کر لیا تو ان پر تسلی نازل فرمائی اور انہیں جلد فتح عنایت فرمائی"

اب بیعت کے بارے میں چند احادیث بھی ملاحظہ فرمالیں۔

ابن ماجہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چند محتاج مہاجرین سے بیعت لی اس پر کہ لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہ کریں۔سواُن میں سے کسی شخص کا یہ حال تھا کہ اس کا کوڑا گر جاتا تھا تو اپنے گھوڑے سے اتر کر اس کو اٹھالیتا تھا اور کسی سے کوڑا اٹھا دینے کا بھی سوال نہ کرتا تھا۔

صحیح بخاری اور مسلم میں ہے کہ حضرت جریرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی تھی کہ احکام الٰہی کو سنوں گا اور اطاعت کروں گا اور ہر مسلمان کی بھلائی چاہوں گا۔

حضور ﷺ نے قوم انصار سے اس شرط پر بیعت لی کہ امر خدا میں کسی ملامت گر کی ملامت سے نہ ڈریں اور حق بات بولیں جہاں بھی ہوں۔سوان میں سے بعض لوگ اُمراء اور سلاطین پر کھل کر بلاخوف، ردو انکار کرتے تھے۔ (قول الجمیل۔شاہ ولی اللہ)

رسول اللہ ﷺ نے انصار کی عورتوں سے اس شرط پر بیعت لی کہ نوحہ کرنے سے پرہیز کریں۔(قول الجمیل)

بس ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں اور جو لوگ بیعت کرنا چاہتے ہوں ان کے لئے کافی جواز اور ثبوت مہیا کر دیا گیا۔وباللہ التوفیق

دُنیا متاعِ غرور

دنیا کی حقیقت

اگر چہ دنیا کی زندگی کی اپنی ایک خاص اہمیت ہے اور انسان کو زمین کی خلافت کے لئے ہی پیدا کیا گیا تھا اور زمین میں جو کچھ ہے وہ انسان کے لئے بنایا گیا ہے پھر بھی اللہ تعالیٰ نے اسے لہو ولعب، عارضی ٹھکانا اور متاع غرور یعنی دھوکے کا مال قرار دیا ہے۔ کیونکہ کارجہاں بے ثبات ہے اور اس میں جو کچھ بھی ہے ایک دن ختم ہو جائے گا اور اس کے بعد جو زندگی شروع ہوگی وہ حقیقی اور دائمی ہے۔اسی لئے قرآن کریم میں دنیا کو ہر جگہ متاع یعنی عارضی استعمال اور فائدہ اٹھانے کی چیز کہا ہے۔اسے دار یعنی گھر کہیں نہیں فرمایا۔موت کے بعد آنے والی زندگی کو''دارالاخرۃ''یعنی آخرت کا گھر قرار دیا گیا ہے۔اس لئے اہل ایمان کو بار بار تنبیہہ کی گئی ہے کہ اس زندگی کی ظاہری زیب و زینت تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے جو اس کے فریب

میں آ کر اسی کا ہو کر رہ گیا وہ آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا۔اس سلسلہ میں قرآنی آیات ملاحظہ فرمایئے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَلَا یَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُo اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا۔ اِنَّمَا یَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِیَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِo (فاطر۔6,5)

"اے لوگو اللہ کا وعدہ سچا ہے پس دنیا کی زندگی تم کو دھوکے میں نہ ڈال دے اور نہ فریب دینے والا شیطان تمہیں فریب دے۔ بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اسے دشمن ہی سمجھو۔ وہ اپنے گروہ کو بلاتا ہے تاکہ وہ دوزخ والوں میں سے ہو جائیں"

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا یَوْمًا لَّا یَجْزِیْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَیْـًٔا۔ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَلَا یَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُo (لقمان۔33)

"اے لوگو اپنے رب سے ڈرو اور اس دن کا خوف کرو کہ نہ تو باپ اپنے بیٹے کے کچھ کام آئے اور نہ ہی بیٹا اپنے باپ کے کچھ کام آ سکے۔ بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے پس دُنیا کی زندگی تم کو دھوکے میں نہ ڈال دے اور نہ فریب دینے والا شیطان تمہیں اللہ کے بارے میں کسی قسم کا فریب دے"

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ ۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ o (توبہ۔55)

"آپ ان کے مال اور اولاد سے تعجب نہ کریں۔اللہ چاہتا ہے کہ ان چیزوں سے دنیا کی زندگی میں ان کو عذاب دے اور جب ان کی جان نکلے تو وہ کافر ہی ہوں"۔

اِعْلَمُوْۤا اَنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّ زِیْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَیْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ كَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ یَهِیْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَكُوْنُ حُطَامًا وَ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِیْدٌ وَّ مَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِo (حدید۔20)

''اچھی طرح جان رکھو کہ دنیا کی زندگی محض کھیل اور تماشا اور زینت اور باہمی فخر وستائش اور ایک دوسرے پر مال اور اولاد میں کثرت ہے۔ مثال اس کی بارش ہے کہ اس سے اُگی ہوئی کھیتی کسانوں کو بھلی معلوم ہوتی ہے۔ پھر وہ خوب زور پر آتی ہے۔ پھر تو اس کو دیکھتا ہے کہ زرد پڑ جاتی ہے پھر چورا چورا ہو جاتی ہے۔ اور پھر آخرت میں عذاب شدید ہے اور مومنوں کے لئے اللہ کی طرف سے مغفرت اور خوشنودی ہے۔ اور دنیا کی زندگی تو متاع فریب ہے۔''

يَآ يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَالَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّا قَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ۔ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ۔ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌo (توبہ۔38)

''مومنو تمہیں کیا ہوا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو زمین کے ساتھ جڑے جاتے ہو۔ کیا تم آخرت کو چھوڑ کر دنیا کی زندگی پر خوش ہو بیٹھے ہو۔ دنیا کی زندگی کے فائدے آخرت کے مقابلے میں تو بہت ہی قلیل ہیں۔''

اہم وضاحت

اُوپر دی گئی آیات میں صاف صاف بیان کر دیا گیا ہے کہ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی حیثیت بہت کم ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اہل ایمان دنیا کو ترک کر کے خانقاہوں اور زاویوں میں گوشہ نشین ہو جائیں کیونکہ رہبانیت کی اسلام میں اجازت نہیں ہے۔ قرآن کریم میں جہاں سینکڑوں مرتبہ نماز، زکوٰۃ اور دیگر صالح اعمال بجالانے کی تاکید کی گئی ہے وہاں زمین و آسمان کی تخلیق، موسموں کے تغیر و تبدل، دن رات کے گھٹنے بڑھنے فصلوں کے اگنے، پھلوں کے پکنے اور انسانوں کے رنگوں اور زبانوں میں اختلاف وغیرھم پر تدبر و تفکر کرنے کے بارے میں اس سے بھی زیادہ مرتبہ حکم آیا ہے۔ یہ بات بھی یاد رہے کہ آدم علیہ السلام کو فرشتوں پر فضیلت علم کی برتری کی وجہ سے ملی۔ جب فرشتوں نے مطلوبہ اشیاء کے نام بتانے سے اپنی معذوری کا اظہار کیا تو آدم نے ہر چیز کا نام اور ان کی صفات بتا دیں۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں یہ فرمایا کہ انسانوں کو اپنی بندگی کے لئے پیدا فرمایا وہاں یہ بھی ارشاد ہوا:۔

وَسَخَّرَلَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۔ اِنَّ

فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ ۔ (جاثیہ۔13)

''اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سارے کا سارا تمہارے لئے کام میں لگا رکھا ہے۔ جو لوگ تفکر کرتے ہیں ان کے لئے اس میں نشانیاں ہیں۔''

سَنُرِیۡہِمۡ اٰیٰتِنَا فِی الۡاٰفَاقِ وَ فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَہُمۡ اَنَّہُ الۡحَقُّ اَوَ لَمۡ یَکۡفِ بِرَبِّکَ اَنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَہِیۡدٌ ۔ (حم سجدہ۔53)

''ہم عنقریب ان کو اطراف عالم میں بھی اور خود ان کی ذات میں بھی نشانیاں دکھائیں گے۔ یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ قرآن حق ہے۔ کیا تم کو یہ کافی نہیں کہ تمہارا رب ہر چیز پر نگران ہے۔''

اس لئے خلافت ارضی کا پورا پورا حق ادا کرنے کے لئے جہاں یہ ضروری ہے کہ انسان اللہ کے ذکر اور اسکی اطاعت کے ذریعے اظہار بندگی کرے وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ کائنات کی ہر چیز کو تسخیر کر کے اپنے کام میں لگائے۔ قرآن ایسے ہی فقر کی تعلیم دیتا ہے۔

فقر قرآں اختلاط ذکر و فکر
فکر را کامل نہ دیدم جز بہ ذکر

کائنات کی تسخیر سے علم، دولت اور قوت و شوکت کے اضافہ کے ساتھ اوپر دی گئی آیت کے مطابق اللہ تعالٰی کی آیات کا مشاہدہ بھی ہوگا جس سے معرفت الٰہی بھی بڑھے گی۔ حضور نبی کریمؐ تمام سائنسی علوم کو احاطہ کرنے والی یہ دعا اکثر فرمایا کرتے تھے:" اَللّٰھُمَّ اَرِنَا حَقَائِقَ کُلِّ الْاَشْیَاءِ کَمَا ھِیَ "یعنی" اے اللہ ہمیں تمام اشیاء کی اصلی حقیقت سے آگاہ فرما۔" حقیقت اشیاء جاننے ہی سے فطرت کی قوتیں انسان کے سامنے سربسجود ہوتی ہیں جن کے بل بوتے پر قوموں کے ہاتھ میں آہن و آتش کی طاقت آجاتی ہے۔ اور علم سے محروم کمزور قوموں پر ان کی ہیبت چھا جاتی ہے۔ اللہ تعالٰی نے تو قرآن کریم میں علم میں مسلسل اضافے کے لئے دعا کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:"قُلۡ رَّبِّ زِدۡنِیۡ عِلۡمًا ۝" اور اللہ کے رسولؐ نے اپنے بارے میں یہ فرمایا کہ "مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔" اور امت کو یہ حکم دیا کہ "علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے" آپ نے علم سیکھنے اور سکھانے کو پوری زندگی پر محیط مسلسل عمل

قرار دیتے ہوئے فرمایا: "اس مسلمان میں کوئی بھلائی نہیں جو نہ استاد ہو نہ شاگرد۔" یعنی ہر مسلمان کو چاہیئے کہ وہ زندگی بھر یا تو علم سیکھنے میں لگا رہے یا دوسروں کو سکھانے میں۔"

یہ ہے اسلام کی سچی اور قوت بخش تعلیم جسے فراموش کر کے ہم ہر میدان میں ہزیمت اٹھا رہے ہیں۔ علامہ اقبالؒ تسخیر کائنات کو ہی قرآنی فقر قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس تعلیم سے بندہ مولا صفات اور حرم کی مثل بن جاتا ہے اور کائنات کی قوتیں لبیک کہتی ہوئیں اس کے گرد طواف کرتی ہیں۔ ان کے اشعار ملاحظہ ہوں:

فقر مومن چیست تسخیر جہات
بندہ از تاثیر او مولا صفات
ہستی او بے جہات اندر جہات
او حریم و در طوافش کائنات

درمیان میں یہ سب اس لئے لکھنا پڑا کہ دنیا کی عارضی حیثیت ہونے کے باوجود اسے چھوڑنے کا نہیں بلکہ اسکا رخ آخرت کی طرف موڑنے کا حکم ہے۔ قرآن البتہ اس امر کی بار بار تلقین کرتا ہے دنیا کی عارضی زینت اور مٹ جانے والی رنگینیوں کے فریب میں نہ پھنسو۔ بلکہ ایمان وعمل کے ذریعے مادی قوتوں کو گرفت میں لے کر پوری انسانیت کی خدمت میں لگاؤ، زمین پر انسانوں کی بجائے اللہ تعالیٰ کی حکمرانی قائم کرو اور اس کی رضا حاصل کر کے دنیا و آخرت میں سرخرو ہو جاؤ اس لئے نہ تو دنیا کو ترک کرنے کی اجازت ہے اور نہ ہی اس میں غرق ہونے کی۔ حضورؐ کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا طرز عمل دیکھ لیں۔ انہوں نے متاہل زندگی بسر کی، انہوں نے ہجرت کی، جنگیں لڑیں، حکمرانی کی، قاضی اور والی بنے فوجوں کے سپہ سالار بنے قوموں کے معلم اور راہنما بنے اور اللہ کا دین پھیلانے کے لئے دور دراز کے سفر کئے اور اللہ کے ہاں بھی وہ مقربین سے میں تھے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہماری زندگی کا مقصود و مطلوب کیا ہے دنیا یا آخرت؟

ترجیح و محبت

انسان کا جو مقصود و مطلوب ہوتا ہے اسی کے ساتھ اس کو محبت ہوتی ہے اسی کا ہر وقت ذکر کرتا ہے اور اسی کو مقدم رکھتا اور ترجیح دیتا ہے۔ قرآن کریم کی تعلیم یہ ہے کہ ہماری ترجیح

دنیا نہیں آخرت ہونی چاہئے اور ہماری محبت اللہ اور اس کے رسولؐ سے ہونی چاہئے نہ کہ دنیا سے۔حضورؐ کا فرمان ہے کہ "دنیا کی محبت ہر برائی کا منبع ہے"(حدیث)یاد رکھیں کہ مذمت دنیا کی نہیں کی گئی بلکہ دنیا سے محبت کی کی گئی ہے۔آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ ایک وقت آئے گا کہ کثیر تعداد ہونے کے باوجود کفار تم پر اس طرح حملہ آور ہونگے جیسے بھوکے کھانے پر۔فرمایا اس لئے کہ تم میں دنیا کی محبت اور موت کا خوف پیدا ہو جائے گا۔اب آیات بینات اور اِن کا ترجمہ پڑھیں اور امت مسلمہ کا جائزہ لیں:۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۔يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ٥ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ٥ (بنی اسرائیل۔19,18)

"جو شخص دنیا کا خواہشمند ہو تو ہم اس میں سے جسے چاہتے ہیں اور جتنا چاہتے ہیں جلد دے دیتے ہیں پھر اس کے لئے جہنم کو ٹھکانا مقرر کر رکھا ہے جس میں وہ نفرین سن کر اور راندہ ہو کر داخل ہوگا۔اور جو شخص آخرت کا خواستگار ہو اور اس میں اتنی کوشش کرے جتنی اسے لائق ہے اور وہ مومن بھی ہو تو ایسے ہی لوگوں کی کوشش ٹھکانے لگتی ہے۔"

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ٥ (شوریٰ۔20)

"جو شخص آخرت کی کھیتی کا خواستگار ہو اس کو ہم اس میں سے دے دیں گے اور جو دنیا کی کھیتی کا خواستگار ہو اس کو ہم اس میں سے دے دیں گے اور آخرت میں اسکا کچھ حصہ نہ ہوگا"

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ٥ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۔ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ٥ (ھود۔15-16)

"جو لوگ دنیا کی زندگی اور اس کی زیب و زینت کے طالب ہوں ہم ان کے اعمال کا بدلا انہیں دنیا ہی میں دے دیتے ہیں اور اس میں ان کی حق تلفی نہیں کی جاتی۔یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں آگ کے سوا اور کچھ نہیں۔اور جو کچھ انہوں نے دنیا میں بنایا وہ برباد اور جو کچھ کیا

وہ سب ضائع"۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ o اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ o (نحل۔107'108)

"یہ اس لئے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے مقابلہ میں عزیز رکھا اور اللہ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر اور کانوں پر اور آنکھوں پر اللہ نے مہر لگا رکھی ہے اور یہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں"

فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ o وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ o اُولٰٓئِكَ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا۔ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ o (بقرہ۔200 تا 202)

"اور بعض لوگ ایسے ہیں جو التجا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار جو دینا ہے دنیا ہی میں عنایت کر دے ایسے لوگوں کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں۔ اور بعضے ایسے ہیں کہ دعا کرتے ہیں کہ ہمارے پروردگار ہم کو دنیا میں بھی اچھی نعمت عطا فرما اور آخرت میں بھی اچھی نعمت بخشیو اور آگ کے عذاب سے محفوظ رکھیو۔ یہی لوگ ہیں جن کے لئے ان کے کاموں کا صلہ ہے اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔"

اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ (تغابن۔15)

"تمہارے مال اور تمہاری اولاد تو آزمائش ہے اور اللہ کے ہاں اجر عظیم ہے"

فَاَمَّا مَنْ طَغٰى o وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا o فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِىَ الْمَاْوٰى o (نازعات۔37 تا 39)

"جس نے سرکشی کی اور دنیا کی زندگی کو مقدم سمجھا اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔"

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا o وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى o (اعلیٰ۔17,16)

"تم لوگ تو دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت بہت بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔"

فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ فِیْ زِیْنَتِهٖ ۔ قَالَ الَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ قَارُوْنُ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ o وَقَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَیْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۔ وَلَا یُلَقّٰهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ o (قصص۔80,79)

''جب قارون بڑی آرائش سے اپنی قوم کے سامنے نکلا تو جو لوگ دنیا کی زندگی کے طالب تھے کہنے لگے کہ جیسا قارون کو ملا ہے کاش ایسا ہی ہمیں بھی ملے وہ تو بڑا ہی صاحب نصیب ہے اور جن لوگوں کو علم دیا گیا تھا وہ کہنے لگے کہ تم پر افسوس ہے ۔مومنوں اور نیکوکاروں کے لئے جو ثواب اللہ کے ہاں تیار ہے وہ کہیں بہتر ہے اور وہ صبر کرنے والوں ہی کو ملے گا۔''

اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور خصوصی رحمت سے ہی ہماری مغفرت فرما دے تو یہ اس کا کرم اور احسان ہوگا ورنہ ہم تو سبھی الا ماشاءاللہ چاہتے ہیں کہ قارون کے خزانوں کے مالک بن جائیں۔ اس ہوس زر کو اللہ تعالیٰ دنیا کے طالبوں کی علامت قرار دے رہے ہیں۔اور دنیا کے طالب اپنی ساری صلاحیتیں اور قوتیں دنیا کے حصول ہی میں کھپا دیتے ہیں۔ان کا انجام کیا ہوگا پڑھ لیں اور عبرت حاصل کریں۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا o اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَهُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا o اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِیْمُ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَزْنًا o ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰیٰتِیْ وَرُسُلِیْ هُزُوًا o (کہف 103 تا 106)

''آپؐ کہہ دیجئے کہ ہم تمہیں بتائیں جو عملوں کے لحاظ سے بڑے نقصان میں ہیں۔وہ لوگ جن کی سعی دنیا کی زندگی میں برباد ہوگئی اور وہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اچھے کام کر رہے ہیں ۔یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیتوں اور اس سے ملاقات کو جھٹلایا پس ان کے اعمال ضائع ہوگئے ۔اور ہم قیامت کے دن ان کے لئے میزان قائم نہیں کریں گے۔ان کی سزا یہ جہنم ہے اس لئے کہ انہوں نے کفر کیا ہماری آیتوں سے اور ہمارے رسولوں کی ہنسی اڑائی ۔''

بتانِ وہم وگماں

اللہ تعالیٰ نے مال اور اولاد کو دنیوی زندگی کی زینت بھی قرار دیا ہے اور دونوں کو فتنہ بھی فرمایا ہے۔ فتنہ سے مراد یہ ہرگز نہیں کہ ان سے دور بھاگا جائے۔ بلکہ انتباہ کر دیا ہے کہ ہوشیار رہیں کہ یہ دونوں امور اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کر کے اس کی نافرمانی کی راہ پر ڈال سکتے ہیں۔ اگر فتنہ سمجھ کر دولت کو برا سمجھنے کا جواز ہو تو پھر اولاد اور شادی سے بھی بچنا ہوگا۔ دولت جب نیک لوگوں کے ہاتھ میں ہوتی ہے تو ہمیشہ خیر کے کاموں میں صرف ہوتی ہے۔ ویسے بھی سوچنا چاہئے کہ اگر دولت نہ ہو تو آدھا دین معطل ہو کر رہ جائے۔ زکوٰۃ، صدقات، حج، قربانی، عقیقہ، فطرانہ وغیرہ مال کے بغیر تو ممکن نہیں۔ مسلمان معاشی لحاظ سے پہلے ہی کاہل اور کم کوش ہیں۔ یورپ کے کئی ملکوں کی سالانہ قومی آمدنی پورے عالم اسلام کے ساٹھ ملکوں سے بھی زیادہ ہے۔ اس لئے دولت سے دور رہنے کی تعلیم دینا کسی طرح بھی درست اور مفید نہیں ہے۔ کیونکہ "غربت دونوں جہان میں روسیاہی کا موجب ہوتی ہے۔" (حدیث شریف) اور حضرت عمرؓ ہمیشہ یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ "اے اللہ میرے دل کو دنیا سے خالی رکھ لیکن میرے ہاتھوں کو دنیا سے خالی نہ رکھ۔"

لیکن اللہ تعالیٰ کا دین ہمیں اصل حقیقت سے آگاہ کرتا ہے کہ مال و دولت، اولاد، رشتہ داریاں، دوستیاں اور تعلقات جن کی خاطر دن رات جتے ہوئے ہو اور تم سمجھتے ہو کہ یہ مشکل وقت میں تمہارے کام آئیں گے یہ تمہارے وہم وگمان کے تراشے ہوئے بت ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی قیامت کے روز تمہاری مدد نہ کرے گا۔ اس لئے ان کی محبت میں ہلکان ہونے کی بجائے اپنے رب کو راضی رکھنے کی فکر کرو جو اس دنیا میں آنے سے پہلے، ماں کے پیٹ میں، سفر میں، حضر میں، قبر میں اور حشر میں تمہارے ساتھ ہے۔ اللہ والے فقیر یہی احساس ہمارے دلوں میں اجاگر کرنے کے لئے ہر دم اللہ کے ذکر کو لازم قرار دیتے ہیں تا کہ دل مخلوق سے کٹ کر خالق سے جڑ جائے۔ اب ذرا قرآن کی روشن آیات میں متاعِ دنیا کی بے قدری ملاحظہ فرمائیں۔

وَالَّذِیْنَ لَمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۔ وَمَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ

الْمِهَادُ o (رعد-18)

''جنہوں نے اللہ کی دعوت کو قبول نہ کیا اگر روئے زمین کے سب خزانے ان کے اختیار میں ہوں اور وہ سب کے سب اور ان کے ساتھ اتنے ہی اور بدلے میں صرف کر ڈالیں پھر بھی انکا حساب برا ہوگا۔ اور انکا ٹھکانا جہنم ہوگا اور وہ بری جگہ ہے۔''

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَمَا تُوْا وَھُمْ کُفَّارٌ فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِھِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَھَبًا وَّ لَوِافْتَدٰی بِہٖ اُولٰٓئِکَ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ وَّمَالَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ o (آل عمران-91)

''جو لوگ کافر ہوئے اور کفر کی حالت میں مر گئے وہ اگر بدلے میں زمین بھر کر سونا دیں تو ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ ان لوگوں کو دکھ دینے والا عذاب ہوگا اور انکی کوئی مدد نہیں کریگا۔''

وَمَآ اَمْوَالُکُمْ وَلَا اَوْلَا دُکُمْ بِالَّتِیْ تُقَرِّبُکُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓی اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا۔ فَاُوْلٰٓئِکَ لَھُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَھُمْ فِی الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ o (سبا-37)

''اور تمہارا مال اور اولاد ایسی چیز نہیں کہ تم کو ہمارا مقرب بنا دیں۔ ہاں جو ایمان لایا اور عمل نیک کرتا رہا ایسے ہی لوگوں کو ان کے اعمال کے سبب دگنا بدلا ملے گا۔ اور وہ خاطر جمع سے بالا خانوں میں بیٹھے ہونگے''۔

یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْہِ o وَاُمِّہٖ وَاَبِیْہِ o وَصَاحِبَتِہٖ وَبَنِیْہِ o
(عبس-34 تا 36)

''اس دن بھائی اپنے بھائی سے دور بھاگے گا اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے۔ اور اپنی بیوی سے اور اپنے بیٹے سے''

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَنْ تُغْنِیَ عَنْھُمْ اَمْوَالُھُمْ وَلَآ اَوْلَادُھُمْ مِّنَ اللّٰہِ شَیْئًا وَاُولٰٓئِکَ ھُمْ وَقُوْدُ النَّارِ o (ال عمران-10)

''جو لوگ کافر ہوئے اس دن نہ تو ان کا مال ہی اللہ سے انکو بچا سکے گا اور نہ انکی اولاد ہی۔ اور یہ لوگ جہنم کا ایندھن ہونگے۔''

وَلَا يُسْئَلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا٥ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْيَفْتَدِىْ مِنْ عَذَابِ يَوْمَئِذٍ بِبَنِيْهِ٥ وَ صَاحِبَتِهٖ وَ اَخِيْهِ٥ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِىْ تُؤْيِهِ٥ وَمَنْ فِىْ الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيْهِ٥ (معارج۔10 تا 14)

''اور کوئی دوست کسی دوست کا پرسان نہ ہوگا حالانکہ ایک دوسرے کو سامنے دیکھ رہے ہونگے۔گنہگار خواہش کرے گا کہ کسی طرح اس دن عذاب کے بدلے دیدے اپنے بیٹے کو۔اور اپنی بیوی اور بھائی کو۔اور اپنا خاندان جس میں وہ رہتا تھا اور جتنے آدمی زمین میں ہیں سب دیدے اور اپنے تئیں عذاب سے چھڑالے۔''

اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ٥

''اس دن بڑے پکے دوست بھی ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے۔مگر متقین وہاں بھی دوست ہی رہیں گے۔''(زخرف۔67)

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِىْ اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا٥ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِىْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا٥ (فرقان۔28,27)

''اس دن ظالم اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کھائے گا کہا ے کاش میں نے رسول کی معیت میں اللہ کا راستہ پکڑا ہوتا۔ہائے شامت کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا۔''

انفاق فی سبیل اللہ

اللہ تعالیٰ اور اسکے رسولؐ کی محبت اور آخرت کی فکر مومن کی پوری زندگی پر چھا جاتے ہیں۔اس کے ہر قول،فعل اور حرکت سے اس کے ایمان کی خوشبو آتی ہے۔نماز،روزہ، حج،زکوٰۃ اور جہاد یہ سب اللہ کی محبت کا نصاب ہے۔ان کی ادائیگی اک طرح سے محبت کی عملی مشقیں ہیں جن کے ذریعے مومن یہ ثابت کرتا ہے کہ اس کی محبت اللہ سے ہے اور اس کی خاطر وہ دنیا کی ساری محبتیں قربان کرسکتا ہے۔اب ہم مال و دولت کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے بارے میں چند احکام الٰہی بیان کرتے ہیں۔فقیر لوگ انہی پر عمل کرتے ہیں۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَىْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ٥ (آل عمران۔92)

''مومنو! جب تک تم ان چیزوں میں سے جن سے تم محبت کرتے ہو اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو گے کبھی نیکی کو نہ پاسکو گے۔ اور جو چیز تم صرف کرو گے اللہ اسکو جانتا ہے۔''

وَمَالَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِo (حدید۔10)

''اور تم کو کیا ہوا ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ آسمان اور زمین کی وراثت اللہ ہی کے لئے ہے۔''

وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَo (تغابن۔16)

''اور اس کی راہ میں خرچ کرو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اور جو شخص اپنے نفس کے بخل سے بچایا گیا تو ایسے ہی لوگ مراد پانے والے ہیں۔''

وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِىَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلُ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِىْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَo (منافقون۔10)

اور جو مال ہم نے تم کو دیا ہے اس میں سے خرچ کر لو قبل اس کے کہ تم میں سے کسی کی موت آجائے تو کہنے لگے اے میرے پروردگار تو نے مجھے تھوڑی سی مہلت کیوں نہ دی تا کہ میں خیرات کر لیتا اور نیک لوگوں میں داخل ہو جاتا۔''

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِىَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَo (بقرہ۔254)

''اے ایمان والو جو مال ہم نے تم کو دیا ہے اس میں سے اس دن کے آنے سے پہلے پہلے خرچ کر لو جس میں نہ کوئی سودا ہو اور نہ دوستی اور سفارش ہو سکے۔ اور انکار کرنے والے لوگ ظالم ہیں۔''

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۔ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلِلّٰهِ

مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ اللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌo (ال عمران ۔180)

''جو لوگ اس مال میں جو اللہ نے اپنے فضل سے ان کو عطا فرمایا ہے بخل کرتے ہیں وہ اس بخل کو اپنے حق میں اچھا نہ سمجھیں بلکہ ان کے لئے برا ہے۔ وہ جس مال میں بخل کرتے ہیں قیامت کے دن اس کا طوق بنا کر ان کی گردنوں میں ڈالا جائے گا۔ اور آسمانوں اور زمین کا وارث اللہ ہی ہے اور جو عمل تم کرتے ہو اللہ کو سب معلوم ہے۔''

وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍo یَوْمَ یُحْمٰی عَلَیْھَا فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ فَتُکْوٰی بِھَا جِبَاھُھُمْ وَجُنُوْبُھُمْ وَظُھُوْرُھُمْ ھٰذَا مَا کَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ فَذُوْقُوْا مَا کُنْتُمْ تَکْنِزُوْنَo (توبہ۔35,34)

''اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو اس دن کے دردناک عذاب کی خبر سنا دو جس دن وہ مال دوزخ کی آگ میں گرم کیا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی۔ اور کہا جائے گا یہ وہی ہے جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا۔ سو جو تم جمع کرتے تھے اس کا مزہ چکھو۔''

اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ وَ اللّٰہُ یَعِدُکُمْ مَّغْفِرَۃً مِّنْہُ وَ فَضْلًا۔ واللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌo (بقرہ۔268)

''شیطان تمہیں تنگ دستی کا خوف دلاتا اور بے حیائی کے کام کرنے کو کہتا ہے اور اللہ تم سے اپنی بخشش اور اپنے فضل کا وعدہ کرتا ہے۔ اللہ بڑی کشائش والا سب کچھ جاننے والا ہے''

تقویٰ

مومن کا ایمان خوف و رجا کے درمیان یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت اور ڈر کا حسین امتزاج ہوتا ہے۔ بانی سلسلہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جو اپنے صفاتی نام ہمیں بتائے ہیں ان میں سے چند کے علاوہ باقی سب پیار، محبت، مودّت اور رحمت و رافت کے مظہر ہیں۔ ڈرانے والے نام تھوڑے سے ہیں مثلاً:۔ الجبار، القہار، المذل، المنتقم وغیرہ اس لئے اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہمارا عقیدہ اور تصور اسی نسبت کے مطابق

ہونا چاہئے۔یعنی اسّی پچاسی فیصد تو اللہ تعالیٰ سے محبت کرو۔اسے اپنا مقصود و مطلوب و محبوب سمجھو اور پندرہ بیس فیصد اس سے ڈرتے بھی رہو تا کہ نافرمانی پر جسارت نہ ہو۔تقویٰ کی صفت بھی انہی جذبات کا مجموعہ ہے۔تقویٰ کے معنی ڈرنا، پرہیز کرنا اور کسی ہستی یا امر کے بارے میں انتہائی فکر مند رہنا کے ہیں۔مومن کو چونکہ اللہ تعالیٰ سے شدید محبت ہوتی ہے اور وہ ہر وقت اس کے قلب و ذہن پر چھایا رہتا ہے۔اس لئے اسے یہ ڈر بھی لگا رہتا ہے کہ میرا محبوب حقیقی میری کسی حرکت سے ناراض نہ ہو جائے اس لئے وہ اس کوشش میں لگا رہتا ہے کہ ہر اس امر سے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہو بچا رہے۔یہی ہے تقویٰ کی حقیقی روح۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنی صفات اور قیامت کے حالات سے آگاہی فرمادی تا کہ تقویٰ کامل ہو جائے۔ارشادات ملاحظہ ہوں۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌo (بقرۃ۔231)

''اللہ سے ڈرتے رہو اور اچھی طرح جان لو کہ اللہ ہر چیز سے واقف ہے''

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌo (بقرۃ۔233)

''اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔''

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَo (بقرۃ۔203)

''اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ تم سب اس کے پاس جمع کئے جاؤ گے۔''

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِo (بقرۃ۔196)

''اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔''

اور جو مومنین تقویٰ کو اپنی زندگی کا چلن بنا لیتے ہیں ان کو بشارت بھی سنادی کہ۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَo (بقرۃ۔194)

''اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ متقین کے ساتھ ہے''

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنے نفس کی خواہشات کو توڑتے رہتے ہیں وہ اس دنیا میں اونچی اڑان اور بڑا انسان بننے کے جنون میں مبتلا نہیں ہوتے اور نہ ہی مکر و فریب اور ظلم و فساد کی راہ چلتے ہیں۔ان کے خیالات اور مقاصد تو عظیم اور جلیل ہوتے ہیں لیکن مادی ضروریات کے

بارے میں خواہشات اور امنگیں مختصر اور قلیل ہوتی ہیں۔ان کی زندگی سادہ سی لیکن آسودگی کی نعمت سے مالا مال ہوتی ہے۔پوری مسلم امت کا طرز حیات ایسا ہی ہونا چاہئے۔کیونکہ حیات آخرت پر ایمان لانے والوں کی سوچوں میں انقلاب آجاتا ہے۔ایسے متقین کے لئے قرآن کی بشارتیں سنئیے :۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَ الْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۔ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِo قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ۔ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِo (ال عمران ۔15,14)

''لوگوں کے لئے عورتوں، بیٹوں اور سونے اور چاندی کے بڑے بڑے ڈھیروں اور نشان لگے ہوئے گھوڑوں اور مویشیوں اور کھیتی باڑی کی خواہشات بڑی مرغوب بنا دی گئی ہیں۔مگر یہ سب دنیا کی زندگی کے سامان ہیں اور اللہ کے پاس بہت اچھا ٹھکانا ہے۔آپؐ ان سے کہہ دیں کہ ہم تم کو ایسی چیز بتائیں جو ان چیزوں سے کہیں اچھی ہو۔وہ ان لوگوں کے لئے ہے جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا۔ان کے لئے اللہ کے ہاں باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔اور پاکیزہ عورتیں ہیں اور سب سے بڑھ کر اللہ کی خوشنودی ہے۔اور اللہ اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے۔،،

وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّ مَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَo وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّ سُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِئُوْنَo وَزُخْرُفًا وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَo (زخرف ۔33 تا 35)

''اور اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ سب لوگ ایک ہی جماعت ہو جائیں گے تو جو لوگ اللہ سے انکار کرتے ہیں ہم ان کے گھروں کی چھتیں چاندی کی بنا دیتے اور سیڑھیاں بھی جن پر وہ چڑھتے

ہیں۔اوران کے گھروں کے دروازے بھی اورتخت بھی جن پر تکیہ لگاتے ہیں اورخوب تجمّل و آرائش کر دیتے۔اور یہ سب دنیا کی زندگی میں برتنے کے لئے ہی ہے۔اورآخرت تمہارے رب کے ہاں متقین کے لئے ہے۔''

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۔ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ o (قصص۔83)

''وہ جوآخرت کا گھر ہے ہم نے ان لوگوں کے لئے تیار کر رکھا ہے جو زمین میں ظلم اورفساد کا ارادہ نہیں کرتے۔اور نیک انجام متقین کے لئے ہے۔''

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ o الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ o لَهُمُ الْبُشْرٰى فِی الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِی الْاٰخِرَةِ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ o (یونس۔62تا64)

''اورسن رکھو کہ جو اولیاءاللہ ہیں ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہونگے۔یعنی وہ جو ایمان لائے اورتقویٰ اختیار کیا۔ان کے لئے دنیا کی زندگی میں بھی بشارت ہے اورآخرت میں بھی۔اللہ کے قول بدلتے نہیں۔یہی تو بڑی کامیابی ہے۔''

آپ نے آخری آیت میں دیکھ لیا کہ اولیاءاللہ کے لئے بھی کامیابی کا نصاب ایمان وتقویٰ ہی ہے۔ویسے ہرمومن ہی اللہ کا ولی ہے کیونکہ اللہ خود فرماتا ہے۔

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا o (بقرۃ۔257)

''یعنی''جولوگ ایمان لائے ہیں اللہ ان کا ولی یعنی دوست ہے''

البتہ اس ولایت میں درجات ہو سکتے ہیں۔اللہ کی ولایت عامہ میں ہرمومن شامل ہے۔

قرآنِ کریم دُنیا اوراس کی نعمتوں کو متاعِ غرور قرار دیتا ہے پھر بھی انسان اس کے دھوکے میں آکر اللہ تعالیٰ کی محبت جیسی عظیم نعمت سے محروم ہوجاتا ہے۔بے ثبات دُنیا کے حصول کی خاطر اللہ تعالیٰ کی پیاری مخلوق پرظلم کرتا اوراپنی عاقبت برباد کرلیتا ہے۔متاعِ دنیا کی پرفریب محبت اور بڑا بننے کی خواہش سے بچ جانا ہی اصل تقویٰ ہے اوراس کے بغیر اللہ تعالیٰ کے قرب اوراس کی رضا کا حصول ناممکن ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ کے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام اورآپ کے جاں نثار صحابہ

کبار کی درویشانہ اورفقیرانہ زندگی سالکانِ عشق ومحبت کے لئے منارہ نور کی حیثیت رکھتی ہے۔
علامہ اقبالؒ نے بھی دُعا کی۔

عطا اسلاف کا جذب دروں کر
شریکِ زُمرۂ لا یحزنوں کر
خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں
میرے مولا مجھے صاحبِ جنوں کر

روحانی معاملات

مادی دُنیااورروحانی عالم

مادیت اورروحانیت کےدھارے ساتھ ساتھ ہی بہ رہے
ہیں۔انسان خودبھی مادی جسم اورروح کا مجموعہ ہے۔آدم علیہ السلام کی تخلیق کے ساتھ ہی روحانی معاملات کا سلسلہ شروع ہوگیا۔اللہ تعالیٰ کا ان کوخودعلم سکھانا،فرشتوں کے ساتھ مقابلے میں ان کی کامیابی،فرشتوں کا انہیں سجدہ کرنا،آدم کی پشت سے ارواح انسانی کونکال کران سے عہد الست لینا،خصوصی امانت کا اٹھانا اورپھر زمین کی طرف روانگی یہ سب معاملات عالم ارواح ہی میں پیش آئے۔اب بھی ہمارے اردگرد اوراندرباہرروحانی عوامل کارفرماہیں۔اس گوشت پوست کےانسان کے ظاہروباطن میں کئی روحانی کارندے اوردشمن ودوست مصروف کار ہیں۔سب سے پہلے اورسب سے نزدیک تو خوداللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔علاوہ ازیں جسم،نفس،قلب اورایمان کے جوروحانی پہلو ہیں ان کے بارے میں قرآنی آیات ملاحظہ فرمائیں۔

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِo (ق۔16)

''اورہم اُسکی شاہرگ سے بھی زیادہ قریب ہیں''۔

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌo (حدید۔4)

''اورتم جہاں کہیں بھی ہووہ تمہارے ساتھ ہوتا ہےاورتمہارے اعمال کودیکھ رہا ہے''

مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌ بِنَا صِيَتِهَاo (ھود۔56)

''اور روئے زمین پر کوئی جاندار نہیں مگر اللہ نے اس کو چوٹی یعنی ایک روحانی تار سے پکڑ رکھا ہے''

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ ۔ وَ نُخْرِجُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ كِتٰبًا یَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًاo (بنی اسرائیل۔13)

''اور ہم نے ہر انسان کی گردن میں ایک خفیہ ریکارڈ نصب کر رکھا ہے جسے قیامت کے دن کتاب کی صورت میں اُسے نکال دکھائیں گے جسے وہ کھلا ہوا دیکھے گا''۔

وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ یَّشْهَدَ عَلَیْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا یَعْلَمُ كَثِیْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَo

(حم السجدۃ۔22)

''اور تم اِس سے تو پردہ نہیں کرتے تھے کہ تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور چمڑے تمہارے خلاف شہادت دیں گے۔ بلکہ تم خیال کرتے تھے کہ اللہ کو تمہارے بہت سے عملوں کی خبر ہی نہیں''۔

ان کے علاوہ شیطان تمہارے جسم میں پوشیدہ اور خون کی مانند گردش کر رہا ہے۔اور تم جب بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہو جاتے ہوتو وہ اپنی سونڈ تمہارے قلب میں داخل کر کے وسوسے ڈالنے لگتا ہے۔(حدیث شریف)

وَمَنْ یَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ فَاِنَّهٗ یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِo

(النور۔21)

''اور جو شیطان کے نقش قدم پر چلے گا وہ تو بے حیائی اور برے کاموں کا حکم دے گا''

شیطانی عمل کو ناکام کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے نماز فرض قرار دے کر ایک روحانی دفاعی نظام قائم کر دیا۔ کیونکہ

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِo (عنکبوت۔45)

''بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روک لیتی ہے۔''

نماز اپنی روحانی افادیت کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت کی نہر ہے۔اور نماز کا پابند مومن اس نہر میں پانچ وقت غسل کر کے چھوٹے چھوٹے گناہوں اور لغزشوں سے اپنے آپ

کو پاک کرتا رہتا ہے۔اسی طرح تمام ارکان اسلام کا ایک باطن بھی ہے اور ان سب کی قبولیت کا دارومدار اخلاص اور تقویٰ پر ہے۔ کیونکہ "اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں بلکہ دلوں کو دیکھتا ہے۔"(حدیث شریف) اور یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ "جسم کے اندر ایک ٹکڑا ہے جب یہ درست ہوجائے تو سارا جسم درست ہوجاتا ہے اور جب یہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے اور سن لو کہ یہ قلب ہے"(حدیث شریف) احسان وتصوف سکھانے والے صوفیائے کرام کی ساری تعلیم کا مقصود ہی تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب ہوتا ہے۔قرآن کریم میں قلب کی جو خوبیاں اور خرابیاں بیان کی گئی ہیں وہ سب روحانی نوعیت کی ہیں۔پہلے صالح وسلیم قلوب کے بارے میں سنیئے :-

تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ۔ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍo (زمر۔23)

"جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کے بدن کے رونگٹے اللہ کی باتوں سے کھڑے ہو جاتے ہیں۔پھر ان کے بدن اور دل نرم ہوکر اللہ کے ذکر کی طرف متوجہ ہوجاتے ہیں۔یہی ہے اللہ کی ہدایت۔وہ اس سے جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔اور جس کو اللہ گمراہ کرے اسکو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔"

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًاo (کھف۔28)

"اور جس شخص کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کردیا ہے اور وہ اپنی خواہش کی پیروری کرتا ہے اور اسکا کام حد سے بڑھ گیا ہے اسکا کہا نہ ماننا۔"

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَo اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍo
(شعراء۔89,88)

"جس دن مال ہی کچھ فائدہ دے سکے گا اور نہ بیٹے۔بچے گا وہی جو اللہ کے پاس قلب سلیم لے کر آیا"۔

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍo هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ

حَفِيْظٍo مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍo (ق۔31 تا33)

''اور جنت متقین کے قریب کر دی جائے گی کہ مطلق دور نہ ہوگی۔ یہ وہ چیز ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا یعنی ہر رجوع لانے والے حفاظت کرنے والے سے۔ جو بن دیکھے اللہ سے ڈرتا رہا اور رجوع کرنے والا دل لے کر آیا۔''

يٰاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْآ اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْo (مائدۃ۔41)

''اے پیغمبر جو لوگ کفر میں جلدی کرتے ہیں ان میں سے کچھ منہ سے کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے لیکن ان کے دل مومن نہیں ہیں آپ ان کیلئے غمگین نہ ہوں۔''

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْآ اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْo (حجرات۔14)

''دیہاتی کہتے ہیں کہ ایمان لے آئے۔ آپؐ کہہ دیں کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں۔ اور ایمان تو ہنوز تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا۔''

اَللّٰهُ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَo (حجرات۔7)

''اللہ نے ایمان کو تمہارے لئے عزیز بنا دیا اور اس کو تمہارے دلوں میں سجا دیا اور کفر اور گناہ اور نا فرمانی سے تم کو بیزار کر دیا۔ یہی لوگ راہ ہدایت پر ہیں''

اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَ اَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۔ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَo (مجادلۃ۔22)

''یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان تحریر کر دیا اور فیض غیبی سے ان کی مدد کی۔ اور وہ ان کو بہشتوں میں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں داخل کریگا۔ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی وہ اس سے راضی۔ یہی گروہ اللہ کا لشکر ہے اور سن رکھو کہ اللہ ہی کا لشکر مراد حاصل کرنے

والا ہے"۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ آخرت کی کامیابی کا انحصار قلب کے ایمان لانے اور اسکی اصلاح پر ہے۔

قلبِ سقیم

ابھی ہم صالح اور سلیم دلوں کی بات کر رہے تھے۔اب سقیم دلوں کی مختلف نوعیت کی بیماریوں اور نقائص کے بارے میں قرآن کا بیان سنیے اور ان سے بچنے کے لئے اپنے رب سے دعائیں مانگتے رہئے۔

زنگ آلود دل

اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِ اٰیٰتُنَا قَالَ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ○ كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ○ (مطففین۔14,13)

"جب اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ یہ اگلے لوگوں کے افسانے ہیں۔دیکھو یہ جو اعمال بد کرتے ہیں ان کا ان کے دلوں پر زنگ بیٹھ گیا ہے۔"

ٹیڑھے دل

فَلَمَّا زَاغُوْا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ○ (صف۔5)

"جب ان لوگوں نے کجروی کی تو اللہ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

مریض دل

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○ (بقرۃ۔10)

"ان کے دلوں میں مرض تھا اللہ نے ان کا مرض اور زیادہ کر دیا اور ان کو دکھ دینے والا عذاب ہوگا۔"

وَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰی رِجْسِهِمْ۔

وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ o (توبۃ ۔125)

''اور جن لوگوں کے دلوں میں مرض ہے ان کے حق میں خبث پر خبث زیادہ کیا اور وہ مرے بھی تو کافر کے کافر۔''

اندھے دل

فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ o (حج ۔46)

''یہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ جو دل سینوں میں ہیں وہ اندھے ہوتے ہیں''

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ o (محمدؐ ۔23)

''یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور ان کو بہرا اور آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے۔''

قفل لگے دل

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا o (محمدؐ ۔24)

''بھلا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا انکے دلوں پر قفل لگ رہے ہیں۔''

سخت دل

فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ o (حدید ۔16)

''پھر ان پر طویل زمانہ گزر گیا تو انکے دل سخت ہو گئے اور ان میں سے اکثر نافرمان ہیں۔''

مہر لگے دل

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ o (مؤمن ۔35)

''اسی طرح اللہ ہر متکبر سرکش کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔''

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا

يُؤْمِنُوْنَ ○ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ (بقرۃ۔7,6)

”جن لوگوں نے کفر کیا انہیں آپ نصیحت کریں یا نہ کریں ان کے لئے برابر ہے۔ وہ ایمان نہیں لانے کے۔ اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا رکھی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور انکے لئے بڑا عذاب ہے۔“

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ۔ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ○ (جاثیۃ۔23)

”بھلا آپؐ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو معبود بنا رکھا ہے۔ اور باوجود علم کے اللہ نے اس کو گمراہ کردیا۔ اور اس کے کانوں اور دل پر مہر لگادی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ اب اللہ کے بعد اسے کون راہ پر لاسکتا ہے بھلا تم کیوں نہیں سمجھتے۔“

ناسمجھ دل

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۔ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۔ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ○ (اعراف۔179)

”ان کے دل ہیں لیکن ان سے سمجھتے نہیں۔ ان کی آنکھیں ہیں مگر ان سے دیکھتے نہیں۔ اور ان کے کان ہیں مگر ان سے سنتے نہیں۔ یہ لوگ چارپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی بھٹکے ہوئے۔ یہی لوگ غافل ہیں۔“

باطنی رکاوٹیں

اللہ تعالیٰ جن لوگوں کی سرکشی اور کفر پر اصرار کے سبب ان کے دلوں اور حواس پر مہر لگا دیتا ہے ان پر دعوت و تبلیغ کی ہر کوشش بے اثر ہو جاتی ہے کیونکہ جسے اللہ گمراہ کردیتا ہے اسے کوئی ہادی و مرشد نہیں مل سکتا۔ بلکہ ان کی راہ میں باطنی رکاوٹیں کھڑی کردی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا اپنا ایک نظام ہدایت و ضلالت ہے اور اس کی اپنی حکمتیں ہیں جو انسانی فہم سے بالاتر

ہیں۔چند قرآنی حقائق ملاحظہ فرمایئے:

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ۝ وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ۝ (بنی اسرائیل۔46,45)

''جب آپؐ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپؐ کے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ایک مخفی پردہ حائل کردیتے ہیں اور ان کے دلوں پر پردہ ڈال دیتے ہیں تاکہ اسے سمجھ نہ پائیں۔اور انکے کانوں میں ثقل پیدا کردیتے ہیں اور جب آپ قرآن میں رب واحد کا ذکر کرتے ہو تو وہ بدک جاتے اور پیٹھ پھیر کر چل دیتے ہیں۔''

قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى۔اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ۝

(حم سجدہ۔44)

''جولوگ ایمان لائے ان کے لئے قرآن ہدایت اور شفا ہے۔اور جو ایمان نہیں لاتے انکے کانوں میں گرانی ہے اور یہ انکے لئے نابینائی ہے۔ان کے لئے ایسا ہے کہ گویا انہیں کسی دور جگہ سے آواز دی جارہی ہو۔''

اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ۝ وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝ وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

(یاسین۔8تا10)

''ہم نے انکی گردنوں میں طوق ڈال رکھے ہیں اور وہ ٹھوڑیوں تک پھنسے ہوئے ہیں تو انکے سر اُلل رہے ہیں۔اور ہم نے ان کے آگے بھی دیوار بنادی اور انکے پیچھے بھی پھر ان کو ڈھانک دیا ہے تو یہ دیکھ نہیں سکتے۔آپ ان کو نصیحت کریں یا نہ کریں ان کے لئے برابر ہے وہ ایمان نہیں لانے کے''

روحانی رابطے

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِo
(بقرہ۔257)

''اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا حمایتی اور دوست ہے اور انہیں اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لے جاتا ہے''۔

هُوَالَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَ كَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًاo (احزاب۔43)

''اللہ تعالیٰ مومنوں پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی تا کہ انہیں اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لے جائے اور اللہ مومنوں پر مہربان ہے''۔

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَo نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَةِ وَلَكُمْ فِیْهَا مَاتَشْتَهِیْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَدَّعُوْنَo (حم سجدہ۔31,30)

''جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر وہ اس پر قائم رہے ان پر فرشتے اترتے ہیں کہ نہ خوف کرو اور نہ غمناک ہو۔ اور بہشت کی جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے خوشی مناؤ۔ ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے دوست ہیں اور آخرت میں بھی۔ وہاں جس نعمت کو تمہارا جی چاہے گا ملے گی اور جو چیز طلب کرو گے تمہارے لئے موجود ہوگی۔''

اس کے برعکس کفار کے رابطے شیاطین سے قائم ہو جاتے ہیں جو انہیں ضلالت و گمراہی کے اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں۔ ان کی تفصیل قرآن نے اس طرح بیان کی ہے۔

وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِیٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ۔ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَo (بقرہ۔257)

''اور جو لوگ کافر ہیں ان کے دوست شیاطین ہیں جو انہیں نور سے اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں۔ یہی لوگ دوزخ میں جائیں گے اس میں ہمیشہ رہیں گے۔''

اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ o (اعراف۔27)

''ہم نے شیاطین کو ان لوگوں کا دوست بنایا ہے جو ایمان نہیں رکھتے۔''

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ o
(زخرف۔36)

''اور جو اللہ کے ذکر سے آنکھیں بند کر لے ہم اس پر ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں تو وہ اسکا ساتھی بن جاتا ہے۔''

وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ o (انعام۔121)

''بے شک شیاطین اپنے دوستوں کی طرف وحی کرتے ہیں کہ تم سے جھگڑا کریں۔اور اگر تم ان کے کہے پر چلے تو تم بھی مشرک ہوئے۔''

هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ o تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ o يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ o (شعراء۔221 تا 223)

''میں تمہیں بتاؤں کہ شیطان کس پر اترتے ہیں۔ہر جھوٹے گنہگار پر اترتے ہیں جو سنی ہوئی بات لا ڈالتے ہیں اور وہ اکثر جھوٹے ہیں۔''

نور رحمت اور روحانی رزق

روح ہی انسان کی اصل ہے اور تمام ظاہری عبادات اور معاملات سے مقصود بھی قلب کی اصلاح کرنا اور من کی دنیا آباد کرنا ہے۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ o (انعام۔25)

''اللہ تعالیٰ بھی جب کسی کو ہدایت دینا چاہتا ہے تو اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے''۔
پھر اپنے ذکر کی برکت سے انہیں اطمینان قلب اور روحانی مسرت کی وہ دولت عطا فرماتا ہے جس کی تلاش میں مادہ پرست مفکر اور فلاسفر مارے مارے پھر رہے ہیں۔وہ اپنی محبت کے طلبگاروں کو ایسا جام پلاتا ہے کہ وہ دو عالم سے بے نیاز اور بے تاج بادشاہ بن جاتے ہیں۔اور ان کے لئے مادی محلات اور لذات میں کوئی کشش باقی نہیں رہتی۔یہ استغناء جسے علامہ اقبال ؒ معراج

مسلمانی قرار دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ باطنی رحمت اور روحانی رزق کی بدولت انہیں ملتا ہے۔صرف روٹی پانی ہی کو رزق سمجھنے والوں پر افسوس کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ نے "شاہین" کے منہ سے کہلوایا:

کیا میں نے اس خاکداں سے کنارا
جہاں رزق کا نام ہے آب و دانہ

اب اس باطنی رحمت اور رزق کے متعلق اللہ تعالیٰ کے فرمودات سنیئے:

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا۔ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَo (زخرف۔32)

"کیا یہ لوگ تمہارے رب کی رحمت کو بانٹتے ہیں۔ہم نے ان کے درمیان ان کی معیشت کو دنیا کی زندگی میں تقسیم کر دیا اور بعض کے بعض پر درجات بلند کئے تا کہ ایک دوسرے سے خدمت لے سکے۔اور جو کچھ یہ جمع کرتے ہیں تمہارے رب کی رحمت اس سے کہیں بہتر ہے۔"

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَo (یونس۔58)

"آپؐ کہہ دیجئے کہ مومنین کو چاہیئے کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کی دولت سے خوش ہوں۔یہ اس سے کہیں بہتر ہے جو وہ لوگ جمع کرتے ہیں۔"

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًاo (ھود۔88)

"شعیب علیہ السلام نے کہا اے قوم! دیکھو تو اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے دلیل روشن پر ہوں اور اس نے اپنے پاس سے مجھے رزق حسن یعنی نیک روزی دی ہے۔"

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْo (ھود۔28)

"نوح علیہ السلام نے کہا اے قوم! دیکھو تو اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے دلیل روشن

پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے ہاں سے رحمت عطا کی ہو جس کی حقیقت تم سے پوشیدہ رکھی گئی ہے۔"

قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَo (جمعہ-11)

"آپ کہہ دیجئے کہ جو نعمت اللہ کے پاس ہے وہ تماشے اور تجارت سے کہیں بہتر ہے اور اللہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔"

اُوپر دی گئی آخری آیت میں بھی رزق سے مراد اللہ تعالٰی کی رحمت اور روحانی رزق ہی مراد ہے۔ کیونکہ اس آیت سے پہلے بیان ہوا ہے کہ کسی قافلہ تجارت کی آمد کا نقارہ بجا تو کچھ لوگ نبی کریمؐ کی مجلس یا خطبہ جمعہ سے اٹھ کر چلے گئے۔ تو اس آیت میں بتایا گیا کہ تجارت سے جو مالی فائدہ ملتا اور کھیل تماشے سے جو نفس کو وقتی لطف آتا ہے یہ سب اس روحانی نعمت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں جو رسول اللہؐ کی مقدس صحبت میں تمہیں حاصل ہوگی۔ اللہ تعالٰی کے خزانے میں بے شمار نعمتیں ہیں اور وہ بڑی فیاضی سے عطا کرتے ہیں۔ **وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ**o سے یہی مراد ہے لیکن ہماری دنیا طلبی نے اس رزق کو بھی روٹی ہی سمجھا اور اپنے مکانوں، کارخانوں، دوکانوں بلکہ ٹرکوں اور ربسوں کو بھی اس آیت مبارکہ سے مزین کر لیا۔ اس وقت مجھے حضرت سالم بن عبداللہ بن عمرؓ یاد آ گئے ہیں جنہوں نے بادشاہ وقت سے کہا کہ "آپ سے بھلا میں دنیا کے بارے میں سوال کرونگا۔ دنیا تو میں نے اس کے بنانے والے سے بھی کبھی نہیں مانگی"۔ اور ایک ہم ہیں کہ اس کے سوا کچھ سوجھتا ہی نہیں۔ یہ تمام علامتیں ایک ہی بیماری کی ہیں اور وہ ہے دنیا سے محبت۔ جسے حضورؐ نے سب خرابیوں کی جڑ فرمایا ہے۔ اللہ کریم جس نے ہر مرض کے لئے دوا پیدا فرمائی اس دشمن ایمان بیماری کا علاج بھی عطا فرمایا ہے اور وہ ہے صحبت صادقین۔ اگر قلب کا چراغ مکمل طور پر ہی بجھ نہ گیا ہو اور دل مردہ نہ ہو چکا ہو تو اللہ والوں کی صحبت تمہارے قلب کا رُخ دنیا کی محبت سے ہٹا کر اللہ کی محبت کی طرف کر دے گی۔ جس طرح ریموٹ کنٹرول سے ٹیلی ویژن کے چینل بدل جاتے ہیں۔ تمہارے من کا چینل بھی بدل جائے گا۔ حضور رحمۃ اللعالمین ﷺ کے صحابہ کرامؓ کو جو دوسری امتوں پر فضیلت حاصل ہے اسکی واحد وجہ آپؐ کا فیض

صحبت ہے۔آپؐ ہی کا ارشادِ مبارک ہے کہ اچھی صحبت کی مثال مشک فروش کی دوکان کی مانند ہے۔امید ہے کہ تمہیں وہاں سے عطر و مشک عطا ہو جائیں۔اگر نہ ملیں پھر بھی خوشبو سے حظ تو اٹھا ہی لو گے۔اللہ تعالیٰ نے ارشادفرمایا ہے کہ۔

یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْااتَّقُوْاللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَo (توبہ۔119)

''اے ایمان والواللہ کاتقویٰ اختیار کرواور صادقین یعنی سچے بندوں کے ساتھ رہو۔''

ایک دوسرے مقام پرحکم فرمایا۔

وَّاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّo (لقمان۔15)

''اور جوشخص میری طرف رجوع کرنے والاہواس کااتباع کرنا۔''

موت کے لمحات

کفار کے لئے جس طرح دنیا میں تنگی کا جینا ہےاسی طرح ان پر جانکنی کی گھڑیاں بھی بڑی بھاری ہونگی۔حضرت کعبؓ نے تقویٰ کی حقیقت سمجھانے کے لئے بڑی عمدہ مثال بیان فرمائی۔کہ خاردار جھاڑیوں کے درمیان کسی راستہ پر چلتے ہوئے جس طرح انسان اپنے دامن کوسمیٹ کر چلتا ہے کہ کانٹوں میں نہ الجھ جائے اسی کیفیت کا نام تقویٰ ہے۔ایک مومن کواس دنیا کے خارزار میں سے اس طرح پار جانا ہے کہ محبت کی چادر امانت غفلت اور گناہوں کے کانٹوں میں اُلجھنے نہ پائے۔کفار کی اس دنیا کے سوا چونکہ کوئی منزل نہیں ہوتی اس لئے وہ پوری طرح کانٹوں میں الجھ جاتے ہیں۔اس لئے موت کے وقت ان کے کرب کی مثال ایسی ہی ہوگی جس طرح کانٹوں میں الجھے ہوئے کسی رومال کو زور سے کھینچنے سے ہوتی ہے۔زندگی کے آخری لمحات کی روحانی کیفیات ہماری آنکھوں کے سامنے وارد ہورہی ہوتی ہیں لیکن ہم دیکھ نہیں سکتے۔اللہ تعالیٰ ارشادفرماتے ہیں:

فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَo وَاَنْتُمْ حِیْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَo وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْکُمْ وَلٰکِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَo (واقعہ۔83تا85)

''اس وقت کی بات کرو جب روح گلے میں آ پہنچتی ہےاورتم اس وقت دیکھا کرتے ہواور ہم اس مرنے والے سے تم سے بھی زیادہ نزدیک ہوتے ہیں لیکن تم کونظر نہیں آتے۔''

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِىْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ - اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ۝

(انعام۔93)

''اور کاش تم ان ظالم لوگوں کو اس وقت دیکھو جب یہ موت کی سختیوں میں ہوں اور فرشتے ہاتھ بڑھا رہے ہوں کہ اپنے آپ کو نکالو۔ آج تم کو ذلت کے عذاب کی سزا دی جائے گی اس لئے کہ تم اللہ پر جھوٹ بولا کرتے تھے اور اس کی آیتوں سے سرکشی کرتے تھے۔''

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِىْ سَمِّ الْخِيَاطِ۔ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُجْرِمِيْنَ۝ (اعراف۔40)

''جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے سرتابی کی ان کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور نہ ہی وہ بہشت میں داخل ہونگے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں سے نہ نکل جائے۔ اور گنہگاروں کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔''

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ۝ (انفال۔50)

''اور کاش تم اس وقت دیکھو جب فرشتے کافروں کی جانیں نکالتے ہیں۔ وہ ان کے مونہوں اور پیٹھوں پر مارتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اب عذاب آتش کا مزہ چکھو۔''

یہ انجام تو ان کا ہوگا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کا عہد توڑا اور جو امانت اٹھائی تھی اس کے تقاضے پورے نہ کئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کی سزا انہیں دی۔ ان کے برعکس متقین ومقربین کی روانگی کا منظر ملاحظہ ہو۔

اَلَّذِيْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝ (نحل۔32)

''فرشتے جب متقین کی جانیں نکالنے لگتے ہیں جو کفر وشرک سے پاک ہوتے ہیں تو السلام

علیکم کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو عمل تم کیا کرتے تھے ان کے بدلے بہشت میں داخل ہو جاؤ۔،،

وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ o فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ o (واقعہ۔91,90)

''اور اگر مرنے والا دائیں ہاتھ والوں میں سے ہو تو کہا جائے گا کہ تجھ پر داہنے ہاتھ والوں یعنی اہل جنت کی طرف سے سلام ہو۔''

وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ o فَرَوْحٌ وَّ رَيْحَانٌ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ o

(واقعہ۔89,88)

''اور اگر وہ مقربین میں سے ہو تو اس کے لئے راحت و آرام کے پیام، خوشبودار پھولوں سے استقبال اور نعمتوں بھری جنت میں داخلہ ہوگا۔''

آخری لمحات میں مومن کی کیفیات کو مدنظر رکھتے ہوئے شاعر مشرقؒ نے فرمایا:

نشان مرد مومن باتو گویم
چوں مرگ آید تبسم برلب اوست

ہم نے تخلیق آدم سے شروع کر کے موت کی گھڑی تک وارد ہونے والے روحانی واقعات بیان کر دیئے ہیں تا کہ زندگی کے اس پوشیدہ پہلو کی اہمیت کھل کر سامنے آجائے۔ اگر چہ موت آجانے پر مادی جسم تو سپرد خاک کر دیا جاتا ہے لیکن اصل انسان دوسرے عالم میں پہنچ جاتا ہے جو سراسر روحانی ہے۔ لیکن فی الحال ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

قرآنی معیار

اولاد آدم دنیا و آخرت میں آرام و راحت بھری زندگی صرف ایک ہی صورت میں حاصل کر سکتی ہے کہ اپنے خالق پر ایمان لا کر اس کے دیئے ہوئے آئین پر عمل پیرا ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کا آخری اور مکمل ترین دستور قرآن کریم کی صورت میں اہل ایمان کے پاس موجود ہے۔ لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم قرآن کی روح کو اپنے اندر سمو لیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اسکی محبت حاصل کرنے کا اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ نہیں۔ حضرت عائشہؓ کا بیان کتنا فصیح و بلیغ ہے کہ "حضورؐ کا اخلاق قرآن تھا" (حدیث شریف) رسول اللہؐ کی اتباع

میں ہر مومن کو چاہیئے کہ دنیا و آخرت میں فلاح کی خاطر خوب محنت کر کے اپنے آپ کو قرآن کریم کی تعلیم کے سانچے میں ڈھال لے تاکہ وہ بات بن جائے جسے اقبال نے فرمایا :

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ "تعمیر ملت" میں تحریر فرماتے ہیں:" تمام علم وتربیت، فضل وکمال، زہد وتقویٰ، عبادت وریاضت اور ولایت ومعرفت کا نتیجہ یہ ہونا چاہیئے کہ آدمی حسن اخلاق کا پتلا اور رحم وکرم کا مجسمہ ہو۔ جب تک یہ نہ ہوگا ہم کتنی ہی نمازیں پڑھیں، روزے رکھیں، حج کریں یا زکوٰۃ دیں، ملت اپنا کھویا ہوا مقام حاصل نہیں کر سکتی۔"

دین میں سب سے پہلے عقائد کا درست ہونا اور دل میں ایمان کا محکم ہونا بہت ضروری ہے جب عقائد پختہ اور تعلق باللہ مضبوط ہوگا تو عبادات اور معاملات کا معیار بھی قرآن کریم کے مطابق سنورتا چلا جائے گا۔ اب ہم اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہمارا عقیدہ اور پھر اس کے مطابق ہمارا کردار کیسا ہونا چاہئے۔ مسلمان ہونے کے حیثیت سے اس بات پر ہمیں یقین محکم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں پیدا کیا ہے اور وہی ہمیں رزق دیتا ہے۔ وہ جو کچھ کرتا ہے ہماری بہتری کے لئے کرتا ہے۔ ہر نعمت پر اس کا شکر ادا کرو اور مصائب میں اسی کی طرف رجوع کرو اور ہر حال میں اس سے خوش رکھو۔ ان عقائد کے بارے میں قرآنی احکام ملاحظہ ہوں:-

توکل علی اللہ

وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ٥ (مائدۃ۔23)

"اور اللہ پر توکل رکھو اگر تم صاحب ایمان ہو۔"

وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا٥ (احزاب۔3)

"اور اللہ پر بھروسہ رکھنا اور اللہ ہی کارساز کافی ہے۔"

قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلٰنَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ٥ (توبۃ۔51)

"آپ کہہ دیجئے کہ ہم کو کوئی مصیبت نہیں پہنچ سکتی بجز اس کے جو اللہ نے ہماری لئے لکھ

دی ہو۔وہی ہمارا کارساز ہے اور مومنوں کو اللہ ہی کا بھروسا رکھنا چاہیئے۔"

وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْئًا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ o (مجادلۃ۔10)

"اللہ کے اذن کے سوا ان سے انہیں کچھ نقصان نہیں پہنچ سکتا۔تو مومنوں کو چاہیئے کہ اللہ ہی پر بھروسا رکھیں۔"

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ - وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ o (یونس۔107)

"اگر اللہ تمہیں کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا اس کا کوئی دور کرنے والا نہیں۔اور اگر تم سے بھلائی کرنا چاہے تو اس کے فضل کو کوئی روکنے والا نہیں۔"

فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ o (شوریٰ۔36)

"جو کچھ تمہیں دیا گیا ہے وہ تو دنیوی زندگی کے فائدے کے لئے ہے اور جو کچھ اللہ کے ہاں ہے وہ بہتر اور باقی رہنے والا ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر بھروسا رکھتے ہیں۔"

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا o **وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ** o (طلاق۔3,2)

"جو اللہ کے لئے تقویٰ کرے گا اس کے لئے مخلصی کی صورت پیدا کر دے گا اور اسکو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے اس کو گمان بھی نہ ہو۔اور جو اللہ پر توکل کرتا ہے پھر وہی اس کے لئے کافی ہے۔"

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ o (ھود۔123)

"آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی چیزوں کا علم اللہ ہی کو ہے۔اور تمام امور کا رجوع اسی کی طرف کیا جاتا ہے۔تو اسی کی عبادت کرو اور اسی پر بھروسا کرو۔اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے بےخبر نہیں۔"

آخر میں ایک حدیث مبارکہ بھی سن لیجئے ۔حضورؐ نے فرمایا کہ ''مجھے بتایا گیا کہ آپ کی امت میں سے ستر ہزار ایسے ہونگے جو بغیر حساب و کتاب جنت میں داخل ہونگے ۔ یہ وہ لوگ ہونگے جو صرف اپنے رب پر توکل کرتے ہوں گے''(بخاری مسلم)

رزق رسانی کا وعدہ

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۔ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ o (ھود۔6)

''زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمے ہے ۔وہ اس کے مستقل ٹھکانے کو جانتا ہے اور عارضی ٹھکانے کو بھی ۔سب کچھ روشن کتاب میں لکھا ہے ۔''

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ o (عنکبوت۔62)

''اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے روزی فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے ۔بے شک اللہ ہر چیز سے واقف ہے ۔''

وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ o (عنکبوت۔60)

''اور بہت سے جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے ۔اللہ ہی ان کو رزق دیتا ہے اور تم کو بھی ۔اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے ۔''

کسی سے نہ ڈرو

فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ o (بقرۃ۔150)

''اور ان سے مت ڈرنا اور مجھی سے ڈرتے رہنا تا کہ اپنی نعمت تم پر پوری کروں اور یہ بھی کہ تم راہ راست پر چلو ۔''

اَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ o (توبہ۔13)

''کیا تم ایسے لوگوں سے ڈرتے ہو حالانکہ اللہ ہی اس لائق ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم ایمان رکھتے ہو ۔''

إِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَآءَهُ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ٥ (آل عمران۔175)

''یہ تو شیطان ہے جو تمہیں اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے۔تو اگر تم مومن ہو تو ان سے مت ڈرنا اور مجھی سے ڈرتے رہنا۔''

إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَأَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى أُولٰٓئِكَ أَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ٥ (توبۃ۔18)

''اللہ کی مسجدوں کو تو وہ لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان لاتے اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔یہی لوگ امید ہے کہ ہدایت یافتہ لوگوں میں داخل ہوں۔''

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ٥ (نور۔52)

''اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا۔اور اللہ سے ڈرے گا تو ایسے ہی لوگ مراد کو پہنچنے والے ہیں۔''

غصہ کی نفی

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ٥ (آل عمران۔134)

''متقین وہ ہیں جو آسودگی اور تنگی میں خرچ کرتے ہیں اور غصے کو پی جانے والے اور لوگوں کے قصور معاف کرتے ہیں۔اور اللہ محسنین سے محبت کرتا ہے''۔

وَإِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ٥(شوریٰ۔37)

''اور اہل ایمان کو جب غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔''

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ السَّيِّئَةَ۔ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ٥ (مومنون۔96)

''اور بری بات کے جواب میں ایسی بات کہو جو بہت اچھی ہو۔جو کچھ یہ بیان کرتے ہیں ہمیں خوب معلوم ہے۔''

عفوودرگزر

وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۔ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌo (نور۔22)

''مومنین کو چاہیئے کہ معاف کردیں اور درگذر کردیں ۔ کیا تم پسند نہیں کرتے ہو کہ اللہ تم کو بخش دے ۔ اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے ۔''

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِo (شوریٰ۔43)

''اور جو صبر کرے اور قصور معاف کردے تو یہ ہمت کے کام ہیں ۔''

فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْo وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْo (ضحیٰ ۔10,9)

''اور آپ یتیم پر ستم نہ کرنا ۔ اور مانگنے والے کو جھڑکی نہ دینا ۔''

کفار کے لئے رواداری

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۔ وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۔ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَo (مائدۃ۔48)

''تم میں سے ہر اُمت کے لئے ایک دستور اور طریقہ مقرر کردیا ہے ۔ اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک ہی اُمت بنا دیتا ۔ مگر اس نے جو کچھ تمہیں دیا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرنی چاہتا ہے ۔ پس بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو تم سب کو اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے پھر جن باتوں میں تمہارا اختلاف ہے وہ تم کو بتادے گا''۔

وَلَا تُجَادِلُوْآ اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۔ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَo (عنکبوت۔46)

''اور اہل کتاب سے جھگڑا نہ کرو مگر ایسے طریقے سے کہ نہایت اچھا ہو ۔ ہاں جو ان میں سے ظلم کریں ۔ اور ان سے کہہ دیں کہ جو کتاب ہم پر اتری اور جو تم پر اتریں ہم سب پر ایمان رکھتے

ہیں۔اور ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔"

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ۔ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ o (انعام۔108)

"اور جن لوگوں کو یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں ان کو برا نہ کہنا کہ یہ بھی کہیں اللہ کو بے ادبی سے بے سمجھے برا نہ کہہ بیٹھیں۔اسی طرح ہم نے ہر گروہ کے اعمال ان کی نظروں میں اچھے کر دکھائے ہیں۔پھر ان کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے تب وہ ان کے اعمال کا فیصلہ کر دے گا۔"

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ o (کھف۔29)

"آپ کہہ دیجئے کہ یہ قرآن تمہارے رب کی طرف سے برحق ہے تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کافر رہے۔"

وَقَالَ مُوْسٰۤى اِنْ تَكْفُرُوْۤا اَنْتُمْ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۔ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِىٌّ حَمِيْدٌ o (ابراہیم۔8)

"اور موسیٰ نے کہہ دیا کہ اگر تم اور جتنے اور لوگ زمین میں ہیں سب کے سب کافر ہو جاؤ تو بے شک اللہ بے نیاز اور قابل تعریف ہے۔"

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِى الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ o وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۔ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ o (یونس۔100,99)

"اگر آپ کا رب چاہتا تو جتنے لوگ زمین پر ہیں سب کے سب ایمان لے آتے۔کیا آپ لوگوں پر زبردستی کرنا چاہتے ہیں کہ وہ مومن ہو جائیں۔حالانکہ کسی شخص کو قدرت نہیں ہے کہ اللہ کے اذن کے بغیر ایمان لائے۔اور جو بے عقل ہیں ان پر نجاست ڈالتا ہے۔"

قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِىْ o فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ۔ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۔ اَلَا

ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُo (زمر۔15,14)

''آپ کہہ دیں کہ میں اپنے دین کوخالص کر کے اللہ کی عبادت کرتا ہوں۔تو تم لوگ اس کے سوا جس کی چاہو عبادت کرو۔آپ کہہ دیں کہ نقصان اٹھانے والے وہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنے آپ کواور اپنے گھر والوں کو قیامت کے دن نقصان میں ڈالا۔اچھی طرح جان لو کہ یہ صریح نقصان ہے۔''

عالمگیر محبت

اللہ تعالیٰ کو جو اپنی مخلوق سے محبت ہے اس کا اندازہ کرنا بھی دشوار ہے۔

قُلْ لِلّٰهِ ۔ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَo

''اس نے خود ہی اپنی ذات پر رحمت کو لازم کرلیا ہے۔''(انعام۔12)

اور وہ اپنی مخلوق کے ساتھ ستر ماؤں سے بھی زیادہ پیار کرتا ہے (حدیث شریف) اور پھر جو جتنا زیادہ اللہ کے قریب ہوتا ہے وہ مخلوق خدا کے ساتھ اتنی ہی زیادہ محبت کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ کے بعد بنی نوع انسان سے سب سے زیادہ محبت حضور محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰؐ کو ہے جو رؤف و رحیم اور رحمۃ اللعالمین ہیں اللہ تعالیٰ کے تمام برگزیدہ بندے اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگے ہوتے ہیں اس لئے وہ سبھی انسانوں سے پیار کرتے ہیں۔مومنین کی تعریف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (فتح۔29) ''وہ آپس میں رحیم اور مہربان ہیں۔"مومنین کے درمیان مودت ومحبت کے تعلقات کو مثالی بنانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بدگمانی، تجسس اعمال اور غیبت سے بچو۔ایک دوسرے کا تمسخر نہ اڑاؤ اور نہ ہی برے القاب سے پکارو۔مزید احکام یہ فرمائے:-

وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۔ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ۔ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًاo (بنی اسرائیل۔53)

''اور میرے بندوں سے کہہ دیں کہ ایسی باتیں کہا کریں جو بہت پسندیدہ ہوں۔کیونکہ شیطان بری باتوں کے ذریعے ان میں فساد ڈلواتا ہے۔کچھ شک نہیں کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔''

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَo (حجرات۔10)

''مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں اور اپنے دو بھائیوں میں صلح کرا دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحمت کی جائے۔''

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا٥ (نساء۔93)

''جو شخص مومن کو قصداً مار ڈالے گا تو اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اللہ اس پر غضبناک ہوگا اور اس پر لعنت کرے گا اور ایسے شخص کے لئے اس نے عذاب عظیم تیار کر رکھا ہے۔''

اب اس سلسلہ میں احادیث مبارکہ سے چند جواہر پارے پیش کئے جاتے ہیں:

☆ ایمان لانے کے بعد سب سے افضل عمل انسانوں سے محبت ہے۔

☆ تم جنت میں نہیں جا سکتے جب تک مومن نہ ہو اور تم مومن نہیں ہو سکتے جب تک باہمی محبت نہ کرو۔

☆ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان سلامتی میں ہوں۔

☆ اے کعبہ تو کتنا پاک ہے اور تیری فضا پاک ہے تو کتنا عظیم ہے اور تیری حرمت وعزت بھی عظیم ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے بے شک ایک مومن کی عزت وحرمت اللہ تعالیٰ کے نزدیک تیری عزت وحرمت سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ اس کا مال، اس کا خون اور اس کی آبرو۔ اللہ کے نزدیک تجھ سے زیادہ برگزیدہ ہے۔ (ابن ماجہ)

☆ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کوئی شخص اس وقت تک صاحب ایمان نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے وہ کچھ پسند نہ کرے جو اپنی ذات کے لئے پسند کرتا ہو۔

☆ وہ مومن نہیں جو خود پیٹ بھر لے اور اس کا ہمسایہ بھوکا ہو۔

☆ میرے بعد پھر کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں قلم کرنے لگو۔

برادران کرام! اوپر عقائد واخلاق کے بارے میں جو تعلیم بیان کی گئی ہے اس کے بغیر اللہ تعالیٰ کے قرب اور اسکی رضا کی منزل تک رسائی ناممکن ہے۔ سچے صوفی اور اللہ والے بزرگ اپنے مریدوں کو انہی کٹھن راہوں پر چلنے کے لئے مجاہدے کراتے ہیں۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی بنیاد قرآن وسنت کے انہیں اصولوں پر رکھی گئی ہے بلکہ ان کی پابندی شرائط بیعت میں شامل ہے۔

روحانی قوت اور اصلاحِ قلوب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

ایک خاص فکر جو کچھ عرصہ سے میرے ذہن پر چھائی اور میرے لئے سوہانِ روح بنی ہوئی ہے وہ یہ کہ بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے جس مقصد کیلئے تصوف کا یہ نیا سلسلہ قائم فرمایا وہ کماحقہ پورا نہیں ہو پایا۔ اس لئے بنیادی اہمیت کے اس معاملہ پر ہمیں زیادہ توجہ دینی چاہیے تاکہ ہم اپنی کوتاہیوں سے آگاہ ہو کر آئندہ کیلئے بہتر لائحہ عمل مرتب کرسکیں۔ بانی سلسلہؒ نے 1962ء میں چوتھے سالانہ اجتماع کے موقع پر اپنے خطبے کا آغاز ہی اس بات سے کیا کہ ''تمام جماعتیں جو کوئی بڑا کام کرنا چاہتی ہیں ایسے سالانہ اجتماعات ضرور منعقد کیا کرتی ہیں۔ لیکن فائدہ صرف اِنہی جماعتوں کو پہنچتا ہے جن کے ارکان ایسے اجتماعات میں منظور ہونے والی تجاویز پر جوش، اِستقلال اور خلوص سے عمل کرتے ہیں۔

اللہ والوں کی اِس غیر سیاسی جماعت کے سامنے کونسا عظیم کام ہے اِسے واضح کرنے کا سب سے بہتر طریقہ یہی سمجھ میں آتا ہے کہ بانی سلسلہؒ کے اپنے ارشادات ہی آپ کی خدمت میں پیش کر دیئے جائیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اُمید ہے کہ تعلیم کی اِس تکرار سے ہماری قوتِ فکر و عمل کو مہمیز ملے گی اور اللہ کی تائید و نصرت سے ہم فائز المرام ہو جائیں گے۔ عمل کی ترغیب دلانے کے لئے نیک باتیں بار بار دوہرانی پڑتی ہیں۔ ویسے بھی عربی کا ایک مشہور مقولہ ہے۔ ''**اَلتَّکْرَارُ یُفَقِّهُ الْحِمَارُ** '' یعنی تکرار سے گدھا بھی سمجھ جاتا ہے۔ تکرار سے سمجھ جانا بھی غنیمت ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الجمعہ میں ایک مثال بیان فرمائی کہ جن لوگوں پر تورات کی ذمہ داری ڈالی گئی لیکن اُنھوں نے اسے پورا نہ کیا اِن کی مثال اِس گدھے کی مانند ہے جو اپنی پیٹھ پر کتابیں اُٹھائے ہوئے ہے لیکن کتابوں کے اندر جو نورِ ہدایت ہے اس سے بیگانہ ہے۔ انقلابِ زمانہ ملاحظہ ہو کہ آج اِسی قوم یعنی بنی اسرائیل نے شیروں اور شاہینوں کی سی صفات والی خیر الامت کا ناطقہ بند کر رکھا ہے۔ اس پر ہمیں غور کرنا چاہیے کہ **مِنْ حَیْثُ الْقَوْم** اب ہماری حیثیت کیا ہے۔

ہمارے مرشدؒ ایک بیدار مغز اور حساس دل رکھنے والے مردِ کامل تھے۔ جوں جوں آپ کا علم

ومشاہدہ بڑھتا گیا دل و دماغ میں یہ احساس بھی شدت اختیار کرتا گیا کہ مسلمان جو کبھی اس زمین پر اللہ تعالٰی کے وارث اور نائب تھے آج اِس قدر پسماندہ اور ذلیل کیوں ہو گئے ہیں کہ دنیا کی ہر قوم ان کو حقارت کی نظر سے دیکھتی ہے۔اس سوال پر آپ نے برس ہابرس تدبر و تفکر کیا۔چنانچہ آپ نے 1972ء میں ملتان شہر میں ہونے والے اجتماع پر ارشاد فرمایا:۔

''میں نے آج سے پورے ساٹھ سال پہلے یہ بات محسوس کر لی تھی کہ ہماری قوم بڑی تیزی سے تباہی اور زوال کے غار کی طرف رواں دواں ہے۔اِسی زمانہ سے میں دنیا کی مختلف قوموں کے عروج و زوال کی داستانیں تاریخ میں پڑھتا رہا۔پھر مدتوں اِس بات پر غور کیا کہ قومیں کن وجوہات کی بناء پر بنتی اور بگڑتی ہیں۔اِس کے بعد مسلمانوں کی اصلاح و ترقی اور احیاء ثانیہ کیلئے جتنی جماعتیں وجود میں آئیں ان کی تنظیم، مساعی اور طریق کار کا مطالعہ بہ نظر غائر کیا اور ان کی ناکامی کے اسباب معلوم کرنے کی کوشش کی۔پورے تیس سال کی جدوجہد اور کدو کاوش کے بعد میں تو اِس نتیجہ پر پہنچا کہ ہم مسلمان خواہ وہ کسی بھی ملک کے ہوں مومن نہیں ہیں صرف مسلمان ہیں اور مسلمان بھی نام کے۔نوے فیصد مسلمان تو قرآن حکیم کی تعلیم ہی سے واقف نہیں اِس پر عمل کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ہم قرآن کریم کی بجائے رسوم پرستی کو اِسلام سمجھ رہے ہیں۔ہم نے فرائض کو بھلا دیا ہے اور فروعات کو فرائض سے بھی زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ہم نماز اوّل تو پڑھتے ہی نہیں اور اگر پڑھتے بھی ہیں تو یہ کبھی نہیں سوچتے کہ ہماری نمازوں سے ہمارے اخلاق کی کہاں تک اصلاح ہوئی ہے۔ہم نے کون کون سی برائیوں کو چھوڑا اور کون کونسی نیکیوں کو اختیار کیا ہے۔کیونکہ خدا نے تو نماز کی یہی تعریف کی ہے کہ نماز برائیوں اور ممنوعہ کاموں سے بچاتی اور نیک بناتی ہے۔اِس کے علاوہ ہم کبھی غور نہیں کرتے کہ ہماری نماز میں خشوع اور حضوری باری تعالٰی کہاں تک تھی اگر نماز سے یہ فوائد حاصل نہیں ہوتے تو وہ کیا خاک نماز ہے۔وہ تو ایک رسم ہے۔محض رسم جو پانچ وقت ادا کر لی جاتی ہے۔یہی حال دوسری عبادات کا ہے کہ محض رسماً ادا کر لی جاتی ہیں۔اس کے ساتھ ہی میں نے یہ دیکھا کہ علمائے کرام میں جو لوگ واقعی اور پرہیزگار ہیں اِن کی باتوں میں بھی کوئی اثر نہیں ہوتا۔پھر میرا خیال اِن صوفیاء کی طرف گیا جو بخارا، ایران اور عراق سے چل کر اکیلے یا دو چار مریدوں کے ساتھ بالکل بے سروسامان انڈونیشیا، چین اور

ترکستان یاہندوستان آئے اور کسی شہر میں مقیم ہوکر خاموشی سے تبلیغ اسلام کرنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے لاکھوں آدمیوں کو مسلمان بنالیا۔ مدتوں اِن کی زندگی اور ان کے اخلاق کا تجزیہ کرنے اور موجودہ سچے صوفیوں اور خود اپنی حالت پرغور کرنے کے بعد مجھ پر یہ راز کھلا کہ اِن بزرگوں کے پاس دو چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو ان کے پاس بیٹھنے والوں کے دلوں کو موہ لیتی ہیں اور ان کی ذات کا والہ وشیدا بنادیتی ہیں۔ اِن میں سے ایک تو ان کا اخلاق ہے اور دوسری وہ چیز جو اخلاق سے بھی کہیں زیادہ موثر اور طاقتور ہے وہ روحانی طاقت ہے جو حرارت یا سوز وگداز کی صورت میں ان کے دل میں پیدا ہوجاتی ہے۔ یہ دو چیزیں ایسی ہیں کہ وہ جس سے بات کرتے ہیں وہ نہایت غور سے ان کی بات سنتا اور جو کچھ کہتے ہیں اس پر بے چون وچرا عمل کرنے لگتا ہے۔ یہ بات معلوم ہو جانے کے بعد میں نے خود اس کے تجربے کئے تو سو فیصد درست پائے۔ اب میں نے حلقہ توحیدیہ کی بنیاد ڈالی اور غیر مسلموں کو مسلمان بنانے کی بجائے، خود مسلمانوں کے اخلاق کی اصلاح شروع کردی۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر اور احسان ہے کہ میری محنت رائیگاں نہیں گئی"۔

قبلہ حضرتؒ 1911ء میں نقشبندیہ سلسلہ میں اِس وقت بیعت ہوئے جب آپ میٹرک کے طالبعلم تھے۔ اِس راہ میں آپ نے خوب محنت کی اور چند برس بعد ہی آپ کو سندِ خلافت مل گئی۔ حضرت مولانا کریم احمدؒ کی وفات کے بعد اپ نے سلسلہ چشتیہ میں بیعت کی اور بعد میں ایک اویسی بزرگ حضرت رسالدار محمد حنیف خاں صاحبؒ سے بھی خصوصی فیض لیا۔ سلوک کی تمام منازل طے کرنے کے بعد آپ نے تصوف کا ایک نیا سلسلہ قائم فرمایا اور یہ کام ہر کسی کے بس کا نہیں ہوتا۔ اِس طرح کا کام اللہ تعالیٰ کی توفیق سے وہی بزرگ انجام دیتے ہیں جن کی نگاہِ بصیرت ایک ہزار برس تک ماضی اور مستقبل میں جھانک سکے۔ اس نئے سلسلے کے اغراض و مقاصد جاننے کیلئے یہ ضروری ہے کہ روحانیت کی اہمیت وافادیت کے بارے میں آپؒ کا نکتہ نظر معلوم کیا جائے۔ آپ نے اپنی مشہور کتاب "تعمیر ملت" میں تحریر فرمایا۔

"اِس میں شک نہیں کہ حکمت یا تصوف اشرف اور افضل ترین عمل ہے۔ اِس سے حقیقت الاشیاء معلوم ہوجاتی ہے۔ بڑے بڑے اسرار ظاہر ہوتے ہیں۔ عقل سلیم اور فراست کاملہ پیدا ہوتی ہے۔ رُوحیں نظر آنے لگتی ہیں۔ رسولِ اکرم ﷺ اور دوسرے انبیاء عظام کی زیارت میسر آتی

ہے۔ عالم مثال کی سیر اور انوار و تجلیات کا نظارہ ہوتا ہے۔ کشف و کرامات کی طاقت حاصل ہو جاتی ہے۔ مادہ پر تصرف حاصل ہو جاتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود حضرت احدیت کی معرفت اور حضوری سے انسان مشرف ہوتا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ سب کچھ مل جانے کے باوجود بھی اگر کوئی عارف اور بزرگ دین و دنیا میں اُمت محمد ﷺ کی اجتماعی ترقی اور کامیابی کے لئے کچھ نہ کرے تو وہ اپنی ذات کیلئے سب کچھ ہوتے ہوئے بھی ملت اسلامیہ کیلئے بیکار ہے۔ ملت کو آج ایسے بزرگوں کی ہرگز ضرورت نہیں جو تعویذ گنڈوں اور دم و درود سے کچھ مریضوں کو تندرست کر دیں یا چند غریب ان کی دعا سے امیر کبیر بن جائیں یا کچھ لوگ مقدمے جیت جائیں یا چند بے اولادوں کے ہاں اولاد ہو جائے یا کچھ کفار و مشرکین مسلمان ہو کر ملت کی تعداد میں بیکار لوگوں کا اضافہ کر دیں۔ آج کل تو ضرورت ایسے اولیاء کی ہے جو فاسق و فاجر مسلمانوں کو سچا اور سچے مسلمانوں کو پکا مومن اور موحد بنا سکیں۔ جو اپنی تعلیم و توجہ سے مسلمانوں میں ایسی فراست و بصیرت پیدا کر سکیں کہ وہ اپنے تمام تفرقے اور اختلافات مٹا کر ایک جان اور ایک قالب کی طرح مربوط و متحد ہو جائیں۔ حق و باطل میں تمیز کر سکیں۔ سستی اور کاہلی چھوڑ کر کام کرنا اور کام کرتے رہنا سیکھیں۔ اللہ تعالیٰ اور اِسکے رسول ﷺ کی سچی محبت کا جنون اِن کیلئے سرمایہ دانش ہو۔ وہ بقائے ملت کے لئے جان و مال قربان کرنا اپنی زندگی کا مقصد جانیں اور ہر طرف سے منہ موڑ کر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف کر لیں''۔

تبلیغِ دین اور اِصلاح

اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے انسان کو اپنی معرفت اور محبت سے بھرپور زندگی کیلئے پیدا فرمایا اور اِس حقیقت کو آشکارا کرنے کیلئے تمام قوموں کی طرف اپنے انبیاء کو بھیجا جنھوں نے انسانوں کو یہ سبق دیا کہ تمہارا محبوبِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ اِس لئے سب سے زیادہ محبت اِسی سے کرو۔ دنیا میں جو کچھ ہے وہ سب تمہاری خاطر ہی پیدا کیا گیا ہے۔ اِس میں تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی معرفت کی نشانیاں ہیں اور دُنیوی زندگی کیلئے فائدے بھی ہیں۔ تم مادی لذتوں کے حصول میں اِس قدر نہ کھو جاؤ کہ اللہ تعالیٰ ہی کو بھول جاؤ۔ اگر ایسا کرو گے تو دنیا میں بھی تمہارے لئے تنگی کا جینا ہوگا اور آخرت میں بھی خسارہ اُٹھانے والوں میں شامل ہو گے۔ تمام

نیکیوں اور خوبیوں کا منبع اللہ تعالیٰ کی محبت ہے اور اِس کے برعکس دنیا کی محبت ہر برائی اور فساد کی جڑ ہے۔ بنیادی طور پر یہ محبت ہی ہے جو ہماری سمت اور اعمال کی ترجیحات متعین کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسولوں علیہم الصلوۃ والسلام نے اپنے خالق و مالک اور محبوب و معبود کی محبت اور رضا والی زندگیوں کے نمونے انسانوں کی عملی راہنمائی کیلئے پیش کئے۔ اللہ تعالیٰ کے اِن منتخب بندوں کے وصال کے بعد اِن کے وارث کہلانے والے نیک لوگ اِن کی تعلیم کی روشنی کو آگے بڑھاتے اور اپنے ساتھیوں کو اللہ کی راہ کی طرف دعوت دیتے رہے۔ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اللہ تعالیٰ سے ملانے والا کام اتنا عظیم اور اعلیٰ ہے کہ اِس مقدس فریضہ کی انجام دہی کو اللہ تعالیٰ اور اُسکے رسولوں کی مدد قرار دیا گیا ہے۔ اِس ضمن میں قرآن کریم کے احکام ملاحظہ ہوں۔

یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا اَنْصَارَ اللّٰہِ کَمَا قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ لِلْحَوَارِیّٖنَ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ۔ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَۃٌ مِّنْ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ وَکَفَرَتْ طَّآئِفَۃٌ فَاَیَّدْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلٰی عَدُوِّھِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰھِرِیْنَo (الصّف۔14)

''اے مومنو! اللہ کے مددگار بن جاؤ جیسے عیسیٰ ابن مریم نے حواریوں سے کہا کہ کون ہیں جو اللہ کی طرف بلانے میں میرے مددگار ہوں۔ حواریوں نے کہا کہ ہم اللہ کے مددگار ہیں۔ تو بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ تو ایمان لے آیا اور ایک گروہ کافر رہا اور ہم نے ایمان لانے والوں کو ان کے دشمنوں کے مقابلے میں مدد دی اور وہ غالب ہو گئے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْo (محمد۔7)

''اے اہل ایمان! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمہاری مدد کریگا اور تم کو ثابت قدم رکھے گا''۔

وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ۔ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ۔ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِo (الحج۔40 تا 41)

''اور جو اللہ کی مدد کرتا ہے اللہ اِس کی ضرور مدد کرتا ہے۔ بے شک اللہ زور آور اور زبردست

ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں دسترس دیں تو وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور نیک کام کرنے کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے"۔

اِن آیات مبارکہ پر غور فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کا دِلوں میں نفوذ اور اسے دنیا میں نافذ کرنے کے عظیم کام کو اللہ تعالیٰ کی مدد قرار دیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد کو اس کام سے مشروط اور اسے سرانجام دینے والوں کے ساتھ مخصوص کر رکھا ہے اور آخری آیت میں اِن لوگوں کا کردار بھی بیان کیا گیا ہے کہ انہیں جب زمین میں قوت نافذہ حاصل ہو تو وہ صلوٰۃ و زکوٰۃ کا نظام نافذ کرتے ہیں اور اِنسانوں کی فلاح و ترقی میں معاون امور کو رائج کرتے اور مضرت رساں کاموں کو قوت بازو سے ختم کر دیتے ہیں۔ سب سے پہلے آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ حواریوں کو تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعوت دی کہ کون اِس راہ میں میرا اور میرے اللہ کا مددگار بنتا ہے لیکن اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ نے خود حکم فرمایا ہے کہ تم سب انصار اللہ بن کر میرے حبیب ﷺ کی رحمت کے سفیر بن جاؤ اور رحمت و محبت والے دین کے مجسم نمونے بن کر اِس دعوت کو پوری دُنیا میں پھیلا دو۔ بقول علامہ اقبالؒ

فطرتِ مُسلم سراپا شفقت است
خلق را دست و زبانش رحمت است

یہ دعوت کسی ایسے فلسفہ حیات کی طرف نہیں ہے جو کسی انسان کی عقل نے تراشا ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف ہے جو ازلی و ابدی اور کبھی نہ بدلنے والے حقائق پر استوار ہے۔ دین اسلام بنیادی طور پر اپنے خالق و مالک اللہ تعالیٰ کو اپنا رب اور موت کے بعد آخرت کی زندگی کو تسلیم کر لینے کی فطری دعوت ہے۔ یہ دنیا میں پر اطمینان زندگی اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور جنت میں داخل ہونے کی ضمانت ہے۔ یہ رنگ و نسل اور زبان و قومیت میں بٹی ہوئی دنیا کے لئے وحدتِ الوہیت اور وحدت انسانیت کے تحت ایک عالمگیر معاشرہ میں شمولیت کی خوشخبری ہے۔ یہ فانی دنیا کی عارضی لذات اور نفس کی سفلی خواہشات میں اپنی صلاحیتیں ضائع کر دینے والوں کو اللہ تعالیٰ کے عرفان اور قرب و دیدار کی نعمت کے حصول کی ترغیب ہے۔ یہ زر پرستی، ذخیرہ اندوزی، انسان دشمنی اور ہوا و ہوس کی دلدلوں میں پھنسی ہوئی انسانیت کو اکرام انسانیت، فلاح

آدمیت اور عالمگیر محبت کی پُرنُور فضاؤں میں آ جانے کیلئے پکار ہے۔ یہ انسانی روحوں کو اپنے رحمٰن و رحیم آقا اور غفور وودود مولا کی بیکراں محبت سے آشنا کر کے اطمینان قلب کی انمول دولت کے حصول کی طرف راہنمائی کا اعلان ہے۔ یہ اللہ کے در سے دور بھاگے ہوئے بندوں کو دوبارہ اس سے ملانے کی ربانی تحریک ہے اِس دعوت پر لبیک کہنے کا آغاز جہاں زبانی اقرار سے ہوتا ہے وہاں دل کی تصدیق بھی لازمی ہوتی ہے۔ ورنہ یہ ایمان کی بجائے نفاق کہلاتا ہے اِس لئے اِس راہ میں جور و جبر اور زبردستی کا قطعاً کوئی دخل نہیں ہے۔ یہ تو انسانیت کیلئے خصوصی محبت کے تحت، نہایت دلسوزی کے ساتھ مسجودِ ملائکہ اور اشرف المخلوقات انسان کو جہنم کی آگ سے بچا کر اللہ تعالیٰ کی رحمت میں داخل کرنے کی ایک عالمگیر تحریک ہے جس کے سپہ سالار اور علمبردار حضور سید المرسلین، خاتم النبیین، رحمۃ اللعالمین حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ ہیں۔ اب جس کا جی چاہے وہ اس حزب اللہ میں آن ملے اور جس کا جی چاہے وہ من مرضی پر چلے اور حزب الشیطن میں شامل ہو جائے اور سب کو اپنے رب کے سامنے پیش ہونا ہے۔ وہ لوگ لائق صد مبارک اور قابل تحسین ہیں جو اللہ تعالیٰ کی محبت اور اِسکی مخلوق کے پیار کی دولت بانٹنے کا عظیم فریضہ بہار و خزاں کے موسموں اور لوگوں کی تعریف و تنقید سے بے نیاز محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور حضور اکرم ﷺ کی خوشنودی کی خاطر ہر دور میں سرانجام دیتے رہے ہیں اور دیتے چلے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ (حٰمٓ السجدۃ۔33)

''اور اس شخص سے بات کا اچھا کون ہوسکتا ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور عمل نیک کرے اور کہے کہ میں مسلمان ہوں''۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے ایک باعمل مسلمان کی دعوت اِلیٰ اللہ کے ضمن میں کی جانے والی بات کی توصیف فرمائی ہے کہ اِس سے اچھی اور احسن بات بھلا اور کیا ہو سکتی ہے۔ یہ تو فرد کا معاملہ ہوا۔ اور جب کوئی جماعت اجتماعی طور پر اِس مبارک کام میں لگ جاتی ہے تو اِس کیلئے فرمان ہوتا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ o (آلِ عمران۔110)

"تم بہترین اُمت ہو جو لوگوں کیلئے نکالے گئے ہو تم لوگ نیک کام کرنے کا حکم کرتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو"۔

یہاں اُمتِ مسلمہ کو خیر الامت کے خصوصی اعزاز سے نوازا گیا اور اِس شرف کی علت بھی بیان فرما دی کہ تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے رہو گے جو کہ بنیادی طور پر انبیاء کا کام ہے۔ حضور ﷺ کی تشریف آوری کے بعد تم اِس عالی منصب پر مامور کر دئے گئے ہو اور یہی تمہارا مقصودِ حیات ہے اور اس میں تساہل و تغافل تمہارے لئے اقوام عالم کی قیادت سے معزولی اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہو گا۔

جیسا کہ علامہ اقبالؒ نے فرمایا۔

مرگ فرد از خشکی رُود حیات
مرگ قوم از ترکِ مقصود حیات

اِس لئے تبلیغ و اصلاح کا کام انفرادی اور اجتماعی طور پر ہر سطح پر ہوتے رہنا ضروری ہے۔ اور اِس اِنتظار میں بھی نہیں رہنا چاہیے کہ جب خود کامل ہو جائیں گے تو پھر کسی دوسرے کی اصلاح کیلئے کہہ سکیں گے۔ یہ نفس کا صریح دھوکہ ہے۔ اِس طرح شیطان ہمیں اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے واضح حکم کی نافرمانی کی طرف لے جاتا ہے۔ اِس امر کی تائید اِس حدیث شریف سے ہوتی ہے۔

"حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم بھلائیوں کا حکم نہ کریں جب تک خود تمام پر عمل نہ کریں اور برائیوں سے منع نہ کریں جب تک خود تمام برائیوں سے نہ بچیں۔ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ نہیں بلکہ تم بھلی باتوں کا حکم کرو اگرچہ تم خود اِن سب کے پابند نہ ہو اور برائیوں سے منع کرو اگرچہ تم خود ان سے نہ بچ رہے ہو"۔ (رواہ طبرانی)

دعوت الی اللہ کا کام شروع کرنے کی ایک تاریخی مثال سلسلہ عالیہ توحیدیہ نقشبندیہ کے سرخیل سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہے۔ یہ بات آپ کی امتیازی خصوصیات میں سے ہے کہ جونہی انہیں پتہ چلا کہ اسلام حق ہے تو وہ سب سے پہلے اِس پر ایمان لائے جو اِن کے قلب و روح میں سرایت کر گیا۔ پھر انہوں نے اپنے قریبی دوستوں کو اللہ تعالیٰ اور اُسکے رسولؐ پر ایمان کی دعوت دینا شروع کر دی۔ ابن اسحاق کی روایت کے مطابق آپ سے متاثر ہو کر جو لوگ مسلمان ہوئے وہ۔ ۱۔ حضرت عثمان بن عفانؓ، ۲۔ زبیر بن عوامؓ، ۳۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ، ۴۔

سعد بن ابی وقاصؓ اور، ۵۔ طلحہؓ بن عبیداللہ تھے۔ سب سے پہلے اسلام میں داخل ہونے والے تین افراد ابوبکر صدیقؓ، حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ تھے اور ان کے بعد ان پانچ افراد نے اسلام لانے میں پہل کی اور انہیں عشرہ مبشرہ میں شمولیت کا شرف بھی حاصل ہے۔ دعوت الی اللہ کی اہمیت کے بارے میں بانی سلسلہؒ کا ارشاد ہے۔

''اب سوال یہ ہے کہ جب انسان کامل بن جاتا ہے تو پھر اس کا کام کیا ہوتا ہے۔ اس کا کام بھی یہی ہوتا ہے کہ لوگوں کی اصلاح کرے۔ اِن کو اللہ کا سیدھا راستہ بتائے، اخلاق سکھائے، لوگوں سے برائیاں اور گناہوں کی عادت چھڑائے اور اِنہیں نیک بنائے۔ اور اگر کوئی اس سے زیادہ چاہتا ہے تو اس کو تصوف سکھائے اور اپنی طرح سے بزرگ بنائے''۔ (چراغ راہ۔38)

قبلہ حضرتؒ کے اِس فرمان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اصلاح کا بنیادی کام صوم وصلوٰۃ اور اخلاق کا پابند بنانا ہے۔ اللہ اللہ اور ذکر کی تعلیم اسے دی جائے جسے اِس راہ کی طلب ہو اور یہ ہر ایک کو نہیں ہوتی۔

تبلیغ واصلاح کے کام کی اہمیت کافی حد تک واضح کر دی گئی ہے کہ یہ کام اُمت مسلمہ پر دائمی فریضہ ہے۔ اِس کام کے رُک جانے کی صورت میں کیا نتائج برآمد ہونگے اِس کے بارے میں حضور نبی کریم ﷺ نے اُمت کو یہ خصوصی اِنتباہ فرمایا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو میں نے چہرہ انور پر ایک خاص اثر دیکھ کر محسوس کیا کہ کوئی اہم بات پیش آئی ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے کسی سے کوئی بات نہیں کی اور وضو فرما کر مسجد میں تشریف لے گئے۔ میں مسجد کی دیوار سے لگ گئی تا کہ کوئی ارشاد ہو تو اِس کو سنوں۔ حضور اقدس ﷺ منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور حمد وثناء کے بعد فرمایا۔ ''لوگو! اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ بھلی باتوں کا حکم کرو اور بری باتوں سے منع کرو مبادا وہ وقت آ جائے کہ تم دعا مانگو اور میں اِس کو قبول نہ کروں اور تم مجھ سے سوال کرو اور میں اِسکو پورا نہ کروں اور تم مجھ سے مدد چاہو اور میں تمہاری مدد نہ کروں''۔ حضور اقدس ﷺ نے صرف یہ کلمات ارشاد فرمائے اور منبر سے اُتر گئے۔ (رواہ ابن ماجہ وابن حبان)

اس حدیث مبارکہ کے الفاظ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ دینے کی انجام سے اُمت کو بخوبی آگاہ کر دیا۔ اب اس کام کی اہمیت اور ضرورت کو امام غزالیؒ نے جس طرح بیان

فرمایا وہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔اِس میں کچھ شک نہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دین کا ایسا زبردست رُکن ہے جس سے دین کی تمام چیزیں وابستہ ہیں۔اِس کو انجام دینے کیلئے حق تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا۔اگر خدانخواستہ اس کو بالائے طاق رکھ دیا جائے اور اس کے علم وعمل کو ترک کر دیا جائے تو العیاذ باللہ نبوت کا بیکار ہونا لازم آئے گا۔دیانت جو شرافت انسانی کا خاصہ ہے مضمحل اور افسردہ ہو جائے گی۔کاہلی اور سستی عام ہو جائے گی۔

گمراہی اور ضلالت کی راہیں کھل جائیں گی۔جہالت عالمگیر ہو جائے گی۔تمام کاموں میں خرابی آ جائے گی۔آپس میں پھوٹ پڑ جائے گی۔آبادیاں خراب ہو جائیں گی۔مخلوق تباہ و برباد ہو جائے گی اور اِس تباہی اور بربادی کی اِس وقت خبر ہوگی جب روزِ محشر خدائے بالا و برتر کے سامنے پیشی اور بازپرس ہوگی۔

افسوس صد افسوس! جو خطرہ تھا وہ سامنے آ گیا۔جو کھٹکا تھا آنکھوں نے دیکھ لیا۔

كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَقْدُوْرًا فَاِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

اِس سرسبز ستون کے علم وعمل کے نشانات مٹ گئے۔اِس کی حقیقت و رسوم کی برکتیں نیست و نابود ہو گئیں۔لوگوں کی تحقیر و تذلیل کا سکہ قلوب پر جم گیا۔خدائے پاک کے ساتھ قلبی تعلق مٹ چکا اور نفسانی خواہشات کے اتباع میں جانوروں کی طرح بے باک ہو گئے۔روئے زمین پر ایسے صادق مومن کا ملنا دشوار و کمیاب ہی نہیں بلکہ معدوم ہو گیا جو اظہارِ حق کی وجہ سے کسی کی ملامت گوارا کرے۔اگر کوئی مردِ مومن اِس تباہی اور بربادی کے ازالہ میں سعی کرے اور سنت کے احیاء میں کوشش کرے اور اِس مبارک بوجھ کو لے کر کھڑا ہو اور آستینیں چڑھا کر اِس سنت کو زندہ کرنے کیلئے میدان میں آئے تو یقیناً وہ شخص تمام مخلوق میں ایک ممتاز اور نمایاں ہستی کا مالک ہے''۔

(تبلیغی نصاب۔823)

فیضِ صحبت اور رُوحانی توجہ

بانی سلسلہؒ نے ارشاد فرمایا کہ ''سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب علماء اور صوفیاء دونوں ہی کا کام اصلاح اور اخلاق کی درستی ہے تو عالم بن جانا ہی کافی ہے۔اِس قدر ریاپڑ بیلنے اور ریاضت و مجاہدہ کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ علماء صاحب قال ہوتے ہیں اور صوفی صاحب حال۔علماء کے کہنے کا دل پر کوئی اثر نہیں ہوتا لیکن اگر صوفی واقعی کامل ہو تو اِسکے کہنے کا اثر بہت

جلدی ہوتا ہے۔علاوہ ازیں صوفی کے دل میں ایک طاقت ہوتی ہے وہ اِس طاقت کو جس کے دل میں ڈال کر قوت ارادی سے کام لیتا ہے اِس کی کیفیات کو رفتہ رفتہ بدل سکتا ہے اور اِس کے دل میں جو زنگ ہوتا ہے اِس کو آہستہ آہستہ دور کر دیتا ہے۔اس طرح انسان رفتہ رفتہ بد سے نیک اور شقی سے سعید بن جاتا ہے۔اب اِس سے اچھا کام اور کیا ہو سکتا ہے کہ معاشرے کو برے آدمیوں اور برائیوں سے پاک کر کے اس میں نیک آدمیوں اور نیک کاموں کا اضافہ کیا جائے۔انبیاء کا کام بھی یہی تھا اور جو بزرگ یہ کام کرتے ہیں صحیح معنوں میں وہی انبیاء کے وارث اور نائب کہلانے کے مستحق ہیں"۔ (چراغ راہ صفحہ 38)

اِسی سوال کا جواب الفاظ کی تھوڑی تبدیلی کے ساتھ آپ نے اپنے دوسرے خطبے میں اِس طرح دیا ہے۔

"اب آپ شاید یہ سوال کریں کہ اصلاح تو ہمارے علمائے ظاہر بلکہ دنیاوی لیڈر اور ریفارمر بھی کر سکتے ہیں اِس کیلئے روحانیت اور اہل روحانیت ہی کی کیا ضرورت ہے؟ تو میں کہوں گا کہ معاف فرمایئے آپ کا یہ سوال روحانیت سے ناواقفیت کی وجہ سے ہے ایک تار جس میں بجلی نہ ہو ہرگز وہ کام نہیں کر سکتا جو بجلی سے بھرا ہوا ایک "لونگ وائر" کر سکتا ہے۔جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں یہ اگر ممکن ہوتا تو آج دنیائے اسلام کو اصلاح کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔سنیئے میں نے ابھی (Living Wire) "لونگ وائر" کا لفظ اِستعمال کیا ہے۔جس تار میں بجلی دوڑ رہی ہو اس کو لونگ وائر کہتے ہیں۔اس کے لفظی معنی ہیں "زندہ تار"۔اہل روحانیت بھی ایک زندہ تار کی طرح ہوتے ہیں۔اُن کی رگ رگ میں ایک ایسی برقی قوت اور مقناطیسی کشش ہوتی ہے کہ آدمی خواہ مخواہ ان سے محبت کرنے لگتے ہیں اور جو کچھ وہ کہتے ہیں ان پر عمل کرنا اپنی سعادت سمجھتے ہیں اور بہت جلد نیک اور اچھے شہری بن جاتے ہیں۔دوسرے یہ کہ اِن بزرگوں میں یہ طاقت بھی ہوتی ہے کہ جو آدمی کہنا نہ مانے یا کوئی بری عادی نہ چھوڑے اِس پر متواتر توجہ کر کے وہ عادت چھڑا دیتے ہیں"۔ (چراغ راہ صفحہ نمبر 75)

اِس کے علاوہ حضرتؒ نے روحانی قوت کے کرشمے اور دوسرے مذاہب پر اسلامی تصوف کی فضیلت بیان کرتے ہوئے اپنے آخری خطبہ کے اختتام پر فرمایا۔

"الغرض روحانی طاقت سے کیا کچھ نہیں ہو سکتا۔مگر سب سے عظیم کام جو اِس طاقت سے لیا

جا سکتا ہے وہ ایک بگڑے ہوئے معاشرے اور بد کردار انسان کی اصلاح ہے کہ ایک شرابی، زانی، چور، ڈاکو اور غنڈے کے سب عیب چھڑا کر اس کو پکا مومن اور ایک اچھا شہری بنا دیا جائے"۔
(چراغ راہ صفحہ 243)

برادران کرام! فیضان صحبت کے ذریعے قلوب کی اصلاح کا سب سے بڑا ثبوت حضور نبی کریم ﷺ کے اصحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا وہ خصوصی مقام ہے جو کسی بھی غیر اصحابی کو حاصل نہیں ہو سکتا چاہے وہ فرائض و نوافل میں کیسا ہی کمال کیوں نہ حاصل کر لے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ اصحابہؓ کی وجہ فضیلت کثرتِ اعمال کی وجہ سے نہیں بلکہ انوارِ نبوت کے فیضان کی سعادت سے ہے۔

اُس بابرکت دور میں جس کسی نے بھی بحالت ایمان حضور پرنور ﷺ کا ایک مرتبہ بھی دیدار کر لیا اِسے صحابیت کا شرف نصیب ہو گیا۔ حضور رحمۃ اللعالمین ﷺ کی ایک مجلس کے فیضان سے نورِ ایمان اس طرح دلوں میں رچ بس جاتا تھا کہ یہ سعادت کسی دوسرے طریقے سے حاصل کرنا ممکن ہی نہیں۔ روحانی انوار کی دولت بعد میں صحابہ کرام، تابعین اور پھر تبع تابعین کے توسل سے سینوں کو روشن کرتی رہی۔ اِن کے بعد یہ کام جن بزرگوں نے سنبھالا اُنہیں صوفیائے عظام کا نام دیا گیا۔ اِس سراپا اخلاص گروہ نے زاویوں اور خانقاہوں میں بیٹھ کر دلوں کو جگانے، جگمگانے اور دِین رحمت کو پھیلانے کے وہ کارنامے سرانجام دیے جو ہماری تاریخ کا روشن باب بن گئے۔

یہ حقیقت ہمارے پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ قرونِ اُولیٰ میں صحابہ کرامؓ کی جس مقدس جماعت نے اخلاق و کردار کی روشن مثالیں قائم کیں اور اسلام کے نور کو چار دانگ عالم میں پھیلایا اُنہوں نے کسی روایتی مکتب سے تعلیم حاصل نہیں کی تھی۔ اِن کے درسگاہ حضور معلم و محسن انسانیت کی مجلس مبارک تھی اور وہ لوگ قرآن کریم کے سوا کسی دوسری کتاب سے آشنا نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اور رسول اللہ ﷺ کا اتباع ہی انکا مکمل نصاب تھا۔ اِن کی تمام تر اہلیت اور فضیلت حضور اقدسؐ کی انقلاب آفریں صحبت اور کیمیا اثر نظر کی مرہون منت تھی جن کو بھیج کر اللہ تعالیٰ نے مومنین پر احسان عظیم فرمایا۔

اِس باب کے آخر میں حضرت امام مالکؒ کا ایک مشہور قول بھی نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ "جس طریقہ سے اول دور میں اِس اُمت کی اصلاح ہوئی تھی اِس کے بعد

آخری دور میں بھی اِسی طریقہ سے ہوگی' میرے معزز قارئین کرام اگر آپ اس قول کی روشنی میں سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی قرآن وسنت کے مطابق نہایت مختصر، سیدھی سادی، فرقہ بندی سے پاک تعلیم کا جائزہ لیں تو اِسی نتیجہ پر پہنچیں گے کہ یہ سلسلہ روحانی فیض اور قلبی توجہ کے طریقہ اصلاح کو رواج دینے کیلئے ہی بنایا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے توحیدی بھائی اِسی کو بروئے کار لا کر چراغ سے چراغ روشن کرتے چلے جا رہے ہیں اور اصلاح کے کام میں پیش رفت ہو رہی ہے۔

صحبت شاں خاک را اِکسیر کرد　　لطف شاں بر ہر دلے تاثیر کرد (رومیؒ)
صحبت از علم کتابی خوشتر است　　صحبت مردانِ حُر آدم گر است (اقبالؒ)

رُوحانی قوت کا حصول

1۔ ذکر کی اہمیت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں اصلاح کے کام کی بنیاد روحانی قوت پر رکھی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اِس کے حصول کو اولین ترجیح دی گئی ہے اور اس کیلئے ہر بھائی کو پاس انفاس کے طریقہ پر کثرتِ ذکر کی تلقین کی جاتی ہے۔ یعنی ہر سانس سے جو باہر نکلے یا اندر آئے لفظ ''اللہ'' دل میں کہا جائے۔ آواز نکالے بغیر مگر بے خیالی اور بے پروائی سے نہیں بلکہ جب بھی دِل اللہ کہے تو محبت کے ساتھ اللہ کا خیال بھی آئے کہ میرے اندر، باہر، فضا میں اور کائنات کے ہر ذرہ میں وہ موجود ہے اگرچہ نظر نہیں آتا۔ اور یہ خواہش پیدا کرو کہ وہ نظر آ جائے۔ اِس کے ساتھ ہی روزانہ **لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه** کا ذکر نفی اثبات کے طریقہ پر رات کی نمازوں میں سے کسی ایک کے بعد کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ اِس کے علاوہ ہر روز ایک ہزار مرتبہ درود شریف کا ورد بھی بتایا جاتا ہے۔ اِس تعلیم پر باقاعدہ اور دل جمعی کے ساتھ عمل کیا جائے تو اِس سے حسب ذیل فوائد اور اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

(ا) پہلا فائدہ جو سالک کو پہنچتا ہے وہ اطمینان قلب کا حصول ہے۔ یہ دولت بے قیاس تھوڑے ہی عرصہ میں حاصل ہو جاتی ہے۔

(ب) دوسرا فائدہ یہ کہ اِسی ذکر سے وہ برقی حرارت قلب میں پیدا ہوتی ہے جس کو روحانی

طاقت کہا جاتا ہے اور اِس حرارت سے وہ سرخوشی اور کیف وسرور سالک کو حاصل ہوتا ہے جو دُنیوی حرام شراب پینے والوں کے وہم وگمان میں بھی نہیں آ سکتا۔

(ج) تیسرا فائدہ یہ کہ ذکر کے سرور میں سالک اپنی منزل مقصود کا راستہ سالوں کی بجائے مہینوں میں طے کرتا چلا جاتا ہے اور تھکتا نہیں۔

(د) چوتھا اور سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہے کہ اسی ذکر کے ذریعہ سے انسان کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔ اور جوں جوں اِس ذکر کی پختگی پیدا ہوتی ہے یہ تعلق گہرا اور قوی سے قوی تر ہوتا چلا جاتا ہے۔

2۔توکل علی اللہ

یہ بات ہر بھائی کو یاد رکھنی چاہیے کہ ذکر کا حسب دلخواہ فائدہ اِسی وقت ہوسکتا ہے جب آپ دنیا کے تمام تفکرات و آلام کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کے بےفکر ہو جائیں کہ جو کچھ اس کو کرنا ہے وہی ہوگا۔ وہ جو کچھ کرتا ہے اچھا ہی ہوتا ہے اور اسی میں ہمارا فائدہ ہے۔ ہماری گذشتہ زندگی میں بھی وہی ہوا جو اللہ نے چاہا۔ اور آئندہ بھی جو وہ چاہے گا وہی ہوگا۔ ہم تقدیر کو عمل سے مانتے ہوئے اپنی پوری کوشش کرتے رہیں گے لیکن نتائج کیلئے پریشان ہرگز نہیں ہونگے۔ اللہ تعالیٰ نے جو انگنت نعمتیں ہمیں دے رکھی ہیں اِنکے لئے ہمیشہ اِس کا شکر ادا کرتے رہنا چاہیے اور کبھی بھی اپنے خالق و مالک کا گلہ اور زمانے کا شکوہ نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی کبھی تقدیر کا رونا رونا چاہیے۔ ہر وقت خوش رہا کرو اور اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ نیک گمان رکھو اور اس کی تائید ونصرت کا یقین رکھو اور اسکی ذات پر توکل رکھو کہ توکل پر ہی اعلیٰ روحانی درجات کا انحصار ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:۔

وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْا اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ o (المائدہ۔23)

''اور اللہ پر بھروسہ رکھو اگر تم مومن ہو''۔

اللہ تعالیٰ پر توکل کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ اِس بات کا دِل سے یقین کرے کہ سارا حکم اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ اللہ تعالیٰ جو چاہے وہی ہوگا اور جو نہ چاہے وہ نہیں ہوگا۔ وہی نفع ونقصان کا مالک ہے۔ وہی عطا کرنے والا اور روکنے والا ہے۔ ساری حرکت اور طاقت اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہے۔ توکل علی

اللہ ہی سے انسان کو غم سے آزادی اور دائمی مسرت نصیب ہوتی ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت ابن عباسؓ کو فرمایا "اے لڑکے! میں تجھے چند کلمات سکھاتا ہوں۔ یہ کہ اللہ کو یاد رکھو وہ تمہاری حفاظت کرے گا۔ اللہ کو یاد رکھو تم اِسے اپنے سامنے پاؤ گے۔ جب تم مانگو تو اللہ ہی سے مانگو اور جب تم مدد طلب کرو تو اللہ ہی سے مدد طلب کرو۔ اور یہ یقین جانو کہ اگر پوری دنیا والے تمہیں نفع پہنچانے کیلئے جمع ہو جائیں تو تمہیں اتنا ہی نفع پہنچا سکیں گے جتنا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ رکھا ہے۔ اور اگر ساری دنیا والے تمہیں نقصان دینے پر تُل جائیں تو اتنا ہی نقصان پہنچا سکیں گے جتنا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ رکھا ہے۔ قلم اُٹھا لئے گئے ہیں اور صحیفے خشک ہو گئے ہیں"۔ (مسند احمد)

3۔ قطع ماسواء اللہ اور تسلیم و رضا

اُوپر دی گئی حدیث مبارکہ کے مطابق مطلوبہ کردار پیدا کرنے کیلئے آپ کو رجائیت، قطع ماسواء اللہ اور تسلیم و رضا کا مجاہدہ کرایا جاتا ہے۔ قطع ماسواء اللہ کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں رہتے اور دنیا کے تمام کرتے ہوئے دنیا اور اس کی کسی چیز سے دِل نہ لگاؤ اور اللہ سے کسی وقت اور کسی حال میں غافل نہ رہو۔ بُرے بھلے، موافق اور مخالف جو کچھ بھی حالات پیش آئیں سب کو اللہ کی طرف سے سمجھو اور سب پر خوش رہنا سیکھو اور ہر حال میں اللہ سے محبت بڑھاتے چلے جاؤ۔ قبلہ حضرتؒ نے رجائیت کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ سب کو رجائی (optimist) بننا چاہیے۔ یعنی ہر حالت میں خوش اور پر امید رہنا چاہیے۔ بے حوصلگی اور مایوسی کو قریب بھی نہیں آنے دینا چاہیے۔ ہر انسان کے قلب سے ٹرانسمیٹر کی طرح لہریں نکل کر فضا میں منتشر ہوتی رہتی ہیں۔ جس آدمی کا قلب نیکی، پارسائی اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کی وجہ سے طاقتور ہوتا ہے۔ جو قرآن کریم کے حکم کے مطابق ہمیشہ خوش رہتا ہے۔ نہ کسی سے ڈرتا اور نہ ہی خوف کھاتا ہے۔ جو بڑے سے بڑے صدمے کا اپنے قلب پر اثر نہیں ہونے دیتا اور جو کبھی رنجیدہ اور مایوس نہیں ہوتا مختصراً یہ کہ جو رجائی ہوتا ہے اس کی یہ لہریں نہایت طاقتور اور تیز رفتار ہوتی ہیں۔ ایسا آدمی جو اپنے دل میں کسی دوسرے شخص کے متعلق خیال کرے کہ وہ فلاں فلاں کام کرے اور فلاں فلاں باتیں چھوڑ دے تو اس کا خیال لہروں کے

ذریعےفوراً مرسل الیہ کے دماغ تک پہنچتا ہے اور اُس کے خیالات کو بدل دیتا ہے۔ اور وہی کچھ کرنا لگتا ہے جو لہریں بھیجنے والا چاہتا ہے۔ اِسی طاقت کو توجہ کہا جاتا ہے۔ جو لوگ قنوطی (PESSIMIST) ہوتے ہیں اِن کے قلب ہر وقت رنج والم اور رحمت خدا سے مایوسی کے سبب نہایت کمزور ہوتے ہیں۔ اِس لئے ان کی لہریں بھی کمزور ہوتی ہیں اور کسی کے دماغ پر اثر نہیں کر سکتیں۔ ان کو نہ کوئی عزیز رکھتا ہے اور نہ اِن کا کہنا مانتا ہے۔ وہ ہمیشہ پریشان اور ناکام و نامراد رہتے ہیں۔ اب آپ کی مرضی ہے کہ رجائی بن کر خوشی، خوشحالی اور کامیابی کی زندگی بسر کریں یا قنوطی بن کر ناکام و نامراد رہیں۔ ہمیشہ خوش رہنے میں جو مشکلات ہماری راہ میں حائل ہوتی ہیں ان پر قابو پانے کیلئے مرشد کاملؒ نے جو نسخے تجویز فرمائے وہ بھی ملاحظہ فرمائیں اور ان سے فائدہ اُٹھائیں۔

موجودہ دور کی سب سے بڑی رکاوٹ ہوسِ زر ہے یعنی مال و دولت کی حد سے زیادہ بڑھی ہوئی طلب ہے۔ مال کی جستجو میں انسان اِس طرح اُلجھ چکا ہے کہ اِسے مآل یاد ہی نہیں رہا۔ حضور نبی کریم ﷺ کا بھی فرمان ہے کہ ہر اُمت کیلئے ایک فتنہ تھا اور میری اُمت کیلئے فتنہ مال ہوگا۔ یہ ایسا فتنہ ہے جس کی خاطر بڑے بڑے پارسا دین و ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا۔

عصر حاضر ہے ملک الموت ترا جس نے
قبض کی روح تری دے کے تجھے فکر معاش
اِس جنوں سے تجھے تعلیم نے بیگانہ کیا
جو خرد کو کہتا تھا کہ بہانے نہ تراش

میں یہ بات اکثر بھائیوں سے دہراتا ہوں کہ اللہ تعالٰی نے ہمیں روٹی کھانے کیلئے دی تھی لیکن افسوس کہ روٹی ہمیں کھا گئی۔ اِس کی ہوس نے ہمارے دل مردہ کر دیئے اور روحیں گھائل ہو چکی ہیں۔ ہر آدمی مادی آسائشوں کا غلام بن کر رہ گیا ہے اور دولت کی دیوی کی پرستش اپنے عروج پر ہے۔ قبلہ حضرتؒ کا فرمان ہے کہ عسرت و غربت کی رکاوٹ کا علاج قناعت ہے۔ قناعت کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ اللہ نے تم کو دے رکھا ہے اِس پر تمہارا دل خوش رہے۔ بظاہر یہ بات بالکل ناممکن نظر آتی ہے کہ غربت و نکبت میں بھی انسان ایسا ہی رہے جیسے دولت و ثروت میں رہتا ہے لیکن فکر صحیح اور مشاہدہ وسیع سے ثابت ہو چکا ہے کہ یہ بات ناممکن تو کیا کچھ زیادہ

دشوار بھی نہیں ہے۔ کسی دانشور کا قول ہے کہ خوشی تو ذہن کی ایک کیفیت کا نام ہے جسکا مادی اسباب اور ماحول پر انحصار نہیں ہوتا۔ پھر قرآن کریم میں یہ بھی آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو نپا تلا رزق دیا ہے اور کسی کو بے حساب عطا فرمایا ہے۔ <u>اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس کسی کے پاس جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ہے۔ تو اے سالکان راہ خدا تم خدا کی مرضی پر خوش کیوں نہیں رہتے اور اس کی مرضی کو اپنی مرضی کے تابع کیوں کرنا چاہتے ہو۔</u>

عسرت و غربت سے بد دل ہو جانے والوں کیلئے ایک تیر بہدف نسخہ حضور رحمت عالم ﷺ نے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ "جب تم کو اپنی غربت اور زبوں حالی کی شکایت ہو تو اپنے سے کمتر لوگوں پر نظر کرو" اب آپ کی مرضی ہے کہ آپ مفلوک الحال اور محتاج لوگوں کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائیں اور اطمینان کی زندگی بسر کریں یا ہمیشہ اوپر والوں کو دیکھ کر جلتے کڑھتے رہیں اور اپنی زندگی کو جہنم بنائے رکھیں۔ حضرت عثمانؓ کا فرمان ہے کہ اللہ کی تقدیر پر راضی رہنا دُنیا کی جنت ہے اور جس مسلمان نے طمع چھوڑ دی وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے۔ سبحان اللہ! کتنے آسان نسخے ہیں اپنے مالک کی محبت حاصل کرنے کے۔ آپ اللہ سے سچے دل سے راضی ہو جائیں تو وہ بھی آپ سے راضی ہو جائے گا۔ بلکہ ایک حدیث قدسی حضرت ابو بکر صدیقؓ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو بندہ دنیا میں میرے دیئے ہوئے تھوڑے رزق پر راضی ہو جائے میں قیامت کے دن اِس کے تھوڑے اعمال پر راضی ہو جاؤں گا۔

جو لوگ تعلیم پر عمل کر کے کچھ حاصل کرنا چاہتے ہیں اِنکے لئے بانی سلسلہؒ نے دُنیاوی زندگی کی تکالیف کی حقیقت یوں بیان فرمائی کہ "تکلیف دراصل محض ایک خیالی شے ہے جو اپنی حالت کا مقابلہ اپنے سے بہتر لوگوں کی حالت سے کرنے سے محسوس ہوتی ہے۔ اِس کے سوائے تکلیف کے اور کوئی معنی نہیں ہیں"۔ کسی جگہ واصف علی واصف کی ایک بڑی خوبصورت بات پڑھی۔ آپ نے لکھا کہ "غم تمہاری خواہشات اور اللہ تعالیٰ کی رضا میں تضاد کا نتیجہ ہے"۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے خلاف سوچنا ہی تمہارے غم کا باعث ہے۔ تم اِس کی رضا پر راضی رہنا سیکھ جاؤ تو سب غم معدوم ہو جائیں گے۔

4۔غصہ کی نفی اور قوتِ برداشت

مصلحین کیلئے قوت برداشت کی بھی بڑی ضرورت ہوتی ہے اِس کے بغیر اصلاح کے میدان میں ایک قدم آگے بڑھنا ممکن نہیں۔اصلاح کرنے والوں کی قدم قدم پر مزاحمت کی جاتی ہے۔اگر اصلاح کرنے والا بے حوصلہ ہو جائے، ڈر جائے یا اِس کو غصہ آ جائے تو پھر سمجھ لو کہ اصلاح ختم اور جنگ شروع ہو گئی۔حلقہ توحیدیہ میں تزکیہ اخلاق کیلئے غصہ کو نفی کرنا لازم قرار دیا گیا ہے۔اِس کی وجہ یہ ہے کہ غصہ کی نفی سے ہی قوتِ برداشت پیدا ہوتی ہے۔تبلیغ کے میدان میں جہاں یقین محکم، عالمگیر محبت اور روحانی قوت آپ کی تلواریں ہیں جن سے دِلوں کے قلعے فتح ہوتے ہیں وہاں قوتِ برداشت آپ کیلئے مضبوط ڈھال ثابت ہوتی ہے جو آپ کو مخالفت،سخت کلامی، درشتی اور گالی گلوچ کے اثرات سے محفوظ رکھتی ہے۔یہ بات ہر کوئی جانتا ہے کہ غصہ آ جائے تو عقل جاتی رہتی ہے۔اِس لئے جب عقل جاتی ہے تو انسان حیوان سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔اِس لئے تم کو لازم ہے کہ غصہ کو بالکل نفی کر دو۔ اگر غصہ کو نفی نہ کرو گے تو تمہارے دل میں سکون کامل پیدا نہ ہوگا اور جب تک سکون کامل پیدا نہ ہو ذکر خدا کا اثر دل میں مستقل نہ ہو سکے گا۔اور جس دل میں ذکرِ خدا کا اثر اور سکون کامل نہ ہو اِس میں اللہ کا جلوہ ہرگز نظر نہ آ سکے گا۔پس فقر میں کمال پیدا کرنا ہے تو غصہ بالکل نفی کر دو۔خواہ کوئی تم کو مارے، گالیاں دے،نقصان پہنچانے کی کوشش کرے تم ہمیشہ اِس کا جواب نرمی اور ملائمت سے دو۔قبلہ حضرتؒ نے نویں خطبے کے آخر میں ارشاد فرمایا کہ آپ کو اصلاح کا کام کرنا ہے اِس لئے حلقہ کی تعلیم کے مطابق غصہ بالکل نفی کر دو۔قلب میں پاس انفاس کے ذریعے روحانی طاقت بڑھاؤ پھر دیکھو کہ تم کتنی جلدی کامیاب ہوتے ہو۔یاد رکھو کہ تم سلسلہ توحیدیہ میں صرف اِس لئے شامل ہوئے ہو کہ اللہ تعالیٰ اور اللہ کا رسول ﷺ تم سے خوش اور راضی ہو جائے۔تم نیک بن جاؤ اور دین و دنیا میں سرخرو ہو جاؤ۔تم خود اپنی اصلاح کرو اور دوسرے مسلمانوں کی خدمت اور اصلاح بھی کر سکو۔لیکن اِن تمام باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی نہیں ہو سکتی جب تک تم میں صبر اور قوت برداشت کا مادہ بدرجہ اولیٰ پیدا نہ ہو جائے۔اِس لئے قوت برداشت بدرجہ کمال پیدا کرنے کی کوشش کیا کرو اور کبھی ہمت نہ ہارو۔بندہ مومن اگر کبھی کسی مقصد کے حصول میں ناکام

ہو جاتا ہے تو پھر بھی حوصلہ نہیں ہارتا۔قرآن کریم کی درج ذیل آیات اِس کیلئے وجہ اطمینان بن جاتی ہیں:۔

''عجب نہیں کہ ایک چیز تمہیں بھلی لگے اور وہ تمہارے لئے مضر ہو، اللہ بہتر جانتا ہے اور تم نہیں جانتے''(بقرہ۔216)

''نہ تو زمین پر کوئی حادثہ ہوتا ہے نہ ہی تم پر کوئی مصیبت آتی ہے مگر قبل اِس کے کہ وہ واقعہ ہو ہم نے اِسے کتاب میں لکھ رکھا ہے''۔(الحدید۔23)

''آپ فرما دیجئے کہ ہمیں کوئی مصیبت پہنچ ہی نہیں سکتی مگر وہی جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ رکھی ہے''۔(توبہ۔51)

قبلہ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ اب تم کو سوچنا چاہیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ مصیبت ہمارے نام پہلے ہی سے لکھ رکھی ہے تو اِس پر گھبرانا، رنج کرنا، مایوس ہونا، انتہائی ناشکری، کفرانِ نعمت بلکہ ایک قسم کی بغاوت ہے۔اگر تم اللہ کی طرف سے آنے والی مصیبتوں کو نعمت سمجھ لو تو تم کو دائمی مسرت جیسی نعمت حاصل ہو جائے جو کہ کروڑوں اور اربوں روپے میں بھی حاصل نہیں ہو سکتی۔

برادران کرام !ہر انسان کی زندگی میں اونچ نیچ اور اچھے برے حالات آتے ہی رہتے ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کی مثال ہمارے سامنے ہے۔مکہ کی زندگی کے دوران کفار نے جو سلوک آپ کے ساتھ کیا اِس کی تفصیل پڑھ کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ حضور ﷺ کا ایک دوسرا پہلو بھی قابل غور ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے آپ کو کن مراحل حیات سے گذارا، آپ ابھی شکم مادر میں تھے کہ شفیق باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔جب ہوش سنبھالا اور چلنے پھرنے کے قابل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی مہربان ماں کو بھی اپنے پاس بلا لیا۔پھر دادا نے اپنے سایہ عاطفت میں لیا تو وہ بھی جدا ہو گئے۔آپ کے چچا نے آپ کا بھرپور ساتھ دیا تو وہ بھی اِنتقال کر گے اور چند دن بعد ہی تابع فرمان اور جاں نثار بیوی کا ساتھ بھی چھوٹ گیا اللہ تعالیٰ نے اولاد عطا فرمائی تو بیٹیوں کو زندہ رکھا لیکن بیٹوں کو اپنے پاس بلا لیا۔مصائب کے یہ پہاڑ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈالے گئے۔سن دس نبوت جس میں آپ کے چچا ابو طالب اور اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کا انتقال ہوا۔اِسے آپ نے عامُ الحزن یعنی غم کا سال قرار دیا۔یہ سب کچھ

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کیا تو میں اور آپ کس کھاتے میں ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے محبوب شہر مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی۔ مدینہ منورہ میں بھی کونسا آرام ملا۔ وہاں کے دس سالہ دور میں اسی (۸۰) سے زیادہ جنگی مہمیں پیش آئیں۔ جن حجروں میں اُمہات المومنین رہائش پذیر تھیں اِن کی شان وشوکت سے آپ سب واقف ہیں۔ چھت پر کھجوروں کے پتے ڈالے گئے تھے اور اُونچائی اتنی تھی کہ ہاتھ سے چھو سکتے تھے۔ دروازوں پر کواڑ یا کپڑے کا پردہ پڑا ہوتا تھا۔ گھر کا سامان انتہائی مختصر تھا اور کئی کئی دن گھر میں چولہا نہ جلتا تھا۔ یہ شہہ لولاک ﷺ کا آستانہ تھا۔ لیکن ہماری ہوا وہوس کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ ہمارے غریب خانے عجیب وغریب قسم کی آسائشوں سے بھرے پڑے ہیں لیکن مکینوں کو پریشانیوں نے گھیر رکھا ہے اور ہماری حالت اللہ تعالیٰ کے اِس فرمان کے عین مطابق ہے کہ ''جس نے ہماری یاد سے منہ موڑا اِس کیلئے تنگی کا جینا ہوگا''۔ دِلوں سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور حضور پر نور ﷺ کا پیار مفقود ہے اِس لئے دنیا کا ہر غم موجود ہے۔ دل اللہ کے ذکر سے خالی تھے اُن میں دنیا کے فکر گھس گئے۔

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

میں طوالت کے باعث اپنے ہادی ومرشد حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی زندگی کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتا کہ آپ پر کیا کیا آزمائشیں آئیں اور زندگی کس طرح گذری۔ آپ کی اپنی تحریروں اور سوانح حیات میں سب کچھ بیان کیا جا چکا ہے۔ اِن گذارشات سے مقصود یہ اور صرف یہ ہے کہ آپ اللہ کے فقیروں کا سا اندازِ فکر اور طرزِ حیات اپنائیں کیونکہ آپ سب نیک اور بزرگ بلکہ ولی اللہ بننے کی نیت سے سلسلہ توحیدیہ میں شامل ہوئے ہیں۔ اگر عوام ہی کا سا اخلاق رکھنا ہو تو پھر کسی سلسلہ فقر میں شامل ہونے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ ہم سب کو چاہیے کہ ہمیشہ خوش رہنے کی عادت ڈالیں۔ راضی برضا رہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ رکھیں تا کہ خود بھی غم دنیا سے نجات پائیں اور دوسروں کو بھی اِس سے نکلنے کی راہ دکھا سکیں۔ دِلوں کو کثرت ذکر اور توکل علی اللہ ہی سے حیاتِ نو عطا ہوتی ہے اور اگر یہ تعلق کمزور ہو جائے تو خوف اور نا اُمیدی دلوں کو گھیر لیتے ہیں اور دِل طرح طرح کی جسمانی اور روحانی بیماریوں کی آماجگاہ بن جاتے ہیں۔

ہر شرِ پنہاں کہ اَندر قلب تست
اصل اُو وہم است اگر بینی دُرست

لالچ و مکاری و کین و دروغ
اِیں ہمہ اَز خوف می گیرد فروغ

میرے پیارے بھائیو اور عزیز بیٹو! ہمارے ہادی و مرشد نے جو ہمیں تعلیم دی وہ قرآنِ حکیم اور سنت رسول کریم ﷺ کے عین مطابق اور دنیا و آخرت میں یقینی کامیابی کے حصول کی ضمانت ہے۔ آپ نے اپنے ساتویں خطبے کے اِختتام پر سات نکات پر مشتمل لائحۂ عمل ہمیں عطا فرمایا اِس کی یاد دہانی بہت ضروری ہو چکی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ آج کی صحبت میں مجھے آپ سے صرف اتنا ہی کہنا ہے کہ:۔

(۱)۔ خلوص و محبت کے ساتھ سلسلہ کی تعلیم پر پوری پابندی سے عمل کرتے ہوئے پہلے کی نسبت اور زیادہ شوق اور جوش سے عمل کرو، عمل کرو اور عمل کرتے رہو۔

(۲)۔ اپنی اور دوسرے مسلمانوں کی اِصلاح کرو۔

(۳)۔ دُنیوی ترقی کیلئے نئی نئی راہیں نکالو اور اِن پر عمل کرو۔

(۴)۔ خلقِ خدا کی خدمت کرو اور سب کے ساتھ محبت سے پیش آؤ۔

(۵)۔ کتنی ہی تکلیفیں اور مصیبتیں آن پڑیں مایوس اور اُداس مت ہو۔ ہمت نہ ہارو اور ہمیشہ خوش رہا کرو۔

(۶)۔ دِل میں اللہ کو بسائے رکھو اور ہاتھ پاؤں، آنکھوں، کانوں اور زبان کو خدمت خلق میں لگائے رکھو۔

(۷)۔ یہی دائمی مسرت اور حقیقی زندگی کا راز ہے۔ مرتے دم تک کام کرتے رہو اور اللہ کی یاد میں مر جاؤ۔ تمھیں کیا خبر یہ کتنا بڑا کام ہے اور مرنے کے بعد اِس کا کیا انعام ملے گا۔

میرے پیارے بھائیو! اُوپر دیئے ہوئے اِن سات جواہر پاروں کو اگر آپ سعادت بھری زندگی کے سات ستون سمجھ لیں اور ان پر عمل پیرا ہو جائیں تو اللہ تعالٰی کے فضل اور اس کی خصوصی رحمت سے آپ کو وہ سب کچھ حاصل ہو جائے گا جس کیلئے آپ سلسلہ توحیدیہ میں شامل ہوئے۔

اِصلاح کا طریق کار

اِنسانوں کی تاریخ میں کبھی بھی ایسا دور نہیں آیا جب اِصلاح کے کام کی ضرورت باقی نہ رہی ہو۔ مختلف ادوار میں معاشروں میں بگاڑ کی صورتیں بھی علیحدہ علیحدہ

تھیں اور اِن کے حالات کے مطابق اِصلاح کا کام ہوتا رہا ہے اور اسے مسلسل ہوتا رہنا چاہیے۔ حضور نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث مبارکہ میں یہ تاکید فرمائی گئی ہے کہ اِصلاح کا مبارک کام اپنی اپنی قوت اور اختیارات کے مطابق ہر سطح پر ہونا چاہیے۔ ابی سعید بن خُدریؓ نے روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ ''جو شخص کسی ناجائز امر کو ہوتے ہوئے دیکھے اگر اُس پر قدرت ہو کہ اِس کو ہاتھ سے بند کر دے تو اِس کو بند کر دے۔ اگر اتنی قدرت نہ ہو تو زبان سے روکے۔ اگر اتنی بھی قدرت نہ ہو تو پھر دل سے اِسے بدلنے کی کوشش کرے اور یہ ایمان کا بہت ہی کم درجہ ہے۔

منکرات یعنی برائیوں کو روکنے کا یہی بہترین طریقہ ہے۔ ایک اسلامی ملک میں حکومتی ادارہ کے پاس قوت نافذہ ہوتی ہے اِس لئے یہ امر اِس کے بنیادی فرائض میں سے ہے کہ نیکیوں کا حکم دے اور برائیوں سے روکے۔ اِس کے ساتھ ساتھ صوفیا کا بھی فرض ہے کہ زبانی وعظ اور روحانی و قلبی توجہ سے اِصلاح کا کام کرتے رہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ اِنسانیت سازی اور آدم گری کا یہ اہم ترین کام کسی بھی سطح پر کما حقہ نہیں ہو رہا جسکا نتیجہ یہ ہے کہ دنیا کی محبت میں ڈوبے ہوئے، موت کے خوف سے لرزاں و ترساں بے کردار مسلمانوں کا ہجوم ستاون نام کے اِسلامی ممالک میں محوِ خواب ہے اور اہل عشق و محبت اور صاحب کردار خال خال ہی نظر آتے ہیں۔ ملت اِسلامیہ کی اِس حالت زار اور اخلاقی زوال کے اصلاح کی خاطر ہی حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے روحانی اِصلاح کی تحریک سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے نام سے شروع کی۔ آپ نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا:۔

''آپ کے سامنے ایک بہت بڑا کام ہے۔ اِس کو معمولی کام نہ سمجھئے۔ یہ کام لوگوں کے مشرکانہ عقائد کی اصلاح کا کام ہے اور ہر انسان اپنے عقائد کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتا ہے اور اِصلاح کرنے والوں کی جان کا دشمن ہو جاتا ہے۔ قدم قدم پر مقابلہ کرتا ہے اور رکاوٹیں ڈالتا ہے۔ اچھی طرح یاد رکھئے کہ آپ کو صرف عقائد ہی کی اصلاح نہیں کرنی بلکہ اِن بیہودہ و فرسودہ رسوم کو بھی مٹانا ہے جو ہمارے معاشرہ کو گھن کی طرح کھائے جا رہی ہے۔ میں نے آپ کو پہلے ہی بتا اور سکھا رکھا ہے کہ اِصلاح کے کام میں زور، ظلم اور زبردستی سے کبھی کامیابی نہیں ہو

سکتی بلکہ کامیابی اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقے یعنی حکمت اور حسن تدبیر اور نصیحت سے ہی ہوتی ہے اور سو فیصد ہوتی ہے ظاہر ہے کہ عوام بلکہ اچھے اور اعلیٰ درجے کے تعلیم یافتہ حضرات بھی اِس فرمودہ خدا پر عمل کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ اصلاح کرنے کیلئے تو ایک اعلیٰ کردار اور مخصوص صفات رکھنے والے اِنسانوں کی ضرورت ہے۔ میں نے آپ کو انہی لائنوں میں تعلیم دی ہے اور ہمارے حلقہ کے کافی آدمی اِسی کردار کے مالک اور اِن صفات اعلیٰ سے موصوف ہیں"۔

(چراغ راہ صفحہ 181)

"اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل آیت 125 میں ارشاد فرمایا ہے۔ **اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ** ٥

"یعنی آپ لوگوں کو اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور پیاری پیاری نصیحت کر کے بلایئے اور نہایت اچھے طریقے سے بحث کیجئے"۔ اِس کا یہ مطلب ہے کہ جسکی تم اِصلاح کرنا چاہتے ہو اِس کو اس کے کسی عیب کی وجہ سے ہرگز برا بھلا نہ کہو۔ مثلاً کوئی شرابی شراب پئے ہوئے تمہارے پاس آئے۔ وہ نشے میں ہو اور اِس کے منہ سے بو آ رہی ہو تو یوں مت کہو کہ ملعون، مردود، فاسق، فاجر شراب پیتا ہے۔ چھوڑ اِس بد عادت کو۔ تو دوزخ کا ایندھن بنے گا۔ ایسا کہنے سے وہ بہت برا مانے گا اور آئندہ تم سے کبھی بات نہ کرے گا۔ پھر تم اِس کی اصلاح کسطرح کر سکو گے؟ اِس لئے ایسے موقع پر اِس طرح برداشت کرو جیسے کوئی بات ہی نہیں۔ اُس سے محبت اور شفقت سے پیش آؤ اور کوشش کرو کہ وہ تمہارا دوست بن جائے اور بار بار تمہارے پاس آنے لگے۔ پھر کسی دن جب اِس کے ساتھ اور آدمی بھی موجود ہوں اور تمہاری روحانی کیفیت بھی اچھی ہو تو اِس کی طرف مخاطب بھی مت ہو۔ ایسے بن جاؤ کہ گویا تم جانتے ہی نہیں کہ وہ شراب پیتا ہے۔ پھر دوسرے لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر شراب کی برائیاں بیان کرو اور اللہ تعالیٰ اور حضور نبی رحمت ﷺ کے احکام شراب کی حرمت کے متعلق لوگوں کو سناؤ، اِس اِن ڈائریکٹ تقریر اور نصیحت کا اثر اس پر یقیناً اور شرطیہ ہوگا۔ اور اگر پہلی ہی مرتبہ نہیں تو کم از کم دو چار مرتبہ تمہاری نصیحت سننے کے بعد شراب سے توبہ کر لے گا۔ یہ ہے وہ حسین زبان اور یہ ہے وہ حکمت جو ایسے موقع پر تم کو برتنی چاہیے۔ اِس کے علاوہ اصلاح کیلئے کبھی کسی پر کسی قسم کا اعتراض نہ کرو۔ اِس کا ہر عیب اور ہر زیادتی برداشت

Markaz Taameer-i-millat, Waheed colony, Kot Shahan, Gujranwala, Pakistan. Contact: +92-0344-9000042
Silselah-i-Tauheediyah, Website: http://www.tauheediyah.com/

کرو۔ بحث ہرگز ہرگز نہ کرو۔ بحث سے سوائے تضیعِ اوقات کے کچھ حاصل نہیں ہوتا بلکہ یوں دلوں میں کدورت آ جاتی ہے۔ اگر کوئی شخص بحث کرنے پر بہت ہی مصر ہو تو اِس سے نہایت عاجزی سے معافی مانگو اور کہہ دو کہ ہمارے مسلک میں بحث قطعاً منع ہے۔ آپ اپنے مسلک پر چلتے رہیں ہم خوش ہمارا خدا خوش، لیکن ہم کو ہمارے مسلک پر چلنے دیں۔

آؤ باوجود ازیں ہم آپس میں دوست رہیں۔ یہ سب فروعی باتیں ہیں ان کیلئے دِلوں میں عناد کیوں پیدا کیا جائے۔ مگر یہ تم اِسی وقت کہہ اور کر سکو گے جب کہ تم نے غصہ اچھی طرح نفی کر دیا ہوا اور قوت برداشت بدرجہ اتم پیدا ہو گئی ہو۔

ہمارے حلقہ کی تعلیم کے مطابق اصلاح کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ تم لوگوں سے نہایت محبت اور خلوص سے پیش آؤ۔ ظاہری اور بناوٹی محبت نہیں۔ حقیقی محبت کرو جیسا کہ تم کو بتایا اور سکھایا گیا ہے۔ عالمگیر محبت کو اپنا شعار بناؤ۔ اِس لئے جس سے بھی ملو حقیقی محبت کے جذبہ سے ملو۔ اگر کبھی ضرورت پڑے اور تم کو توفیق ہو تو چھوٹی موٹی کوئی خدمت لوگوں کی کر دیا کرو اور دل میں یہ خواہش پیدا کرو کہ اِس شخص کی اصلاح ہو جائے۔ اگر تم دل سے ایسا چاہو گے تو تمہارے قلب سے جو لہریں نکلیں گی اِس کے دماغ کو متاثر کئے بغیر نہ رہیں گی اور وہ رفتہ رفتہ تمہاری ہر بات ماننے لگے گا اور اِسکی اصلاح ہو جائے گی۔ اصلاح ہمیشہ اللہ کے واسطے کرنی چاہیے۔ تمہاری اپنی کوئی ذاتی غرض اس سے ہرگز وابستہ نہ ہو"۔ (چراغِ راہ صفحہ 190-191)

میرے پیارے بھائیو اور بیٹو! اب آپ پر یہ حقیقت روشن ہو گئی ہو گی کہ سلسلہ عالیہ توحیدیہ روایتی پیری مریدی کے ذوق کی تسکین کی غرض سے نہیں بلکہ اِصلاح کا عظیم کام روحانیت کے ذریعے انجام دینے کیلئے قائم کیا گیا ہے۔ یہاں نذرانے وصول کرنے کی غرض سے عقیدتمندوں اور مریدوں کی بھیڑ اکٹھی کرنا مقصود نہیں بلکہ روحانی بزرگ اور مبلغین تیار کرنا مطلوب ہے جو اللہ تعالیٰ کی محبت اور اِسکی مخلوق کے پیار سے سرشار اور انسانیت کی اصلاح و فلاح کی خاطر اپنے مال اور جانیں نثار کرنے والے ہوں۔ اِس لئے اپنے آپ کو پہچانیں، اپنے مشن کی اہمیت کو جانیں اور اصلاح اُمت کے عظیم کام میں اپنی جانیں گھلا دیں۔ مرشد کاملؒ نے دوسرے خطبہ میں سلسلہ کی تعلیم اور اِس کی انفرادیت کو اچھی طرح سمجھنے اور دل و جان سے اِس پر عمل پیرا ہونے کی تلقین

کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

''میرے خیال میں میں اتنی بات سبھی جانتے ہیں کہ انسان کی تمام شرافت اور ساری بڑائی اِس اصول پر منحصر ہے کہ وہ جن باتوں کو خود اپنی مرضی اور خوشی سے اپنے اوپر لازم کر لے اُن پر دل و جان سے عمل کرے اور کتنی رکاوٹیں راہ میں حائل کیوں نہ ہوں سب کو ٹھکراتا ہوا آگے بڑھتا چلا جائے۔ جو فرد یا جماعت ایسا نہیں کرتی وہ کبھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ آج کے خطبہ میں میری سب سے بڑی نصیحت آپ کو یہی ہے کہ آپ عمل کرنے کی عادت ڈالیں اور یاد رکھیں کہ عمل زندگی ہے اور بے عملی موت''۔ (چراغ راہ صفحہ 27)

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی ترقی اور مشن میں کامیابی کیلئے ایک دوسرے مقام پر مزید ہدایات دیتے ہوئے فرمایا:۔

''میں آپ سب کو ہدایت کرتا ہوں کہ اگر آپ کی رائے میں ہماری جماعت اور حلقہ انسانی اصلاح کیلئے ایک مثالی حلقہ ہے اور معاشرے کی اصلاح میں کوئی خاص کردار ادا کر سکتا ہے تو آپ اب میری بجائے جماعت سے محبت کرنا اور جماعت کو زیادہ سے زیادہ عزیز رکھنا سیکھیں۔ اِس کے لئے آپس میں بے انتہا محبت اور زیادہ سے زیادہ ایثار کی ضرورت ہوگی۔ اگر آپ نے اِن دو باتوں پر عمل کیا تو اِنشاءاللہ آپ کا حلقہ دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرے گا اور عام مسلمانوں کے اخلاق کو سدھارنے میں زیادہ سے زیادہ مدد دیگا''۔ (چراغ راہ صفحہ 155)

برادران کرام! آج کے اِس خطبے کا اختتام بھی قبلہ حضرتؒ کے دیئے ہوئے پیام پر ہی کرنا چاہتا ہوں تا کہ توحیدیہ مشن کیلئے عمل پیرا ہو جانے کیلئے یاد دہانی کی یہ کوشش بابرکت ہو جائے، آپ نے 1972ء کے خطبہ کے آخر میں ارشاد فرمایا:۔

''میں 1950ء سے اب تک بزرگوں کی ایک جماعت پیدا کرنے میں لگا رہا ہوں۔ اب جب کہ ہماری جماعت میں اچھے بزرگوں اور اولیاءاللہ کی تعداد کافی ہو گئی ہے، میں چاہتا ہوں کہ ہماری جماعت دیہات و امصار میں پھیل جائے اور لوگوں کی مذہبی اخلاقی اور روحانی اصلاح کا کام شروع کر دے۔ اس میں مشکل یہ درپیش ہے کہ ہمارے تمام بھائی کاروباری یا ملازمت پیشہ ہیں۔ اِس وجہ سے باہر جا کر کام نہیں کر سکتے۔ یہ مجبوری ہے مگر باوجود اس کے ہم کو فوراً یہ کام شروع کر دینا چاہیے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم کچھ دن کی چھٹیاں لے کر دیہات میں جائیں اور وہاں توحید و روحانیت

کا نور پھیلائیں۔ اِس طرح سے جو کچھ تھوڑا بہت تجربہ ہم نے کیا ہے وہ بہت ہی حوصلہ افزا ہے۔ لوگ اِس طرح گرتے ہیں جیسے شمع پر پروانے۔ دُنیا ہماری منتظر ہے۔ شرابِ توحید و ولایت کے طالب ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں تشنہ کام اور مایوس بیٹھے ہیں۔ اِس لئے اے میرے دوستو! اب بلا تاخیر کام شروع کر دیں۔ اِس سے بہتر دنیا میں کوئی عبادت اور کوئی نیک کام نہیں۔ کیا عجب کہ رب کریم نے یہ سعادت ہمارے حلقہ کی تقدیر میں لکھی ہو کہ ہم بھولے بھٹکوں کو اللہ کا سیدھا اور سچا راستہ دکھائیں۔ اِن کو نہ صرف مسلمان بلکہ مومن اور ولی اللہ بنا دیں۔ اِس طرح رفتہ رفتہ قرآنِ کریم کے بھلائے ہوئے سبق پھر یاد آ جائیں اور احیاءِ اسلام کا سہرا پاکستان کے سر رہے۔ اُمید بہت بڑی اور بضاعت بہت کم ہے۔ گو چھوٹا منہ بڑی بات ہے لیکن خلوصِ دل اور محنت سے کام کرنے والوں کو اللہ تبارک و تعالیٰ ضرور نوازتا اور فائز المرام فرماتا ہے۔ اب میں آپ کو چند نکات بتاتا ہوں جو کام کرتے وقت آپ کو ہر وقت یاد رکھنے ہوں گے اور اِن پر عمل کرنا ہوگا۔

(۱) تبلیغ بالکل خاموشی سے کی جائے۔ یعنی جس کو آپ حلقہ میں شامل کرنا چاہیں اِس کو زبان سے دعوت نہ دیں کہ ہمارے حلقہ میں شامل ہو جاؤ۔ بلکہ دل سے اِس پر اثر ڈالیں وہ خود بخود آپ کی طرف راغب ہو جائے گا۔

(۲) کسی سے بحث و مباحثہ و تمحیص سے بالکل بچا جائے اور جو کوئی بحث کرنا چاہے ہاتھ جوڑ کر اِس سے معافی مانگ لی جائے۔

(۳) کام بالکل خلوص سے کیا جائے یعنی اِس میں ذاتی مفاد یا اپنی فضیلت و بڑائی کا رائی برابر خیال دل میں نہ ہو، محض خداوند قدوس کیلئے اور اُمتِ اسلامیہ کی بہتری اور بہبود کیلئے کیا جائے۔

(۴) کیسی ہی مخالفت کیوں نہ ہو اور آپ کے ساتھ کوئی کتنی ہی سختی اور درشتی سے پیش آئے جواب میں سوائے نیکی اور نیک سلوک کے آپ اور کچھ نہ کریں۔

(۵) جہاں پانچ آدمی ہو جائیں وہیں ایک حلقہ قائم کر دیا جائے اور اِن پر ہمیشہ نظر رکھی جائے اور اِن کو اپنی تعلیم اور اخلاق سے بہرہ ور کیا جائے۔

مجھے اپنی جان سے زیادہ پیارے مریدوں پر پورا اعتماد ہے کہ وہ دل و جان سے اِس کام میں لگ جائیں گے اور کسی قسم کی مصیبت کو خاطر میں نہ لائیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

آمین ثم آمین

اب آپ اللہ والے بزرگ بھائیوں سے میری التماس ہے کہ آپ بانی سلسلہؒ کی تعلیم کی قدر و قیمت جانیں اور ان کی اپیل کو سنجیدگی سے لیں۔ ہماری قوم کی جو اخلاقی و سیاسی حالت ہے اور اُمت مسلمہ پر چاروں طرف سے جو خطرات منڈلا رہے ہیں انہیں بیان کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ تمام مسلمان ملک بکھرے اور سہمے ہوئے ہیں اور دشمن کے حملے کیلئے اپنی باری کا حساب لگانے کیلئے عقل کے گھوڑے دوڑا رہے ہیں۔ ہمارے اتفاق و اتحاد کی یہ صورت ہے کہ ہمارے علماء کرام جن کا منصب ہی مسلمانوں کو متحد رکھنا ہے وہ چھوٹے سے چھوٹے قصبے میں بھی مل کر نماز ادا کرنے کے روادار نہیں ہیں۔ تو دنیا دار سیاستدانوں کے تحت ملکوں کا اتحاد کیسے صورت پذیر ہو گا۔ کسی لیڈر اور ایڈیٹر کی اپیل سے کہیں بھی زندگی اور اُمید کی لہر پیدا ہوتی دکھائی نہیں دیتی۔ ہر طرف موت کا سا سکوت چھایا ہوا ہے۔ صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اُمید ہے اور دل بھی یہ گواہی دیتا ہے کہ صرف آپ **قُمْ بِاذْنِ اللّٰه** کا نعرہ لگا سکتے ہیں۔ آپ کے پاس ہی وہ نسخہ کیمیا ہے جو قوم کی عروقِ مردہ میں زندگی کی لہر دوڑا سکتا ہے۔

ہم پہلے ہی بہت دیر کر چکے ہیں اور اب مزید تاخیر کرنا خطا شمار ہوگی۔ اِس لئے اب ضروری ہو گیا ہے کہ سلسلہ توحیدیہ کی تعلیم اور اصلاح و خدمت کے مشن کو عام کرنے کیلئے ہر بھائی اپنے آپ کو سرگرم مبلغ جانتے ہوئے سراپا عمل بن جائے۔ یہی سلسلہ توحیدیہ کی تعلیم کا مقصد اور آپ سب کی بزرگی اور روحانی قوت کا حقیقی مصرف اور امتحان ہے۔ تمام مجازین کرام اور خادمانِ حلقہ کا یہ فرض ہے کہ سلسلہ توحیدیہ کی تعلیم کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانے کیلئے اپنی کوششوں کو تیز تر کر دیں اور تمام برادران حلقہ کی حوصلہ افزائی فرمائیں تا کہ ہر بھائی سال میں کم از کم ایک بھائی کی اصلاح کر کے اِسے سلسلے میں شامل ہونے کے قابل بنائے۔

فقرِ مومن

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اِنسان اور کائنات

مسلمان ہونے کی حیثیت سے اِس حقیقت پر ہم صدق دل سے یقین رکھتے ہیں کہ مُحسنِ انسانیت، سرورِ کائنات، رحمۃ اللعالمین، سید الانبیاء، احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ہیں۔ آپ کے توسل سے اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے جو آئین حیات نازل فرمایا وہ قیامت تک آنے والے انسانوں کی نہ صرف مادی، ذہنی اور روحانی معراج بلکہ فلاح دارین کا ضامن ہے۔ ہر وہ نعمت چاہے مادی ہو یا روحانی جس کی انسان تمنا کرسکتا ہے وہ اپنی کامل ترین صورت میں اس ضابطہ حیات پر عمل کرنے سے حاصل کی جاسکتی ہے۔ اس عمل کا بہترین اور اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ترین نصاب حضور نبی کریم ﷺ کا اسوہ حسنہ ہے۔ یہ سوچنا بھی نقص ایمان کی دلیل ہے کہ کوئی نعمت دین اسلام کے اندر موجود نہیں ہے یا اِس کے حصول کے لئے قرآن وسنت پر عمل کے علاوہ کسی دوسرے ذریعے اور طریقے کو اپنانا ناگزیر ہے۔ لیکن ہم تصوف کے نکتہ نظر سے اپنے اِردگرد نگاہ ڈالیں تو یہ حقیقت آشکار ہوگی کہ **اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰہ** چند سچے اللہ والوں کو چھوڑ کر ہر جگہ ڈیرہ جمائے ہوئے ملنگوں، بابوں، سرکاروں اور ولایت کے جھوٹے دعویداروں کا تو اِسلامی روحانیت اور فقر محمدیؐ سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

بقول علامہ اقبالؒ۔

تمدن تصوف شریعت کلام
بتانِ عجم کے پجاری تمام
حقیقت خرافات میں کھو گئی
یہ اُمت روایات میں کھو گئی
لُبھاتا ہے دل کو کلامِ خطیب
مگر لذتِ شوق سے بے نصیب

بیاں اُس کا منطق سے سلجھا ہوا
لغت کے بکھیڑوں میں اُلجھا ہوا
وہ صوفی کہ تھا خدمتِ حق میں مرد
محبت میں یکتا حمیت میں فرد
عجم کے خیالات میں کھو گیا
یہ سالک مقامات میں کھو گیا
بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

تصوف اسلامی میں عجمی اثرات کی آمیزش، یوگا سے ملتی جلتی مشقوں، عیسائی راہبوں کے دُنیا سے فراراور جسم آزار طریقوں اور دیگر خلافِ قرآن وسنت عقائداور روحانی مشقوں کی بھرمار دیکھ کر کچھ لوگ سرے سے اِسلامی روحانیت اور فقرِ محمدیؐ ہی سے منکر ہو گئے حالانکہ یہ اندازِ فکر کسی طرح بھی درست قرارنہیں دیا جاسکتا۔اِس خطبہ میں مختصر طور پر ہم یہ بیان کرنے کی کوشش کریں گے کہ اسلامی فقر کی حقیقت کیا ہے۔

قرآن کریم کا ہر طالب علم اِس امر سے بخوبی آگاہ ہے کہ جن وانس کو اللہ تعالیٰ نے جس خاص مقصد کیلئے پیدا فرمایا اِس کا اظہار ان الفاظ میں کیا:۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِo(الذاریات۔55)

"میں نے جنوں اور انسانوں کو اِس لئے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں"۔

گویا حقیقی فقر کی بنیاد اِس آیت ہی میں سمو دی گئی ہے کہ انسان کو بندگی کرنی ہے لیکن صرف اللہ تعالیٰ کی۔اُسی کو اپنا رب یعنی آقا و مالک ماننا ہے اور صرف اِس کی غلامی کرنی ہے۔مومن کا کمال عَبْدُهٗ یعنی اِس کا بندہ بن جانے میں ہے جو انسان درہم و دینار کا بندہ، کسی صاحب اقتدار کا بندہ، اپنے نفس کا بندہ یا ہوا وہوس کا بندہ بن گیا وہ مقصودِ حیات کے حصول میں ناکام ہو گیا۔اِس امر کی اہمیت انسان کی روح میں پیوست کرنے کیلئے عالم ارواح ہی میں اولادِ آدم سے عہدِ الست کے ذریعے یہ پختہ وعدہ لیا گیا کہ اللہ تعالیٰ ہی اِس کا رب ہے تاکہ دُنیا کی زندگی میں

جب اِسے اپنے رب پر ایمان لانے کی دعوت ملے تو اِس کا ضمیر اِس پر لبیک کہے اور پھر وہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے صراطِ مستقیم پر چلتے ہوئے اِس کے قرب و رضاء کی منزل حاصل کر سکے۔اب عالمِ ارواح ہی میں کئے جانے والے ایک اہم فیصلہ کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔وہ یہ کہ اگر چہ جن و انس دونوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا لیکن خلافتِ ارضی کی سعادت انسان کے حصہ ہی میں آئی اگر چہ جنات پہلے ہی سے زمین پر آباد تھے اور ان کا سردار ابلیس اس منصب کے حصول کا آرزومند تھا۔اسی لئے وہ انسان کو ناکام بنانے کے لئے خم ٹھونک کر اس کے مقابلے پر اتر آیا۔اللہ تعالیٰ نے آدمؑ پر اپنی روح کا فیض القاء کیا اور اسے تمام چیزوں کے نام سکھا دئے تاکہ تسخیر و تعمیر کی صلاحیتوں سے مسلح ہو کر وہ خلافتِ ارضی کی اہم ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو سکے اور ساتھ ہی اسکی جدوجہد کے لئے میدانِ عمل کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا:۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَo (جاثیہ۔13)

''اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اپنے حکم سے تمہارے کام میں لگا دیا ہے، جو لوگ غور کرتے ہیں اُن کیلئے اِس میں نشانیاں ہیں''۔

اُوپر دی گئی آیات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ کائنات میں مرکزی حیثیت انسان کی ہے۔اِسے مسجودِ ملائکہ اور اشرف المخلوقات کے شرف سے نوازا گیا۔اِس کے ساتھ ہی اِسے آگاہ کر دیا گیا ہے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت و عرفان اور قرب و رضوان کے لئے پیدا کیا ہے۔صرف تمہارے دل میں ہی محبت کی چنگاری ڈالی گئی ہے۔اللہ تعالیٰ کے قرب کا شوق اور اس کے دیدار کا ذوق صرف تمہیں ہی ودیعت کیا گیا ہے۔لیکن یہ بات بھی واضح کر دی گئی کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کا سفر طے کرنے کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ کائنات کے اسرار و حقائق سے آگاہی حاصل کر کے مادی قوتوں اور فطرت کی طاقتوں کو تسخیر کر کے انسانیت کی بہتری کیلئے استعمال کیا جائے۔بقول علامہ اقبالؒ:۔

نہ تو زمین کے لئے ہے نہ آسماں کے لئے
جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لئے

اِسلامی فقر میں دنیا سے گریز اور رہبانیت کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ مردِ مومن کو دنیا کے تمام فرائض احسن طریقہ سے ادا کرتے ہوئے، مادی قوتوں کو کام میں لاتے اور نعمتوں سے مستفید ہوتے ہوئے بھی اِن کا غلام بن جانے کی ہرگز اجازت نہیں ہے بلکہ اِس کا مقصود و مطلوب اللہ تعالیٰ کا قرب اور اِس کی رضا ہوتا ہے۔

یہ عالم یہ ہنگامۂ رنگ و صوت
یہ عالم کہ ہے زیرِ فرمانِ موت
یہ عالم یہ بتخانہ چشم و گوش
جہاں زندگی ہے فقط خوردونوش
خودی کی یہ ہے منزلِ اوّلیں
مسافر یہ تیرا نشیمن نہیں
تری آگ اِس خاکداں سے نہیں
جہاں تجھ سے ہے تو جہاں سے نہیں
بڑھے جا یہ کوہِ گراں توڑ کر
طلسمِ زماں و مکاں توڑ کر
خودی شیرِ مولا جہاں اِس کا صَید
زمیں اِسکی صَید آسماں اِسکا صَید
یہ ہے مقصدِ گردشِ روزگار
کہ تیری خودی تجھ پہ ہو آشکار

ایمان اور قلب

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسان کو بہترین ظاہری اور باطنی صلاحیتوں اور نعمتوں سے نواز کر مادی دنیا کی پستی میں آزمائش کے لئے ڈال دیا۔ جیسا کہ سورۃ وَالتِّیْن میں ارشاد فرمایا ہے کہ "ہم نے انسان کو بہت اچھی صورت میں پیدا کیا پھر اِس کو پست سے پست حالت میں کر دیا۔ مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لئے بے انتہا اجر ہے"۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ انسان کسی پیدائشی حق کے طور پر اشرف المخلوقات نہیں بن

Markaz Taameer-i-millat, Waheed colony, Kot Shahan, Gujranwala, Pakistan. Contact: +92-0344-9000042
Silselah-i-Tauheediyah, Website: http://www.tauheediyah.com/

گیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ اہلیت عطاء فرمائی ہے کہ اگر وہ ایمان لا کر اللہ تعالیٰ کی ہدایت کا اِتباع کرے تو فرشتوں سے بہتر ہو سکتا ہے۔لیکن یہ راہ بڑی کٹھن اور محنت طلب ہے۔اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی سہولت کی خاطر اپنی رحمت سے ہر قوم کی طرف اپنے رسول بھیجے جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان کی دعوت دی تا کہ انسان حقیقت شناس بن کر اپنی حقیقی منزل کی طرف گامزن ہو سکیں۔جو لوگ اپنے خالق و مالک پر ایمان نہیں لاتے اِن کے بارے میں تو ارشاد ہوتا ہے:۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَo

(انفال۔55)

''جانداروں میں سب سے بدتر اللہ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو کافر ہیں سو وہ ایمان نہیں لاتے''۔

ایمان لانے ہی سے انسان کو اپنی ذات کی پہچان اور منزل کا شعور حاصل ہوتا ہے، جو شخص اللہ تعالیٰ کے وجود اور حیاتِ آخرت کا ہی منکر ہو اِس کی بدبختی اور گمراہی میں کیا شک و شبہ باقی رہ سکتا ہے۔جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

بَلِ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِی الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِیْدِo

(سباء۔8)

''بات یہ ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ آفت اور پرلے درجے کی گمراہی میں ہیں''۔

جہاں تک ایمان کا تعلق ہے اگر چہ اس کا اقرار تو زبان سے بھی کرنا ہوتا ہے۔لیکن اس کی تصدیق قلب سے ہوتی ہے۔اگر قلب ساتھ نہ دے تو صرف زبان کا اقرار تو منافقانہ کردار ہے۔ایسے شخص سے اللہ تعالیٰ کے قریب کرنے والے اعمال کی توقع کرنا ہی عبث ہے۔عملی زندگی میں اس کا ہر قدم اُسے اللہ سے دور کرتا اور جہنم کی گہرائیوں میں اُتارتا چلا جاتا ہے۔اِسی طرح جو لوگ زبانی اقرار میں تو مخلص ہوتے ہیں لیکن کم ہمت اور کم کوش ہوتے ہیں وہ بھی فرائض اور اعمال صالح میں کوتاہی کرتے ہیں اور اعلیٰ مدارج سے محروم رہ جاتے ہیں اور جو لوگ ایمان و عمل میں

کامل اور دوسروں سے سبقت لے جانے والے ہوتے ہیں وہ اللہ کے مقربین میں شامل ہو جاتے ہیں۔اِس طرح درجات کے لحاظ سے انسانوں کے تین گروہ بن جاتے ہیں۔

فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ط ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُo (فاطر۔32)

''تو کچھ اِن میں سے اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں اور کچھ میانہ رو ہیں اور کچھ اللہ کے حکم سے نیکیوں میں آگے نکل جانے والے ہیں۔یہی بڑا فضل ہے''۔

سورۃ واقعہ کے شروع میں بھی داہنے ہاتھ والے، بائیں ہاتھ والے اور سابقون کے نام سے انسانوں کا تین گروہوں میں بٹ جانے کا ذکر ہے۔مقربین کے گروہ میں شامل ہونے کیلئے زبانی کلامی ایمان سے کام نہیں بنتا بلکہ اِس کے لئے ضروری ہے کہ لذت ایمان دلوں کی گہرائیوں میں رچ بس جائے اور آزمائش کی ہر بھٹی سے کندن بن کر نکلے۔کیونکہ تمام عبادات کا مقصود مومن میں اعلیٰ اخلاق و کردار پیدا کرنا ہی ہے کیونکہ اِسی کا نام بزرگی اور ولایت ہے اور یہ اعلیٰ مقام آزمائشوں سے گذرے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا، اِسی لئے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا ہے:۔

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْا اَنْ يَّقُوْلُوْا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَo وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ o (عنکبوت۔1تا2)

''کیا لوگ یہ خیال کئے ہوئے ہیں کہ صرف یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے چھوڑ دیئے جائیں گے اور اُنکی آزمائش نہیں کی جائے گی اور جو لوگ اِن سے پہلے ہو چکے ہیں ہم نے اُنکو بھی آزمایا تھا اور اِن کو بھی آزمائیں گے۔سو اللہ اُن کو ضرور معلوم کریگا جو اپنے ایمان میں سچے ہیں اور اُنکو بھی جو جھوٹے ہیں''۔

يٰاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۔ (مائدۃ۔41)

''اے پیغمبر جو لوگ کفر میں جلدی کرتے ہیں اِن لوگوں میں سے جو منہ سے کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے لیکن اِن کے دل مومن نہیں ہیں اُنکی وجہ سے آپ غمناک نہ ہونا''۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ط قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا

يَدۡخُلِ الۡاِيۡمَانُ فِیۡ قُلُوۡبِكُم ط (حجرات-14)

''دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، آپ کہہ دیں کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں اور ایمان تو ہنوز تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا''۔

جب تک ایمان دل میں گھر نہ کرلے۔ جب تک دل کی سیاہی دور نہ ہو جائے جب تک دل اللہ تعالیٰ کی محبت کی حرارت سے زندہ نہ ہو جائے تب تک نہ تو ایمان کی حلاوت نصیب ہوتی ہے نہ ہی دل کے قرب کا سفر شروع ہوتا ہے، جب دل کی اصلاح ہو جائے تو جسم انسانی کے تمام اعضاء و جوارح درست کام کرنے لگتے ہیں۔ دل کی بیداری ہی سے حضور رحمۃ اللعالمین ﷺ کے اصحابہ کی مبارک جماعت خیر الامت قرار پائی اور اِس زندگی میں ہی انہیں رضی اللہ عنہم کا اعزاز عطا کیا گیا۔ اس عظیم سعادت کی بنیادی وجہ حضور نبی کریم ﷺ کی نظرِ رحمت اور فیضانِ صحبت ہے۔ آپ کی نورانی مجالس کے طفیل اللہ تعالیٰ کی محبت دلوں میں اِس طرح نفوذ کر جاتی تھی جو کسی دوسرے طریقے یا کثرتِ عبادت سے ممکن نہیں تھی۔ اِسی بناء پر یہ عقیدہ متفقہ ہے کہ کوئی غیر صحابی خواہ وہ کتنا ہی بڑا بزرگ کیوں نہ ہو کسی ادنیٰ صحابی کے برابر بھی نہیں ہو سکتا۔ صحابہ کرام کے فیض سے تابعین اور انکی صحبت سے تبع تابعین کی جماعت وجود میں آئی۔ رُوحانی توجہ، قلبی فیض، جذب دروں اور ایمان کی مقناطیسی کشش کے ذریعے دلوں کی اِصلاح کا طریقہ ہی اللہ والوں کی پہچان اور تصوف کے سلسلوں کی خصوصیت ہے۔ گلاب کے پھول کی رنگین تصویریں دیکھنے اور اُس کے بارے میں ضخیم کتابیں پڑھنے سے نہ گلاب کی خوشبو کا عرفان حاصل ہو سکتا ہے نہ اِس کی محبت دل میں جاگزین ہو سکتی ہے۔ اِس کے لئے حضور محسن انسانیت ﷺ نے راہنمائی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ''نیک آدمی کی صحبت عطار کی دکان کی مانند ہے''۔ اِن کے پاس گلاب کا عطر موجود ہوتا ہے وہ تمہیں بھی عطا کر دیں گے۔ اگر نہ مل سکا پھر بھی جتنی دیر وہاں بیٹھو گے خوشبو سے تو لطف اندوز ہو گے۔ اللہ تعالیٰ کے عارفوں اور مقربینِ بارگاہ بزرگوں کے وجود کی برکات کے بارے میں حکیم الامتؒ نے کیا خوب فرمایا ہے:-

دمِ عارف نسیمِ صبحدم ہے
اِسی سے ریشۂ معنی میں نم ہے
اگر کوئی شعیب آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

اِنسان کی خصوصیات

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسان کو اپنی محبت، معرفت، رضا اور قرب و دیدار حاصل کرنے کیلئے ہی پیدا فرمایا اور اِس اعلیٰ مقام کے حصول کیلئے اِسے اَنگنت ظاہری اور باطنی نعمتوں سے نوازا اور اِسے اشرف المخلوقات قرار دے کر خلافت ارضی کا تاج اِس کے سر پہ رکھ دیا۔ یہیں سے انسان کی جدوجہد کی راہیں دوسری ہر مخلوق سے مختلف اور منفرد ٹھہر گئیں اور اللہ کے قرب و دیدار کے اعلیٰ ترین مقامات صرف اِسی کے لئے وقف کر دیئے گئے۔ اِس عظیم تکوینی فیصلے کے اعلان کیلئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ **اِنِّیۡ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنۡ طِیۡنٍ o فَاِذَا سَوَّیۡتُہٗ وَنَفَخۡتُ فِیۡہِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ فَقَعُوۡا لَہٗ سٰجِدِیۡنَ o** ''میں مٹی سے ایک بشر بنانے والا ہوں پس جس وقت میں اِسے درست کرلوں اور پھونک دوں اِس کے اندر اپنی روح کا فیضان تو سب ملائکہ اِسے سجدہ کریں''۔ ہر مسلمان کو انسان کی اس اصل حقیقت سے آگاہ ہونا چاہیے اور اِس کی اہمیت سے دوسرے انسانوں کو بھی آگاہ کرنا چاہیے کیونکہ اللہ کے دین کی ساری تعلیم اِسی محور کے گرد گھومتی ہے اور تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اِسی لئے تشریف لائے کہ انسانوں کو اِن کی منزل مقصود کی یاددہانی کرا کے اِس کیلئے سیدھے راستے کی نشاندہی فرما دیں۔ اِس حقیقت سے بے خبری ہوگی تو نہ تعلیم کی قدر ہوگی نہ راہنماؤں کے لئے عزت و اکرام اور جاں نثاری کے جذبات پیدا ہونگے اور نہ ہی دوسرے انسانوں کی اصلاح و فلاح کے کام میں ولولہ و جوش پیدا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے نفخہء روح کے ساتھ ہی انسان کے اندر اللہ تعالیٰ کی محبت کا چراغ روشن ہوگیا اور اِس کے اندر وہ ظاہری اور باطنی خوبیاں بھی سرایت کر گئیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات کو صفات کے پردوں میں بھی پہچان سکیں۔ چنانچہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا:۔

ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيۡهِ مِنۡ رُّوۡحِهٖ وَجَعَلَ لَـكُمُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ وَالۡاَفۡـئِدَةَ ‌ؕ قَلِيۡلًا مَّا تَشۡكُرُوۡنَ o (السجدہ:۹)

پھر اس کو درست کیا پھر اس میں اپنی روح پھونکی اور تمہارے لئے کان، آنکھیں اور دل بنائے۔ تم بہت کم شکر کرتے ہو۔،،

اللہ تعالیٰ کی روح کے اثرات منتقل ہوتے ہی انسان سمیع و بصیر اور صاحبِ قلب و دماغ بن

گیا ۔اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ نور کے طفیل ہی وہ اس قابل ہوا کہ اس کی ذات کا قرب وعرفان حاصل کر سکے اور اسکی پیدا کی ہوئی چیزوں کے نام اور انکی صفات کو معلوم کر کے انہیں اپنی خدمت میں لگا سکے ۔اس حقیقت کو قرآن نے ''وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا '' کہہ کر بیان فرمایا ہے ۔یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم کو ہر شے کا نام سکھا دیا ۔اب اللہ تعالیٰ انسان کی اہلیت اور فرشتوں پر اس کی فضیلت ثابت کرنے کے لئے ایک امتحان کا انتظام فرماتے ہیں ۔فرشتوں کو یہ زعم تھا اور اِس کا انہوں نے دعویٰ بھی کیا کہ ''ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح وتقدیس کرتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے'' ۔اب یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ اگر ایک موجد کی بنائی ہوئی کسی ایجاد کے فوائد، نظام بلکہ اس کے نام سے بھی ہم آگاہ نہ ہوں تو اس کے بنانے والے کی ذہانت اور مہارت کی تعریف کا حق کیسے ادا کر سکتے ہیں ۔''اللہ تعالیٰ نے بھی کچھ اشیاء فرشتوں کے سامنے کر کے فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو مجھے اِن کے اسماء وصفات بتا دو ۔ انہوں نے عرض کیا تو پاک ہے جتنا علم تو نے ہمیں بخشا ہے اِس کے سوا ہمیں کچھ معلوم نہیں ۔بے شک تو علم والا اور حکمت والا ہے ۔تب اللہ نے فرمایا اے آدم تم اِن کو اِن چیزوں کے نام بتاؤ ۔ جب انہوں نے اُن کے نام بتائے تو فرشتوں سے فرمایا کیوں میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو مجھ کو معلوم ہے''۔ (البقرہ ۔31 تا 33)

اِس طرح فرشتوں پر آدم کی فضیلت اور خلافت ارضی کیلئے موزونیت ثابت کر دی گئی تو پھر انہیں حکم دیا گیا کہ اِس کی برتری تسلیم کرتے ہوئے اِسے سجدہ کرو ۔

شرف اِنسانیت

قرآن کریم میں یہ بتایا گیا ہے کہ کائنات کی ہر شے اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس اور حمد وثناء کرتی ہے ۔اِس کو سجدہ کرتی ہے اور ہمہ وقت اِس کی اطاعت میں لگی ہوئی ہے لیکن وہ تسبیح جس پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو پیار آ جائے ،وہ حمد وثناء جو اِس ذات پاک کے شایان شان ہو، وہ سجدہ جس سے زمین وآسمان وجد میں آ جائیں ، بندگی کی وہ ادا جو بندے کو عبدہٗ بنا کر محبوبیت کے مقام پر فائز کر دے صرف انسان کے لئے مقدر کر دی گئی ۔اللہ تعالیٰ کی محبت کی

خلعتِ فاخرہ حضرت انسان کے وجود کے سوا کسی دوسری مخلوق پر سج ہی نہ سکی ۔ یہ فرمان عالی شان صرف اولادِ آدم کے حق میں ہی کیا گیا ۔ یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ (مائدۃ ۔54) کہ "اللہ اُن سے محبت کرتا ہے اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں" ۔ یہ امر بہت بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ اللہ تعالٰی نے روزِ ازل سے ہی جو شرف انسان کو عطا فرمائے انہیں اچھی طرح ذہن نشین کر لیا جائے اور اِن کی خوب اشاعت کی جائے، تا کہ پوری دنیا میں اِکرامِ انسانیت اور فلاحِ آدمیت کے چلن کو فروغ ملے اور تہذیب اپنے کمال کو پہنچے ۔

برتر از گردوں مقامِ آدمی
اصلِ تہذیب ، احترامِ آدمی

اللہ تعالٰی کی اطاعت و بندگی میں دوسری مخلوق بھی شامل ہے لیکن وہ خصوصی اعزازات ملاحظہ فرمائیں ۔ جن کی وجہ سے انسان سب سے ممتاز اور منفرد ٹھہرا ۔

(1) وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ ۔ کا اعزاز صرف انسان کو عطا کیا گیا ۔ اِس میں جنات اور ملائکہ کو بھی شامل نہیں کیا گیا ۔ اِس کی برکت ہی سے وہ اشرف المخلوقات ٹھہرا اور نبوت و رسالت کا مقدس منصب بھی اِس کی اولاد کیلئے وقف کر دیا گیا ۔ اِسی بناء پر اِسے مسجودِ ملائکہ بنایا گیا ۔ اِس لئے ضروری ہے کہ بنی نوع انسان خود آگاہی بھی حاصل کرے اور ہر ہر فرد کا من حیث الانسان عزت و اکرام کرے ۔ اللہ تعالٰی کا فرمان ہے کہ ساری مخلوق میرا کنبہ ہے ۔

اور حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی اپنی مخلوق سے ستر ماؤں سے بھی زیادہ محبت کرتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کی تعلیم میں انسان کی جان و مال اور اسکی عزت و آبرو کی حفاظت کو اولیت دی گئی ہے اسی ضمن میں سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے بانی قبلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے چند ارشادات آپ کی راہنمائی کیلئے درج کئے جا رہے ہیں :۔

(1) "مخلوق سے محبت اِس واسطے ضروری ہے کہ وہ اللہ کی بنائی ہوئی ہے اور اسکی سب سے پیاری نشانی ہے اور اُس کی اَنگنت صفات کی مظہر ہے" ۔

(2) "اگر تم ولی اللہ بننا چاہتے ہو اور تمہاری خواہش ہے کہ اللہ تعالٰی تمہارے ساتھ محبت کرے تو ضروری ہے کہ تم اُس کی مخلوق سے محبت کرو" ۔

(3) "مخلوق سے محبت کا مطلب خاص طور پر یہ ہے کہ تم کسی کو حقیر و ذلیل نہ سمجھو اور کسی سے نفرت نہ کرو"۔

(4) "کسی گنہگار سے اُس کے گناہوں کی وجہ سے نفرت نہیں کرنی چاہیے بلکہ تم کو اُس پر رحم آنا چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا رہا ہے"۔

انسان جو اپنی اصل میں خدا داد عظمت اور فوقیت کا حامل ہے اگر کسی وجہ سے راہِ منزل سے بھٹک بھی جائے تو اِس کے ابنائے جنس کو یہ ہرگز زیب نہیں دیتا کہ اُسے نفرت کی نگاہ سے دیکھیں یا ذلیل و رُسوا کریں۔ چنانچہ علامہ اقبالؒ کے عالمگیر محبت کے افکار ملاحظہ ہوں:۔

حرفِ بد را برلب آوردن خطا است
کافر و مومن ہمہ خلق خدا است
آدمیت ، احترامِ آدمی
باخبر شو از مقامِ آدمی
بندۂ عشق از خدا گیرد طریق
می شود بر کافر و مومن شفیق
فطرتِ مسلم سراپا شفقت است
خلق را دست و زبانش رحمت است

(2) **وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا**۔ یہ اعزاز بھی قابلِ صد افتخار ہے کہ اللہ تعالیٰ خود معلم بنے اور حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام سکھا دیئے۔ دوسرے معنوں میں یوں کہہ لیجئے کہ خلافت ارضی کا فریضہ ادا کرنے کیلئے جس قدر علوم ضروری تھے وہ تمام انسان کی سرشت میں ودیعت فرما دیئے۔ چیزوں کے نام سکھانے سے مراد اِن کی صفات و اثرات سے آگاہی بھی ہے تا کہ انسان حیاتِ ارضی کے دوران اپنے خالق و مالک کے بنائے ہوئے جہان پر تدبر و تفکر کرے اور تمام اشیاء کو تسخیر کر کے اپنی خدمت میں لگا سکے۔ اِس سے نہ صرف انسان کی قوت و دسترس اور زندگی کی سہولتوں میں اضافہ ہوگا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے میدان میں بھی آگے بڑھتا چلا جائے گا۔

کھولی ہیں ذوقِ دید نے آنکھیں تیری اگر
ہر رہگذر میں نقشِ کفِ پائے یار دیکھ

اللہ تعالیٰ نے چیزوں کے نام سکھا کر انسان کو سائنسی علوم کی راہ پر ڈال دیا۔ اور اِس علم کی بدولت فرشتوں پر آدم کی فضیلت ثابت کر کے یہ اصول قائم کر دیا کہ دنیا میں بھی جو قوم اپنی علمی برتری ثابت کرے گی اُسی کے ہاتھ میں اقوام عالم کی قیادت وسیادت رہے گی۔

جو عالمِ ایجاد میں ہے صاحبِ ایجاد
ہر دور میں کرتا ہے طواف اُس کا زمانہ

روزِ ازل سے جو جذبہ اور داعیہ آدم علیہ السلام کی رُوح میں سمو دیا گیا تھا یہ اسی کا ثمرہ ہے کہ انسان ہر شے کی حقیقت جاننے، مظاہر فطرت کی کنہ تک پہنچنے اور خوب سے خوب تر کی جستجو کے سفر میں نسل بعد نسل اور قدم بقدم ترقی کرتا ہوا کہاں سے کہاں تک پہنچ گیا ہے اور اللہ ہی جانے کہاں جا کر ٹھہرے گا۔ اس بات کا بھی امکان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو صلاحیتیں اور قوتیں انسان کو عطا کر رکھی ہیں اِن کے اظہار کے لئے حیاتِ ارضی کا عرصہ کافی نہ ہو اور عالمِ آخرت بھی انسان کے لئے جولاں گاہ بن جائے۔ علم کی اہمیت کے پیشِ نظر قرآن کریم میں کائنات کی تخلیق اور مظاہر فطرت میں تدبر و تفکر کرنے کے بارے میں سات سو سے بھی زیادہ مرتبہ ترغیب دی گئی ہے اور حکم عدولی کی صورت میں سزا کی وعید بھی سنائی گئی ہے۔ قارئین کرام یہ بات ذہن میں رکھیں کہ قرآن و احادیث میں دینی اور دُنیوی علوم کی تقسیم کہیں نظر نہیں آتی۔ قرآن کریم میں اللہ علیم و خبیر نے خود یہ دُعا مانگنے کا حکم دیا ہے۔ **رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا**o ''اے میرے رب میرے علم میں اضافہ فرما''۔

حضور سرورِ کائنات ﷺ نے نہ صرف اپنی بلکہ پوری اُمت کی طرف سے تمام سائنسی علوم کے حصول کیلئے جامع ترین الفاظ میں ایک دُعا فرمایا کرتے تھے۔ **اَللّٰهُمَّ اَرِنَا حَقَائِقَ كُلِّ الْاَشْيَاءِ كَمَا هِيَ** ''اے اللہ ہمیں تمام اشیاء کی اصل حقیقت سے آگاہ فرما''۔

اور یہ بھی آپ کا فرمان ہے کہ ''**اَلْعِلْمُ سَلَاحِيْ**'' یعنی ''علم میرا ہتھیار ہے''

یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ قوت اور ہتھیار کے نافع اور غیر نافع ہونے کا انحصار اس امر پر ہوتا ہے کہ وہ کس شخص یا قوم کے ہاتھ میں ہے۔ جب بندوق کسی بدمعاش کے ہاتھ میں ہوگی تو عوام

کے جان و مال کیلئے خطرہ کا باعث بنے گی اور جب کسی مجاہد کے پاس ہوگی تو معاشرہ کی حفاظت کی ضامن ہوگی۔ علم اور ٹیکنالوجی سے انسان کی قوت اور رفتارِ کار کئی گنا بڑھ جاتی ہے اِس سے اچھایا برا کام لینا انسان کے کردار پر منحصر ہے۔ جب پہلا انسان قتل ہوا تھا تو اُس وقت کوئی ہتھیار ایجاد نہیں ہوا تھا لیکن جب قابیل کے دل میں فساد برپا ہوگیا تو اِس نے اپنے ہاتھ کی طاقت ہی سے کسی نہ کسی طرح اپنے بھائی کی جان لے لی۔ اِنسان نے جتنے بھی ہتھیار ایجاد کئے ہیں اِن کو چلانے کے لئے ان کے پیچھے انسانی ہاتھ ہی کارفرما ہوتا ہے۔ ہاتھوں کو انگریزی میں آرمز (ARMS) کہتے ہیں اور ہر قسم کے اسلحہ کو بھی آرمز (ARMS) ہی کا نام دیا گیا ہے۔ یہ بھی انسان کے ہاتھ ہی ہیں لیکن علم کی بدولت اِس نے ان کی ہیئت بدل ڈالی ہے۔ اُردو میں بھی ہر وہ مشین جو انسانی ہاتھ کیلئے مددگار ثابت ہو اُسے ہتھیار کا نام دینا ہی موزوں ہے۔ انسانی ہاتھوں کے پیچھے فیصلہ کن قوت اُسکی قوتِ ارادی ہوتی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اِس سارے فلسفے کو ''قوت'' کے موضوع پر ایک شعر میں بند کر دیا۔

بے دیں ہو، تو ہے زہر ہلاہل سے بھی بڑھ کر
ہو دیں کی حمایت میں، تو ہر زہر کا تریاک

علم اَسماء کی ایک تعبیر یہ بھی ہے کہ جب زمین پر انسان کا ظہور ہوا تو کائنات کی ''اشیاء'' تو موجود تھیں لیکن اُن کے اَسماء نہیں تھے۔ یعنی سب چیزیں بے نام تھیں اور اُنکی کوئی پہچان یا شناخت نہیں تھی۔ اللہ تعالٰی کے سکھائے ہوئے علم الاسماء کی بدولت یہ عظیم کارنامہ انسان نے سرانجام دینا تھا کہ وہ تمام چیزوں کے خواص معلوم کر کے اِن کے مطابق ہر ایک کیلئے مناسب اور موزوں اِسم یعنی نام مخصوص کرے۔ اِس عظیم چیلنج نے اِنسان کے سامنے جمادات، نباتات اور حیوانات کے وسیع عوالم اور کائنات کی لامحدود وسعتوں میں پھیلی ہوئی انگنت کہکشاؤں اور ذرات کے اندر مچلتی ہوئی ایٹمی تماشہ گاہوں کو لاکھڑا کیا۔ اِس کے نتیجے میں سینکڑوں نئے علوم دریافت ہوئے اور آگے جا کر اِن کی ہزاروں شاخیں بن گئیں اور کروڑوں کی تعداد میں کتابیں لکھی گئیں، لیکن چیزوں کے خواص معلوم کر کے اُنہیں مناسب نام دینے کا کام ہنوز تشنۂ تکمیل ہے، اِس مشن کی کامیابی کیلئے اولین اقدام یہ ہونا چاہیے کہ کرہ ارض کی ساری آبادی کو شایانِ شان معیار کے

مطابق نورِ تعلیم سے آراستہ کیا جائے۔اِسی طرح تمام علمی انکشافات اور سائنسی ایجادات کو اپنی اپنی قوموں میں محدود کرنے کی بجائے انہیں انسانی ورثہ قرار دے کر سب قوموں میں عام کیا جائے تا کہ پوری انسانیت فلاح و کامرانی سے ہمکنار ہو سکے۔علم کی دولت کو عام کرنے اور پورے عرصہ حیات میں اس کے ساتھ تعلق قائم رکھنے کیلئے جو ہدایات حضور نبی کریم ﷺ نے ارشادفرمائیں اِن کی افادیت ظاہروباہر ہے آپ بھی سنیں:۔

☆ علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔

☆ گودسے گور تک علم کی جستجو میں لگے رہو۔

☆ اِس مومن میں کوئی بھلائی نہیں جو نہ طالب علم ہو نہ اُستاد۔

3۔**بارِ امانت**:۔انسان نے تاج خلافت پہنا تو اِس پر ایک سرخاب کا پر بھی ٹانک لیا اور وہ تھا بارِ امانت کا اُٹھانا۔قرآن کریم میں اِس واقعہ کا ذکر سورۃ احزاب کی آخری دو آیات میں کیا گیا ہے۔

ترجمہ! ''ہم نے امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کو دکھائی تو انہوں نے قبول نہ کیا کہ اس کو اٹھائیں اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اِس کو اٹھالیا۔بے شک وہ ظالم اور جاہل تھا۔تا کہ اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے۔اور اللہ مومن مردوں اور مومن عورتوں پر مہربانی فرمائے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے''۔

یہ گراں بار امانت اللہ تعالیٰ کی محبت کی تھی اور جو بھی مخلوق اِسے قبول کرتی اُسے اُس کے اعمال کے لئے ذمہ دار قرار دے کر جزا و سزا کا مستحق قرار دیا جانا تھا اِس لئے اس ابتلا میں پڑنے کے لئے کوئی تیار نہ ہوا لیکن حضرت انسان جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا ہی اپنی محبت کیلئے کیا تھا وہ شہادت گاہ اُلفت میں کود پڑا۔اِس امانت کے اُٹھانے میں بھی دوسری کوئی مخلوق شامل نہیں ہے۔

(4)**عہدِ الست**:۔قرآن کریم میں سورہ الاعراف کی آیات 172 تا 174 میں بیان کیا گیا ہے کہ عالم ارواح میں اللہ تعالیٰ نے صرف ارواح اولادِ آدم ہی سے یہ عہد اور اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو تمام ارواح نے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب تسلیم کیا۔اِس طرح انسان کو اپنے رب کی بندگی کرنے کا پابند کر دیا گیا اور جو لوگ اِس عہد کو توڑیں گے وہ سزا کے مستحق ٹھہریں

گے۔حیاتِ ارضی سے پہلے لئے گئے یہ عہدوپیمان صرف ایک ہی حقیقت کی نشاندہی کرتے ہیں کہ انسان کواللہ تعالیٰ نے دوسری تمام مخلوق پر فضیلت عطا کی اور وہ خاص مقصد جس کیلئے اِسے یہ شرف بخشا گیا وہ اللہ تعالیٰ کی محبت ہے اور اِس عظیم امانت کواللہ تعالیٰ کے لئے ہی وقف رکھنا انسان کی کامرانی ہے۔حیاتِ ارضی کے دوران اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی دعوت قبول کرنے کا مطلب اِن عہدوں کی تجدید ہے اور کلمہ طیبہ **لا اِلٰہ اِلا اللّٰہ** کااقرار اس عقیدہ کااعلان ہے کہ میری محبوب ترین ہستی اللہ ہے۔وہی میرا رب یعنی آقاومالک ہے اور مجھے اِسی کی بندگی اور غلامی کرنی ہے۔میں اپنی جان اور جوکچھ میری ملکیت ہے سب اللہ کے نام وقف کرتا ہوں اور اب میرا جینا اور مرنا ربُّ العالمین کے لئے ہے۔اب میری منزل اللہ تعالیٰ کاقرب ہے جس کی خاطر مجھے متاعِ دُنیا کی ترغیبات اور مادی لذات کی رکاوٹوں کوعبور کرتے چلا جانا ہے۔مجھے اللہ تعالیٰ کی محبت کی خلعت فاخرہ کویوں احتیاط کے ساتھ سمیٹ کر چلنا ہے کہ خارزارِ حیات کی جھاڑیوں کے کانٹے اِس امانت کوداغدار نہ کرپائیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اِس کی رضااور قرب و دیدار کی نعمت سے نوازا جاؤں۔

کمالِ زندگی دیدارِ ذات است
طریقش رستن از بندِ جہات است

مومن کیلئے اللہ تعالیٰ نے فقر کا یہی راستہ پسند فرمایا ہے کہ وہ دنیا کے سارے فرائض ادا کرتے ہوئے دنیا کی کسی چیز سے دل نہ لگائے۔کام ودہن کی لذات اور نفس کی خواہشات میں پھنس کر رہ جانا تو حیوانیت کا شیوہ ہے اور جوانسان اللہ تعالیٰ کے نور سے غذا حاصل کرتے ہیں وہ قرآن بن جاتے ہیں۔اِس لئے انسان کی فلاح اِسی میں ہے کہ معدہ کی بجائے دل کی پرورش کی فکر کرے تاکہ اس کاتعلق اللہ تعالیٰ سے قائم ہوجائے۔بقول مولانا رومؒ

ہر کہ کاہ و جو خورد قرباں شود
ہر کہ نورِ حق خورد قرآں شود
معدہ را بگذار سوئے دل خرام
تا کہ بے پردہ زحق آید سلام

اوپر بیان کئے گئے روحانی اعزازات نے جہاں انسان کو اِس کے مقصودِ حیات اور روحانی ہدف سے آگاہ کیا وہاں دُنیوی زندگی میں اخوت و مساوات کا سنہری اصول بھی عطا کر دیا۔ قرآن کریم کے ذریعے یہ تعلیم دی گئی کہ مسجودِ ملائکہ ہونے کے ناطے ہر انسان قابلِ احترام ہے۔ عہدِ الست میں ہر روح نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کو تسلیم کیا تھا اِس لئے حضور نبی کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق ہر انسان پیدائشی طور پر مسلم ہی ہوتا ہے چاہے وہ کسی گھرانے میں جنم لے۔ اگرچہ بعد میں وہ نصرانی یا یہودی بن جائے لیکن اہلِ ایمان کو چاہئے کہ اِسے پیدائشی مسلمان سمجھتے ہوئے محبت اور رحمت کی نظر سے دیکھیں۔ یہ حقیقت بھی بیان کر دی گئی کہ تمام انسانوں کا "رَب" بھی ایک ہے اور "اَب" یعنی باپ بھی ایک ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ فرما کر کہ "تمام مخلوق میرا کنبہ ہے" اور "اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے ستر ماؤں سے بھی زیادہ پیار کرتا ہے"۔ انسانوں کے درمیان باہمی محبت، اخوت اور مساوات کی وسیع بنیادیں فراہم کر دیں۔ حضور رحمۃ اللعالمین ﷺ نے آخری حج کے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ "کسی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر یا گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر کوئی فضیلت اور برتری حاصل نہیں مگر صرف تقویٰ کی بنیاد پر"۔ یعنی رنگ و نسل کی بنیاد پر کسی انسان کو کوئی شرف حاصل نہیں ہے لیکن تم میں سے جو مادی متاعِ غرور کے فریب سے بچ گیا اور اللہ کی محبت کے سفر میں دوسروں پر سبقت لے گیا وہی اللہ کے ہاں زیادہ عزت و اکرام والا ہے۔

دُنیا کی جاہ و حشمت اور مال و اولاد کی کثرت چاہے کتنی ہی کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ کے قرب میں ہرگز مددگار نہیں بن سکتی۔ کامیاب وہی ہوں گے جو دنیا کی آلائشوں سے پاک اور اللہ تعالیٰ کی محبت سے معمور دل لے کر آئیں گے۔ جیسا کہ سورۃ شعرآء میں آیا ہے:۔

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَo اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍo

"اُس دن نہ مال ہی کچھ فائدہ دے گا اور نہ بیٹے۔ مگر وہ شخص جو اللہ کے پاس پاک دل لے کر آئے"۔

اللہ تعالیٰ سے شدید محبت

جیسا کہ بیان کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اِنسان کو خاص اپنی محبت کیلئے ہی پیدا فرمایا، اِس لئے ضروری ٹھہرا کہ اللہ تعالیٰ کے دین میں اِس کو بنیادی اور اساسی

اہمیت دی جائے اور مقصودِ حیات کے حصول کیلئے راہنمائی مکمل اور طریق کار واضح ہو۔ چنانچہ اللہ تعالٰی سے شدید محبت کو اہل ایمان کی علامت قرار دیتے ہوئے قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے:۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۔(البقرہ۔165)

''اور بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا ہستیوں کو اس کا شریک بناتے اور ان سے اللہ کی سی محبت کرتے ہیں لیکن وہ جو ایمان والے ہیں وہ اللہ سے شدید محبت کرتے ہیں''۔

اللہ تعالٰی سے شدید محبت یعنی عشق الٰہی کا راستہ ہی فقر محمدیؐ ہے۔ اللہ تعالٰی سے ایسی محبت ہو کہ کسی دوسری شے کی محبت نہ اس پر غالب آ سکے نہ ہی اس کی راہ میں حائل ہو سکے۔ بلکہ اللہ تعالٰی اہل ایمان کے بارے میں یہ فرماتے ہیں:۔

اِنَّ اللّٰـهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ط (التوبہ۔111)

''بے شک اللہ نے مومنوں سے انکی جانیں اور انکے مال جنت کے بدلے میں خرید لئے ہیں''۔

گویا ایمان لانے کے ساتھ ہی مومن کی جان اور مال کے حقوق مالکِ حقیقی کے نام منتقل کرنے پڑتے ہیں۔ اب دونوں پر من مرضی کی بجائے مولا مرضی چلے گی۔ عبد کے یہی معنی ہیں کہ جس شخص کی اپنی مرضی کوئی نہ ہو بلکہ وہ اپنے آقا کی مرضی کے تحت ہو۔ عہدِ الست کی یہی غرض و غایت تھی کہ حیاتِ ارضی کے دوران انسان اللہ تعالٰی کو اپنا رب مان کر صرف اُسکی بندگی کرے کیونکہ یہی وہ صراطِ مستقیم ہے جو اسے اللہ تک پہنچا دے گی۔

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ

(آل عمران۔51)

''بے شک اللہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی۔ اُسی کی بندگی کرو کہ یہی سیدھا راستہ ہے''۔

دینِ اسلام کا سارا نظام، کثرت ذکر، زکوٰۃ و صلوٰۃ اور دیگر فرائض و مستحبات کا پورا نصاب ایک ہی محور کے گرد گھومتا ہے کہ انسان جسم و جان کی راحت، نفس کی لذت، اہل و عیال کی محبت اور دولت کی ہوا و ہوس کو قربان کرتا ہوا ہر لحظہ ہر آن ہر دن اللہ تعالٰی کی محبت کے صراطِ مستقیم پر آگے بڑھتا چلا جائے اور اس کے مقربین کے زمرہ میں شامل ہو جائے۔

اِتباع واطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ تعالیٰ کے آخری رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام پوری انسانیت کے محسن اور راہنما بن کر آئے۔ آپ کی تشریف آوری سے انسانوں کیلئے آسمانی آئین کی تکمیل ہوگئی۔ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہےتو پھر بلا شک وشبہ اِسکی تعلیم جدید ترین ہے۔ اِس کے نزول سے پروردگار کی طرف سے رحمت، روشنی اور راہنمائی کے سامان اپنے کمال کو پہنچ گئے۔ اب دین اسلام کے علاوہ دوسرا کوئی آئین حیات اللہ تعالیٰ قبول نہ فرمائے گا۔ نہ ہی پوری انسانیت کی طرف سے اِسے سندِ قبولیت حاصل ہو سکے گی اور نہ ہی اِس پر عمل پیرا ہونے والے اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کر کے مقبول بارگاہ بن سکیں گے۔ اِس لئے اِس دین کو مزید کسی جدت اور روشن خیالی کی قطعاً ضرورت نہیں ہے کیونکہ حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد ہی سےتو ہم پرستی اور جہالت کا دور اپنے انجام کو پہنچا اور روشن خیالی اور تجرباتی سائنس کے جدید دور کی ابتدا ہوئی۔ اب نور، رحمت، ہدایت، ترقی اور امن وامان کے سامان صرف اور صرف قرآن اور اسلام کے اندر ہیں اور جو کچھ اِن سے باہر ہے وہ ظلمت، جہالت اور تعصب کی پیداوار اور فساد فی الارض کا سامان ہے۔ مادہ پرست مغربیت نے اِنسانی تہذیب کو زوال سے ہمکنار کر کے حیوانیت کی سطح پر لا کھڑا کیا ہے۔ مقصودِ حیات سے یکسر غافل اور روحانیت واخلاق عالیہ سے عاری اِس ماڈرن اِزم کیلئے جہالت جدیدہ کا نام ہی موزوں ترین ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبی آخر الزمان ہیں اِس لئے اب دوسرا کوئی نبی نہیں آئے گا۔ لیکن نبوت ختم نہیں ہوگئی، بلکہ مستقل قرار پائی کیونکہ دنیا کے اختتام تک اب آپ کی نبوت کا دور ہے۔ اب انسانیت کیلئے اپنی حقیقی منزلِ مقصود تک پہنچنے کیلئے صرف ایک ہی راستہ ہے کہ آپ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے کلمہ طیبہ کے شجرِ مبارکہ کے سایہ میں پناہ لے۔ لا اِلٰہ اِلا اللہ کا اقرار کر کے اللہ کی محبت بھری عبادت کو اپنا مقصود قرار دے اور محمد رسول اللہ کی ابدی فضیلت کو تسلیم کر کے آپ کے دامنِ رحمت کو تھام کر منزلِ مقصود تک رسائی حاصل کر لے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرمایا کہ یہ اعلان فرما دیں:۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ

ذُنُوْبَكُمْ ط وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ٥ قُلْ اَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ٥ (اٰل عمران۔31 تا32)

''اے پیغمبرؐ آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کریگا اور تمہارے گناہ معاف کردیگا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ یہ بھی کہہ دیں کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اگر وہ نہ مانیں تو اللہ بھی کافروں سے محبت نہیں کرتا''۔

عالم روحانی میں جو عہدو پیان ہوئے اِن کے اثرات ہر انسان کی روح اور دماغ میں ثبت ہوتے ہیں۔ دُنیا میں اللہ پر ایمان لانے کی دعوت سن کر اور کسی اللہ والے کے روحانی فیض سے یہ دبی ہوئی چنگاری جاگ اُٹھے اور اللہ کی محبت کا حصول مقصودِ حیات بن جائے تو ایسے نیک بختوں کے لئے یہ فرمان جاری ہوا کہ میرا اتباع کرو میں تمہیں منزل سے ہمکنار کروں گا اور تم اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کرلو گے اور تمہاری ساری خطائیں بھی معاف کردی جائیں گی۔ پس تم دینِ اسلام یعنی اللہ تعالیٰ اور اِسکے رسول ﷺ کی اطاعت میں پوری طرح داخل ہو جاؤ۔ اور جو لوگ اِس سعادت سے رُوگردانی کریں تو اللہ تعالیٰ کی بے نیاز ذات بھی ایسے بدبختوں کو پسند نہیں کرتی۔

جب اللہ تعالیٰ کی محبت اور معرفت سے آشنائی ہو جائے تو پھر دل متاعِ دُنیا کی محبت سے بیگانہ ہونے لگتا ہے۔ **صِبْغَةُ اللّٰه** ۔ یعنی اللہ کے رنگ کا آغاز ہو جائے تو قلب سوزو گداز سے آشنا ہو جاتا ہے۔ عبادات کی کیفیت ہی بدل جاتی ہے۔ نمازیں حضوری والی اور دُعائیں منظوری والی بنتی چلی جاتی ہیں۔ کثرتِ ذکر کی برکت سے انسان کا ریشہ ریشہ لذتِ عشق سے سرشار ہو جاتا ہے اور سانس کے تاروں پر صرف محبوب کے نام کا نغمہ ہی سنائی دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پیار کی خواہش اور اِسکے جمال جہاں آرا کے دیدار کی تڑپ میں مچلتے ہوئے سانس کی بلند پروازی کے متعلق مولانا رومؒ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

سیرِ زاہد ہر شبے یک روزہ راہ
سیرِ عارف ہر دمے تا تختِ شاہ

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی محبت کے طالبین یعنی مومنین پر بہت بڑا احسان فرمایا کہ حضور محسنِ انسانیت، افضل البشر، سید الانبیاء احمد مجتبیٰ محمد مصطفٰے علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہ صرف اُنکے تزکیہ و تعلیم

کیلئے مبعوث فرمایا بلکہ اِن کی حیات طیبہ کو مومنین کیلئے ایک عمدہ مثال، پسندیدہ معیار اور بہترین عملی نمونہ بھی قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب میں جو کچھ تحریر ہے آپ اِس کی چلتی پھرتی تصویر زندہ تعبیر اور عملی تفسیر تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَ كَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا (الاحزاب:21)

اِس آیت مبارکہ میں بھی غور فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کی حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کا حسین نمونہ صرف اِن لوگوں کے لئے ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو اپنا مقصود اور محبوب بنا لیا اور حیاتِ آخرت کو سنوارنے کی فکر میں لگ گئے۔ اللہ تعالیٰ سے اِن کی شدید محبت کا یہ عالم ہے کہ اِس کی یاد سے کبھی غافل نہیں ہوتے اور چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے اور پہلوؤں پر لیٹے اللہ ہی کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔

اُولُو الْاَلباب

کثرت ذکر کے احکام و فضائل سے آپ بھی واقف ہیں۔ قرآن کریم میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کا ذکر فرمایا ہے کہ اُن کے پہلو خوابگاہوں سے دور رہتے اور راتیں سجود و قیام میں گذارتے ہیں۔ حضورؐ کی سیرت مبارکہ میں بھی نفل نمازوں کے دوران لمبے لمبے سجدوں اور طویل قیام کے واقعات رقم ہیں۔ لیکن مردِ مومن کی زندگی کا دوسرا پہلو علم کی قوت سے مادی طاقتوں کی تسخیر ہے۔ جیسا کہ ''علم الاسماء'' کے عنوان کے تحت ہم مختصراً بیان کر آئے ہیں۔ اِس پر عمل کرنا بھی ارکانِ اسلام کی پابندی کی طرح ہی اہم ہے۔

علومِ جدید اور قوتِ حدید سے حاصل کردہ ٹیکنالوجی کے بغیر اللہ تعالیٰ کے اِس فرمان پر کیونکر عمل ہو سکتا ہے کہ ''جہاں تک ہو سکے زرائع قوت اور تیار گھوڑوں یعنی ذرائع مواصلات سے مستعد رہو کہ اِس سے اللہ اور تمہارے کھلے دشمنوں اور اُنکے سوا دوسرے لوگوں پر جن کو تم نہیں جانتے لیکن اللہ انہیں جانتا ہے ہیبت چھائی رہے''۔ (الانفال۔60) چنانچہ مسلمانوں نے اِن احکام پر بھی کما حقہٗ عمل کیا اور تقریباً ایک ہزار برس تک تمام علوم و فنون میں دنیا کی امامت کرتے رہے اور اِسی کے بل بوتے پر اقوام عالم پر اپنی سیادت قائم رکھی۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو تسخیر و ایجاد کی جو صلاحیتیں عطا کر رکھی ہیں اِن کا یہی تقاضہ ہے کہ وہ اپنے اردگرد پھیلی ہوئی کائنات پر اپنا تصرف قائم کرے۔

فقرِ مومن چیست تسخیرِ جہات
بندہ از تاثیرِ اُو مولا صفات
ہستیِ اُو بے جہات اندر جہات
اُو حریم و در طوافش کائنات

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں اپنے پسندیدہ بندوں کو" **اُولِی الْاَلْبَاب** "فرمایا ہے۔ جس کے معنی دانشور اور اہلِ شعور بھی کئے جاتے ہیں لیکن اِنہیں متلاشیانِ مغز یا اہلِ حقیقت کہنا زیادہ مناسب ہے۔ اُن کی خصوصیات اِس طرح بیان کی گئی ہیں:۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ o اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ o (اٰل عمران: 190 تا 191)

"بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات دن کے بدل بدل کر آنے جانے میں اہلِ حقیقت کیلئے نشانیاں ہیں جو کھڑے اور بیٹھے ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور و فکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب آپ نے اِسے بے فائدہ نہیں پیدا فرمایا۔ آپ پاک ہیں آپ ہمیں آگ کے عذاب سے بچالیں"۔

اِس آیت کی ترجمانی کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ نے فرمایا:۔

فقرِ قرآں اِختلاطِ ذکر و فکر
فکر را کامل نہ دیدم جز بہ ذکر

قرآن کا فقر ذکر اور فکر میں تفرقہ نہیں ڈالتا بلکہ دونوں کو اکٹھا کرتا ہے۔ اِس تعلیم میں بنیاد کثرتِ ذکر کو بنایا گیا ہے اور یہ راز بھی بتا دیا گیا کہ اللہ کے ذکر کے نور کے بغیر عقل اپنے کمال کو پہنچ ہی نہیں سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ مشاہیرِ اسلام میں اکثریت اہلِ ذکر ہی کی ہوتی ہے۔ جس طرح یہ کہا جاتا ہے کہ اگر دین کو سیاست سے علیحدہ کر دیا جائے تو چنگیزی رہ جاتی ہے اِسی طرح اگر ذکر و فکر میں جدائی ہو جائے تو رُہبانیت اور لادینیت جنم لیتی ہے۔ رہبانیت دینِ اسلام میں منع ہے۔

یہاں اللہ تعالیٰ کی محبت کی راہ دنیا میں رہتے اور تمام حقوق ادا کرتے ہوئے طے کرنا پڑتی ہے۔ اولادِ آدم ہونے کے ناطے سے خلافتِ ارضی کے منصب کا یہ تقاضہ ہے کہ ہر انسان اپنی زندگی میں کوئی نہ کوئی تخلیقی کام ضرور سرانجام دے جس سے انسانی زندگی میں بہتری آئے اور سہولت میں اضافہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے آدم کو جو فضیلت عطا کی شیطان نے اِسے تسلیم نہ کیا تو کافر قرار پایا۔ اِسی طرح جو انسان اپنی تخلیقی قوت سے انکار کرے یا اِسے بروئے کار نہ لائے تو اقبالؒ اِسے بھی کافر ہی گردانتے ہیں۔

ہر کہ اُورا قوتِ تخلیق نیست
پیشِ ما جز کافر و زندیق نیست

اِس لئے موجودہ پستی کی کیفیت سے نکلنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ اُمت کے نوجوانوں میں بامقصد تعلیم کے ذریعے تخلیقی قوتوں کو بیدار کیا جائے۔ پورے عالم اسلام میں سائنس کی ترقی اور ٹیکنالوجی کا جال بچھا دیا جائے تا کہ صنعت و حرفت اور جنگی سازوسامان کے میدان میں امت خود کفیل ہو جائے۔ غیروں سے مانگے ہوئے تکنیک کے ہتھیار اور آسائشوں کے انبار اکٹھے کر لینے سے اُمتِ مسلمہ دنیا میں کوئی اہم کردار ادا نہیں کر سکتی۔ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ خصوصی اعزازات اور غلبہ مومنین کے سچے وعدے کے پیشِ نظر اُمت کے اندر سے یہ جذبہ اُبھرنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت پر بھروسہ کرتے ہوئے ہمیں خود اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا ہے اور سائنس اور ٹیکنالوجی اور کردار کی قوت سے دُنیا میں محبت، اخوت، مساوات، عدل و انصاف، رواداری، اکرامِ انسانیت اور فلاحِ آدمیت کے حامل اللہ تعالیٰ کے دین کو نافذ کرنا ہے تا کہ بنی نوع انسان کو انسانوں کی غلامی اور بنیادی ضروریات کی محتاجی سے نجات ملے۔ اِس مقصد کے لئے جدید علوم کا حصول ناگزیر ہے اور اسے دوسری اقوام سے حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ جن لوگوں کو ماضی قریب ہی میں یہ علوم ہم نے خود منتقل کئے تھے اِن سے آج سیکھنے میں کوئی عار نہیں ہونی چاہیئے۔ صرف اِسی طرح ہم اِس کوتاہی کا ازالہ کر سکتے ہیں جو اللہ کے دین پر عمل میں ہم سے سرزد ہوئی۔ لیکن اِس کیلئے ہمیں اسلام کی ابدی صداقتوں اور لازوال اصولوں کو چھوڑنے یا بدلنے کی قطعی ضرورت نہیں بلکہ اپنے غلط اندازِ فکر اور غیر اسلامی طرزِ حیات کو خیر باد کہہ کر اپنے آپ کو اِن کے

مطابق ڈھالنے کی ضرورت ہے۔

قوموں کی ترقی کسی خاص طرز کا لباس یا فیشن کا انداز اپنانے سے نہیں بلکہ علوم وفنون کے اِرتقاء سے ہوتی ہے۔اِس کے لئے ذہانت، فطانت اور بصیرت وبصارت کے حامل علماء و محققین درکار ہوتے ہیں۔اِس کے لئے تدبر و فکر اور تجسس کی عادت ہونی چاہیے۔اشیاء کی حقیقت جاننے اور اُن پر حکمرانی کرنے کا ولولہ ہونا چاہیے۔اِس راہ میں کامیابی کیلئے باریک بین نگاہ اور فکر رسا کا ساتھ ضروری ہوتا ہے اور یہ سب خوبیاں صحیح ذہنی تربیت سے پیدا ہوتی ہیں۔اگر اندازِ فکر اور سمتِ سفر درست ہوں تو شلوار قمیض پہننا یا داڑھی رکھنا سائنسی ترقی کی راہ میں ہرگز حائل نہیں ہوتے۔گذشتہ صدی کے بیشتر مغربی سائنسدان، مفکر اور موجد داڑھیوں والے ہی تھے۔یورپی اقوام کی ترقی کا عورتوں کے ننگے بازوؤں اور عریاں ٹانگوں کے ساتھ رقص کرنے، شراب پینے اور مختصر لباس پہننے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے ورنہ اِس بنیاد پر افریقی اقوام کو سب سے زیادہ ترقی یافتہ ہونا چاہیئے تھا۔حکیم الا مت علامہ اقبالؒ نے مشرقی اقوام کو مغربی تمدن کی فحاشی، بے حیائی کی تقلید کرنے کی بجائے اِن سے علوم وفنون سیکھنے کی نصیحت کرتے ہوئے جاوید نامہ میں بڑے موثر انداز میں فرمایا۔

قوت مغرب نہ از چنگ و رباب
نے ز رقصِ دُختران بے حجاب
نے از سحر ساحران لالہ رُوست
نے ز عریاں ساق و نے از قطع مُوست
محکمی اُورا نہ از لادینی است
نے فروغش از خطِ لاطینی است
قوت افرنگ از علم و فن است
از ہمیں آتش چراغش روشن است
حکمت از قطع و بریدِ جامہ نیست
مانعِ علم و ہنر عمامہ نیست
علم و فن را اے جوانِ شوخ و شنگ

مغربی بایہ نہ ملبوسِ فرنگ
اندریں رہ جز نگہ مطلوب نیست
ایں کلہ یا آں کلہ مطلوب نیست
فکر چالاکے اگر داری بس است
طبع دراکے اگر داری بس است

اعمال کی ذمہ داری

آپ سب آگاہ ہیں کہ بہت سے حقوق ایسے ہیں جو انسان کی بلوغت کی عمر کو پہنچنے پر ہی ملتے ہیں۔ کیونکہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس عمر کے انسان کی عقل پختہ اور درست فیصلے کرنے کی اہل ہو جاتی ہے اور اِس سے بجا طور پر یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنے اقوال و افعال میں ذمہ داری کا مظاہرہ کرے گا اور جو اختیارات اِسے سونپے جائیں گے اِن کا غلط اِستعمال نہیں کرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ شناختی کارڈ، رائے دہی کا حق، اسلحہ اور ڈرائیونگ لائسنس وغیرہ بالغ ہونے سے قبل نہیں مل سکتے۔ اللہ تعالیٰ کی دوسری مخلوق کے مقابلہ میں انسان کا مقام بھی ایک عاقل، بالغ اور ذمہ دار ہستی کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین صلاحیتوں سے نواز کر اِسے دوسری مخلوق پر فضیلت بخشی۔ اِس کی روح کے اندر تفتیش، تحقیق، تسخیر اور تعمیر کا قوی جذبہ سمو دیا اور ساتھ ہی اِسے حسن و جمال کا گہرا شعور دے کر عشق و محبت سے لبریز دل بھی بخشا تا کہ وہ خاکی و نوری عوالم کو تسخیر کرتا ہوا اللہ تعالیٰ کی محبت کے سفر میں بھی ترقی کرتا چلا جائے۔ اِنسان کو سوچنے سمجھنے کی قوت اور نیک و بد کی تمیز بھی عطا کی گئی ہے اور خود فیصلہ کرنے کا اختیار اور عمل میں اِنتخاب کی آزادی سے بھی نوازا گیا ہے۔ یہی وہ امانت یا ٹرسٹ ہے جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔ یہ آزادی ہی انسان کا امتحان ہے اور اِسی کی وجہ سے دُنیوی قوانین میں بھی اِسے اپنے اعمال کا ذمہ دار گردانا جاتا ہے اور آخرت میں بھی جزا و سزا کا مستحق ٹھہرے گا۔ ہبوطِ آدم کے موقعہ پر ہی یہ حکم دیا گیا تھا۔

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ o وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا

بِاٰيٰتِنَا اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَo(البقرہ38تا39)

''ہم نے فرمایا کہ تم سب یہاں سے اُتر جاؤ، جب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو اِس کی پیروی کرنا کہ جنہوں نے میری ہدایت کی پیروی کی اُنکو کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہونگے۔اور جنہوں نے قبول نہ کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ دوزخ میں جانے والے ہیں اور وہ ہمیشہ اِس میں رہیں گے''۔

جہاں اِنتخاب کا اختیار ہوتا ہے وہاں اختلاف کا ہونا لازمی ہوتا ہے۔اِس لئے اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر عمل کے معاملہ میں بھی انسانوں کے دو گروہ ضرور بنیں گے۔انسان کے مقابلے میں جمادات،نباتات اور حیوانات کی دُنیا ہے۔اِن سب کے شعور کی سطح انسان کے مقابلے میں پست ہے اِس لئے انہیں آزادئ فکر و عمل سے محروم رکھا گیا ہے۔اِن کے لئے جو بھی وظیفہ حیات اللہ تعالیٰ نے مقرر اور مقدر کر دیا وہ اسے ادا کرنے کے پابند ہیں۔وہ اِس میں کوئی ترمیم یا انحراف کرنے کے اہل نہیں ہیں۔اِس لئے یہ بات جان لینی چاہیے کہ جبری تقدیر والا نظام انسان کے لئے نہیں بلکہ نباتات و جمادات کیلئے ہے۔انسان کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کا نظام قائم فرمایا ہے۔جو لوگ اللہ تعالیٰ کے اتارے ہوئے احکام کی پابندی کریں گے وہ دنیا و آخرت میں سرخرو ہو جائیں گے اور جو اپنے اختیار کا غلط اِستعمال کر کے کفر اور نافرمانی کی راہ پر چل نکلیں گے خسارہ اُٹھانے والے بن جائیں گے۔اِنسان کے لئے اِس کا فیصلہ کرنا بڑا آسان ہے کہ نباتات و جمادات کی مانند مجبور زندگی کی تقدیر والا عقیدہ اپنانے میں عزت و اکرام ہے یا آزادئ فکر و عمل کے ساتھ اپنے خالق و مالک کی ہدایت کے مطابق اِسکی محبت کا سفر طے کرنے میں۔

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:۔

پابندی تقدیر کہ پابندی احکام
یہ مسئلہ مشکل نہیں اے مردِ خرد مند
تقدیر کے پابند ہیں نباتات و جمادات
مومن فقط احکامِ الٰہی کا ہے پابند

شیطان کا کردار

دنیا میں بھی جب کسی کو اعلیٰ اور اہم منصب پر فائز کرنا مطلوب ہو تو نہ صرف اس کے اخلاق و کردار اور خاندانی پس منظر کے بارے میں تحقیق کی جاتی ہے بلکہ اِسے سخت قسم کی تربیت سے بھی گذارا جاتا ہے تا کہ اس کی وفاداری اور پختگی کے بارے میں اطمینان ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ بھی چاہتا ہے کہ انسان کو اپنے حریمِ محبت میں داخل کرنے سے پہلے اِسے اچھی طرح آزمائے اور اس کے خلوص کی پرکھ کرلے۔ اِس کے لئے ایک خاص کارندے کی ضرورت تھی جو مکروفریب، ترغیب وتحریص اور جھوٹے وعدوں کے ذریعے انسان کو اللہ تعالیٰ کی محبت واطاعت کے صراط مستقیم سے ہٹانے کی کوشش کرے۔ اِس منفی کردار کیلئے قرعہ فال ابلیس کے نام نکلا اور وہ اپنا کام بڑی مستعدی کے ساتھ انجام دے رہا ہے۔ وہ انسان کو دنیا کی زیب و زینت، لہو ولعب، فضول تماشوں اور لاحاصل سرگرمیوں میں ایسا الجھاتا ہے کہ وہ نماز اور ذکر کو ہی بھول جاتا ہے۔ اِسے کثرتِ مال اور مادی لذات کی دوڑ میں ایسا دیوانہ بنا دیتا ہے کہ وہ روحانی کیفیات سے یکسر بیگانہ اور اطمینانِ قلب سے محروم ہو جاتا ہے۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ طاقت ہمیشہ رکاوٹوں کا مقابلہ کرنے سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ اگر شیطان کی مخالفت نہ ہوتی تو انسان کی محبت اور اخلاص کا امتحان کیونکر ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے اِسی حکمت کے تحت قائد حزب اختلاف کو انسان سے بھی پہلے پیدا کیا اور پھر اِس کے مدمقابل کھڑا کر کے آگاہ کر دیا کہ:۔

اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌo وَّاَنِ اعْبُدُوْنِیْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌo (یاسین۔60 تا 61)

''شیطان کو نہ پوجنا وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور یہ کہ میری ہی عبادت کرنا یہی سیدھا راستہ ہے''

یہ بات آپ کبھی ذہن میں نہ لائیں کہ شیطان اللہ تعالیٰ کی مخالف یا مدمقابل کوئی ہستی ہے بلکہ اِس کی ساری تگ ودو انسان کے خلاف ہے اور اللہ تعالیٰ کی منظوری سے ہی اِسے یہ ڈیوٹی ملی ہے۔ وہ انسانوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا اور دنیا کی محبت میں مبتلا کر کے صراط مستقیم سے ہٹانے کیلئے اِس کے گرد جھوٹے وعدوں اور خوابوں کے جال بنتا رہتا ہے۔ لیکن اسے اتنا غلبہ اور زور ہرگز حاصل نہیں ہے کہ اللہ پر توکل کرنے والے مخلص بندوں کو زبردستی کر کے راہ راست سے ہٹا سکے۔ چنانچہ شیطان نے آدم علیہ السلام کو سجدہ سے انکار کرنے کے بعد خود ہی یہ بیان کر دیا کہ ''پروردگار جیسا کہ تو نے مجھے رستے سے الگ کیا ہے میں بھی زمین میں لوگوں کے لئے گناہوں

کو آراستہ کر کے دکھاؤں گا اور سب کو بہکاؤں گا سوائے اُن کے جو اُن میں تیرے مخلص بندے ہوں گے''۔(الحجر۔39 تا 40)

اللہ تعالٰی کا بھی فرمان ہے کہ شیطان کو غلبہ حاصل نہیں ہے لیکن اس کے ذریعے ہم آزمائش کرتے ہیں کہ آخرت پر پختہ ایمان رکھنے والے کون ہیں اور کچے ایمان والے کون ہیں۔آیت الٰہی ملاحظہ ہو:۔

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ٥ وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ ط وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ٥ (سبا۔20 تا 21)

''اور شیطان نے اِن کے بارے میں اپنا خیال سچ کر دکھایا کہ مومنوں کی ایک جماعت کے سوا وہ سب اِس کے پیچھے چل پڑے اور اُس کا ان پر کچھ زور نہ تھا مگر مقصود یہ تھا کہ جو لوگ آخرت میں شک رکھتے ہیں اُن سے اُن لوگوں کو جو ایمان رکھتے تھے ہم متمیز کر دیں''۔

اللہ تعالٰی کے دین کا سارا نظام انسان کے استحکام کے لئے ہے تا کہ وہ اسلام میں داخل ہو کر راستے کی ساری رکاوٹوں کو عبور کر سکے اور حریم کبریاء تک پہنچ جائے۔جس طرح تعلیمی نظام میں امتحانات اِس لئے رکھے جاتے ہیں کہ اہل لوگوں کو اگلے درجات میں ترقی دی جائے اِسی طرح اہل ایمان کو شیطان کی پیدا کردہ رکاوٹوں کے چیلنج کا عزم و ہمت کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہئے تا کہ اللہ تعالٰی کے فضل سے اس کی رضا حاصل کر سکیں۔کچھ لوگ اپنی کج فہمی اور کم ہمتی کی بناء پر یہ شکوہ کرتے رہتے ہیں کہ اللہ تعالٰی نے شیطان کو پیدا کر کے ہمارے لئے کیوں مصیبت کھڑی کر دی۔ قرآن کریم بیان کرتا ہے کہ میدانِ حشر میں اِس کا جواب شیطان خود یوں دے گا:۔

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَ وَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ۔ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْا اَنْفُسَكُمْ٥ (ابراہیم۔22)

''جب حساب کتاب کا وقت فیصل ہو چکے گا تو شیطان کہے گا کہ جو وعدہ اللہ نے تم سے کیا تھا وہ تو سچا تھا اور جو وعدہ میں نے تم سے کیا تھا وہ جھوٹا تھا اور میرا تم پر کسی طرح کا زور نہیں تھا۔ہاں میں نے تم کو گمراہی کی طرف بلایا تو تم نے میرا کہنا مان لیا۔تو مجھے ملامت نہ کرو اپنے آپ کو ملامت کرو''۔

اب رہی یہ بات کہ وہ لوگ کون سی خوبیوں کے حامل ہوتے ہیں جن پر شیطان کا داؤ نہیں چلتا اور وہ کون سی خامی یا کوتاہی ہے جس کی وجہ سے انسان اِس کیلئے آسان شکار ثابت ہوتا ہے۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان سنیئے:۔

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ o اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ o اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ (النحل۔98 تا100)

''جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو۔ جو مومن ہیں اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں ان پر اِسکا کچھ زور نہیں چلتا۔ اِس کا زور اُنہی لوگوں پر چلتا ہے جو اُس کو رفیق بناتے ہیں اور اِن لوگوں پر جو اللہ کے ساتھ شریک مقرر کرتے ہیں''۔

شیطان جو کردار ادا کرتا ہے وہ رکاوٹوں والی دوڑ میں رکاوٹیں کھڑی کرنے والوں کا سا ہے کہ وہ بھی انتظامیہ کے ہی ملازم ہوتے ہیں اور اِن رکاوٹوں کی وجہ ہی سے کھلاڑیوں کی درجہ بندی کی جاتی ہے۔ اِس لئے وسیع تناظر میں دیکھا جائے تو ابلیس بھی سرکار ہی کا ملازم ہے۔ ایک مرتبہ قبلہ حضرت عبدالحکیم انصاری رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ شیطان تو اللہ تعالیٰ کی توحید کا گارڈ ہے جو اس نے اپنے بنگلے کے باہر کھڑا کر رکھا ہے کہ حتیٰ الوسع کسی کو اندر نہ آنے دو۔ لہٰذا جو کوئی بھی وہاں تک پہنچ پاتا ہے اِسے وہ فوجی پہریدار کی طرح چیلنج کر کے کہتا ہے (HALT) ٹھہرو! تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو۔ وہ کہتا ہے کہ مجھے اللہ سے ملنا ہے تو شیطان اِسے جواب دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ کوئی بھی ہماری خلوت میں مخل نہ ہو۔ اِس لئے تم وہ غرض بتاؤ جس کی خاطر تم دربار میں حاضری چاہتے ہو۔ تمہیں دولت، صحت، قوت، شہرت، عزت، عظمت، منصب اور شان وشوکت میں سے کس نعمت کی طلب ہے؟ اگر کوئی سالک انہی میں سے کسی کا خواہشمند ہو تو شیطان اِسے وہیں سے واپس لوٹا دیتا ہے کہ جاؤ تمہاری طلب پوری کر دی جائے گی۔ پھر کوئی نہ کوئی اللہ تعالیٰ کا سچا طالب آ ہی جاتا ہے جو شیطان کو جواب میں کہتا ہے کہ جو فہرست تم نے گنوائی ہے مجھے اِن میں سے کسی سے بھی کوئی غرض نہیں ہے مجھے تو صرف اپنے محبوب اللہ کے دیدار کی طلب ہے۔ اِس پر شیطان انٹر کام پر اللہ تعالیٰ کو اطلاع دیتا ہے کہ آپ کا ایک مخلص بندہ آیا ہے جس کے سامنے میرے سارے حربے ناکام ہو گئے ہیں وہ آپ کے دیدار سے کم کسی بات پر راضی ہوتا ہی

نہیں۔اِس پر اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے کہ اگر ایسا ہے تو اِس کے گیٹ پاس پر اپنی مہر لگا دو۔شیطان مہر لگا کر اِسے سلام کرتا اور اِس کیلئے دروازہ کھول دیتا ہے۔اِس لئے اتنی اہم ڈیوٹی والے سرکاری اہلکار سے زیادہ چھیڑ چھاڑ کی بھی ضرورت نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے شیطان کے اثرات سے بچنے کے جو طریقے بتا رکھے ہیں ان پر عمل پیرا رہنا کافی ہے۔نہ ہی اس سے خوف زدہ ہونے کی ضرورت ہے کیونکہ ''اَللّٰه وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا'' کے مطابق اللہ تعالیٰ خود مومنین کا حمایتی اور مددگار ہے۔سورۃ احزاب میں یہ بھی آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود مومنین کا حمایتی اور مددگار ہے۔سورۃ احزاب میں یہ بھی آیا ہے کہ اللہ اور اُسکے فرشتے مومنوں پر درود و رحمت بھیجتے ہیں تا کہ انہیں اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لے جائیں۔اِن بشارتوں کے ہوتے ہوئے ایک جن سے خوف کھانا مومن کو زیب نہیں دیتا۔مومن کو چاہیے کہ شیطان کے مکروفریب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتا رہے کہ وہی ہمارا سہارا ہے۔اللہ کا ذکر کثرت سے کرے اور راضی برضا رہے کہ یہی ہمارا قلعہ ہے۔اتباعِ نفس اور ہوا وہوس سے بچے کہ اِسی کے راستے ہی سے شیطان دلوں میں داخل ہوتا ہے۔اِس ضمن میں ایک اور بات بھی یاد آ گئی ہے کی شیطان کو مارنے یا نفس کشی کی فضول اور لاحاصل مہم جوئی میں نہیں پڑنا چاہیے۔ہمارے اپنے سلسلے کے کئی بھائیوں نے شیطان پر ریسرچ کرنے میں برس ہا برس ضائع کر دیئے۔اسلام میں نفس کشی کی بجائے اِصلاحِ نفس کی تعلیم دی گئی ہے۔علامہ اقبالؒ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

کشتنِ ابلیس کارے مشکل است
زانکہ او گم اندر اعماقِ دِل است
خوشتر آں باشد مسلمانش کُنی
کشتہ، شمشیر قُرآنش کُنی

یعنی ابلیس کو مارنا بہت مشکل ہے کیونکہ وہ تو دل کی گہرائیوں میں چھپا بیٹھا ہے اور جسم میں خون کی طرح گردش کرتا ہے۔بہتر یہ ہے کہ اِسے مسلمان بنا کر اللہ کی اطاعت کی راہ پر لگا دیا جائے اور قرآن اور حق پر عمل کی تلوار سے اِسے مارا جائے۔ویسے بھی قرآن کریم میں بتایا گیا ہے کہ شیطان نے اپنا مشن شروع کرنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ سے طویل عمر کی مہلت منظور کرائی تھی۔

اِنسان کے نام

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡم

صِراطِ مُستقیم

اللہ سُبحانہ وتعالٰی نے انسان کو احسن تقویم یعنی بہترین صلاحیتوں کے ساتھ پیدا فرما کر اُس میں اپنی روح کا فیض ڈالا اور اِسے علم الاشیاء عطا فرما کر مسجود ملائک کا اعزاز بخشا۔ ان خصوصی فضائل کے ساتھ ساتھ اس پر ایک بہت بھاری ذمہ داری بھی ڈالی گئی۔ ایک امانت جس کو اُٹھانے سے زمین وآسمان اور پہاڑوں نے گریز کیا اِسے انسان کی خطر پسند طبیعت نے قبول کرلیا۔ اِس طرح اس نے اپنے آپ کو اعمال کا ذمہ دار اور جزا وسزا کا مستحق ٹھہرالیا۔ اِسی طرح زندگی اس کیلئے آزمائش وابتلا کا دور بن گئی جس میں اِسے مادی لذات اور نفسانی خواہشات کی دلفریبیوں، متاعِ دُنیا کے دھوکوں اور اپنے سب سے بڑے دشمن شیطان کے ہتھکنڈوں سے بچنا ہے اور اللہ تعالٰی کی بندگی کے صراط مستقیم پر چلتے ہوئے اُس کی محبت کو کمال تک پہنچانا اور اس کا قرب ودیدار حاصل کرنا ہے۔ یہ بات سمجھنے کی ہے کہ صراطِ مستقیم کسی پگڈنڈی یا لکیر کا نام نہیں بلکہ یہ شاہراہِ حیات ہے جسے **قَصۡدُ السَّبِيۡلِ** کہا گیا ہے۔ یہ اللہ تعالٰی کی راہ ہے۔ یہ بندوں کو اللہ تعالٰی سے ملانے والی راہ ہے۔ اللہ تعالٰی کے سارے رسولوں نے اِسی راہ پر چلنے کی دعوت دی۔ اللہ تعالٰی کے انعام یافتہ لوگ اسی راہ پر چلے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے:۔

وَكَذٰلِكَ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ رُوۡحًا مِّنۡ اَمۡرِنَا ؕ مَا كُنۡتَ تَدۡرِىۡ مَا الۡكِتٰبُ وَلَا الۡاِيۡمَانُ وَلٰكِنۡ جَعَلۡنٰهُ نُوۡرًا نَّهۡدِىۡ بِهٖ مَنۡ نَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ لَتَهۡدِىۡۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ۙ o صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِىۡ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ اَلَاۤ اِلَى اللّٰهِ تَصِيۡرُ الۡاُمُوۡرُ o (الشوریٰ:52-53)

''اور اِس طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے امر سے رُوح وحی کی۔ آپ نہ جانتے تھے کہ کیا

ہے کتاب اور نہ ایمان۔ لیکن ہم نے بنایا ہے اس کو نور جس سے ہم راہ سُجھا دیتے ہیں جس کو چاہیں اپنے بندوں میں سے۔ اور بے شک آپ رہنمائی کرتے ہیں صراط مستقیم کی طرف۔ جو کہ راہ ہے اللہ کی۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ جان لیں کہ اللہ ہی تک پہنچتے ہیں سب کام"۔

عالمِ ارواح میں اللہ تعالیٰ نے اولادِ آدم سے ایک اہم ترین بات کا عہد لیا جس پر ان کی حیاتِ ارضی کی کامیابی کا دارومدار تھا۔ وہ عہد تھا کہ کیا مجھے اپنا رب یعنی آقا و مالک تسلیم کرتے ہو۔ اِس عہدِ الست سے ہر انسان پابند ہو گیا کہ وہ زندگی میں اللہ تعالیٰ کو اپنا رب تسلیم کرلے اور پورے اخلاص کے ساتھ اس کا بندہ یعنی غلام بن کر اس کے دیئے ہوئے نظامِ حیات کے مطابق اپنی زندگی گذارے تا کہ اسے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو جائے۔ اگر انسان اپنے نفس کی خواہشات کی پیروی کرے گا تو یہ شیطان کی بندگی شمار ہو گی اور وہ راہ راست سے ہٹ جائے گا۔ مندرجہ ذیل آیت مبارکہ ملاحظہ فرمائیں تو واضح ہو جائے گا کہ یہ بات عہدالست کا ہی حصہ ہے۔

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ o وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ۔ (یٰسین:60-61)

"اے آدم کی اولاد کیا میں نے تم سے عہد نہ لیا تھا کہ شیطان کی بندگی نہ کرنا کہ بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اور یہ کہ بندگی میری ہی کرنا یہی صراط مستقیم ہے"۔

اِسی حقیقت کو قرآن میں انبیاء علیہم السلام کی زبان سے کئی مقامات پر بیان کیا گیا ہے کہ

اَللّٰهُ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ o

(آل عمران:51، مریم:36، زخرف:64)

یعنی میرا بھی اور تمہارا بھی رب اللہ ہے۔ اِسی کی بندگی کرو یہی صراط مستقیم ہے۔ اللہ ہی ساری کائنات کا رب ہے۔ جس طرح زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اللہ کی اطاعت میں لگے ہوئے ہیں انسان کی کامیابی اِسی میں ہے کہ وہ بھی اپنے مالک اور محبوب حقیقی کے سامنے سرنگوں ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کے دین کا بنیادی اصول اور دعوت کا مرکزی کلمہ ہمیشہ ایک ہی رہا۔ چنانچہ سورت الانبیاء آیت نمبر 25 میں ارشاد ہوا ہے کہ "جو پیغمبر ہم نے آپ سے پہلے بھیجے ان کی طرف یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس میری ہی بندگی کرو"۔ چنانچہ ہم

سورت الاعراف میں دیکھتے ہیں کہ حضرت نوح (آیت ۔59) حضرت ھود (آیت ۔65) حضرت صالح (آیت ۔73) حضرت شعیب (آیت ۔85) علیہم السلام نے اپنی اپنی قوموں کو ایک ہی کلمہ سے دعوت دی جو یہ تھا:۔

یٰقَوْمِ اعْبُدُوْا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ○

''اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو۔اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں''۔

لیکن اولادِ آدم کا کیا ہی کہنا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے صاحبِ ارادہ بنا کر اِنتخاب و اِختیار کی آزادی کی آزمائش میں ڈال دیا تو پھر اعمال میں اختلاف کا واقع ہونا ناگزیر تھا۔ایک گروہ نے تو اللہ کی عطا کی ہوئی آزادی کو مادر پدر آزادی سمجھ لیا اور اللہ سے کئے ہوئے عہد و پیمان کو پس پشت ڈال کر اس دنیا ہی کے ہو کر رہ گئے۔اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا آپ بھلا دیا۔اس طرح وہ بڑی آسانی سے ابلیس کی سینوں میں وسوسہ ڈالنے والی پوشیدہ سروس اور انسانی صورت میں اس کے خفیہ ایجنٹوں کا شکار ہو گئے۔انہیں یاد ہی نہ رہا کہ ہمارے اللہ نے تربیت اور آزمائش کی خاطر ہمیں عارضی طور پر اس زمین پر بھیجا ہے اور آخر کار ہمیں اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہو کر اپنے اعمال کی جوابدہی کرنی ہے۔ان کو گمراہی کے اندھیروں سے نکالنے کیلئے جب بھی اللہ تعالیٰ کا کوئی پیغمبر آیا تو ان بدبختوں نے اِسے صرف جھٹلایا ہی نہیں بلکہ طرح طرح کی اذیتیں دیکر ستایا بھی اور کئی ایک کو تو جان ہی سے مار ڈالا۔اللہ تعالیٰ نے اظہارِ افسوس کرتے ہوئے فرمایا:۔

يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَاْتِيْهِمْ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ○
(یاسین:31)

''افسوس ہے بندوں پر۔کہ جب بھی کوئی رسول ان کے پاس آیا تو اُنہوں نے اِس کا ٹھٹھا اُڑایا''۔

اگر بداعمالیوں کے سبب انسان کی فطرت مسخ اور دل ٹیڑھا یا زنگ آلود نہ ہو گیا ہو تو عہدِ الست کے اثرات کی بنا پر اس کے اندر وہ جذبہ زندہ رہتا ہے جو رسولوں کی دی ہوئی اس فطری دعوت پر کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ میں کشش محسوس کرتا اور اسے قبول کر لیتا ہے۔قرآن کریم کی

اس آیت پر ذرا غور فرمایئے:

مَالَكُمْ لَاتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَo (الحدید۔8)

''تمہیں کیا ہو گیا کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے ہو اور رسول تمہیں تمہارے اپنے رب پر ایمان لانے کی دعوت دے رہا ہے اور اُس نے تم سے عہد بھی لے رکھا ہے اگر تم یقین کرو''۔

لیکن ہر ایک کے نصیب میں یہ سعادت کہاں کہ انبیاء کی دعوت پر ایمان لا کر اللہ سے کئے ہوئے عہد کو پورا کر لیتا اور فلاحِ دارین حاصل کر لیتا۔ اللہ تعالیٰ نے میثاقِ الست کو توڑنے والوں اور اس سے وفا کرنے والوں کے بارے میں جو ارشاد فرمایا ان آیات کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:۔

''اور ہم نے اُن میں سے اکثروں میں عہد کا نباہ نہیں دیکھا اور اُن میں اکثروں کو بدکار ہی دیکھا''۔ (الاعراف:102)

''ہاں جو شخص اپنے عہد کو پورا کرے اور تقویٰ اختیار کرے تو اللہ متقین کو دوست رکھتا ہے۔ جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی سی قیمت کے عوض بیچ ڈالتے ہیں اُن کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں۔ ان سے اللہ نہ تو کلام کرے گا اور نہ قیامت کے روز ان کی طرف نگاہ کرے گا اور نہ ان کو پاک کریگا۔ اور ان کو دکھ دینے والا عذاب ہوگا''۔ (آل عمران:76-77)

''جو اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور میثاق کو نہیں توڑتے اور جن رشتہ ہائے قرابت کو جوڑے رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے ان کو جوڑے رکھتے اور اپنے رب سے ڈرتے رہتے اور بُرے حساب سے خوف رکھتے ہیں۔ اور جو مال ہم نے انکو دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں۔ اور نیکی سے برائی کو دور کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کیلئے عاقبت کا گھر ہے۔ یعنی ہمیشہ رہنے کے باغات جن میں وہ داخل ہوں گے۔ اور انکے باپ دادا اور بیبیوں اور اولاد میں سے جو نیکوکار ہوں گے وہ بھی بہشت میں جائیں گے۔ اور فرشتے ہر ایک دروازے سے اُن کے پاس آئیں گے اور کہیں گے تم پر رحمت ہو یہ تمہارے صبر کا بدلا ہے اور عاقبت کا گھر بہت خوب ہے۔ اور جو لوگ اللہ کے ساتھ کئے گئے عہد واثق کو توڑ ڈالتے اور جن رشتہ ہائے قرابت کے جوڑے رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے ان کو قطع کر دیتے ہیں اور ملک میں فساد کرتے ہیں ایسوں پر

لعنت ہے اور اِنکے لئے گھر بھی برا ہے"۔ (الرعد:20 تا 25)

قرآن کریم کی اِن آیات سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی میں زندگی گذارنے کا نام ہی صراط مستقیم پر چلنا ہے۔ اور بندگی کا کمال ہی انسانیت کی معراج ہے۔ سب سے اعلیٰ اور اُونچا مقام "عبدیّت" ہے جس پر ہمارے آقا و سردار، نبی رؤف و رحیم، رحمۃ اللعالمین سید الانبیاء احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ علیہ ﷺ فائز ہیں اور ہم میں سے ہر ایک اس حقیقت کی گواہی دیتا ہے۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ط

اللہ تعالیٰ کی بندگی والا راستہ ہی وہ سیدھا راستہ ہے جو بندے کو خدا تک پہنچاتا ہے اور جس پر چلنے کی دُعا نماز کی ہر رکعت میں کی جاتی ہے کیونکہ اِس پر چلنے ہی سے مومن اس زمرہ میں شامل ہو سکتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے انعام و اکرام فرمایا۔ ہم پیچھے بیان کر آئے ہیں کہ صراط مستقیم اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے اس کے علاوہ یہ بھی ارشاد ہوا ہے: **اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ** o (ھود:56) "بے شک میرا رب صراط مستقیم پر ہے"۔

اِسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں فرمایا گیا۔

اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ o عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ o (یٰسین:2-3)

"بے شک آپ پیغمبروں میں سے ہیں اور صراط مستقیم پر ہیں"۔

اور آپ ہی کو **دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ** بنا کر بھیجا گیا کہ بنی نوع انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائیں اور صراط مستقیم پر چلائیں۔

لیکن اللہ تعالیٰ کی بندگی کے اس سیدھے راستے میں بہت سے خطرات بھی پوشیدہ ہیں۔ کیونکہ اِسی راہ پر بنی نوع انسان کے ایک نظر نہ آنے والے ازلی دشمن یعنی شیطان نے جگہ جگہ ناکے لگا رکھے ہیں۔ اس نے اللہ تعالیٰ کے سامنے ہی اپنے عزم اور طریقہ واردات کا اعلان کرتے ہوئے کہا تھا:۔

قَالَ فَبِمَا اَغْوَيْتَنِیْ لَاَقْعُدَنَّ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ o ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ

مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَo (اعراف:16-17)

''شیطان نے کہا مجھے تو تُو نے ملعون کیا ہی ہے۔ میں بھی تیرے صراطِ مستقیم پر اُن کو گمراہ کرنے کیلئے بیٹھوں گا۔ پھر ان کے آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں اور بائیں سے آؤنگا۔ اور تو اُن میں سے اکثر کو شکر گذار نہیں پائے گا''۔

اس امر کی تشریح کرنے کیلئے حضور علیہ السلام نے ایک تنکے سے زمین پر ایک بڑی سی لکیر کھینچی اور فرمایا کہ یہ سیدھی راہ ہے جو اللہ کی طرف جاتی ہے پھر اس کو کاٹتی ہوئی کئی چھوٹی چھوٹی لکیریں لگائیں اور قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی: **وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَائِرٌ** (نحل:9) یعنی ''سیدھا راستہ تو اللہ تک جا پہنچتا ہے اور اس سے بعض ٹیڑھے راستے بھی نکلتے ہیں''۔ اور ان کے ہر موڑ پر انسان کو ورغلانے کیلئے شیطان بیٹھا ہے تا کہ اِسے صراطِ مستقیم سے ہٹا کر ٹیڑھے راستوں پر ڈال دے اور گمراہ کر دے۔

شیطان کے ہتھکنڈوں اور اس کے لشکر کے حملوں سے بچاؤ کی کیا صورت ہے اِس کا ذکر آگے چل کر مناسب موقع پر کیا جائے گا۔

انسان کا مقام

کسی اللہ والے کا یہ قول بہت معروف اور مشہور ہے کہ **مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ**۔ کہ جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ بائبل کا یہ جملہ بھی کبھی نے سن رکھا ہوگا کہ اپنے آپ کو پہچانو (Know Thyself) کیونکہ اس جاننے پر ہی انسان کے مقصودِ حیات کی حقیقت معلوم ہوگی اور پھر حصول اُس کے لئے صحیح لائحہ عمل اور طریق کار کا تعین کیا جا سکے گا۔

اللہ تعالیٰ کی کتاب کا چونکہ موضوع ہی انسان ہے اِس لئے اس میں اولین ترجیح اس اہم ترین امر ہی کو دی گئی ہے۔ تا کہ انسان کے سامنے ازلی و ابدی حقائق بیان کئے جائیں اور وہ انہیں بنیادی عقائد کی صورت میں تسلیم کر لے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کی پیدا کی گئی کائنات میں اس کی جو حیثیت اور مقام ہے اِس کا اسے شعور حاصل ہو جائے۔ یہ بنیادی مسئلہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

کیونکہ اس کے بعد ہی وہ اپنی جدوجہد کی صحیح سمت متعین کر پائے گا۔اور مادی لذات کے اندھیروں سے نکل کراللہ تعالیٰ کی محبت بھری بندگی والی پُرنور شاہراہ پر گامزن ہوکر اپنی تخلیق کے مقصد کو پورا کر سکے گا۔

اِسی لئے قرآن کریم کے شروع ہی میں قصہ آدم کا ذکر آیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ انسان کو خلافتِ ارضی کا اعزاز دینے کیلئے پیدا کیا گیا۔اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر اپنی روح کا فیض ڈالا اور اِسے تمام چیزوں کے اَسماء و خواص خود سکھائے تا کہ حیاتِ ارضی کے دوران وہ مادی قوتوں کو تسخیر کر کے اپنی خدمت میں لگانے کا اہل ہو جائے۔تسخیر و تعمیر کے اس طویل سفر کے نتیجہ میں نہ صرف زندگی کی بہتر سہولتیں میّسر آئیں گی بلکہ اللہ تعالیٰ کی معرفت میں بھی اضافہ ہوگا۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات پیدا فرمایا یہاں تک کہ اس کی صلاحیتوں کے سامنے ملائکہ بھی سر بسجود ہو گئے۔یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی بندگی کیلئے پیدا فرمایا اور اس عظیم ذمہ داری کو نبھانے کیلئے عالم ارواح میں اس سے ایک عہد بھی لیا گیا جسے عہدِ الست کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک خصوصی امانت بھی اس کے سپرد کی جسکی وجہ سے وہ اپنے اعمال کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا اور حیاتِ ارضی کے دوران اس کی کارکردگی کے مطابق قیامت میں اِسے جزا یا سزا دی جائے گی۔انسان کو یہ راز بھی بتا دیا گیا ہے کہ زمین و آسمان میں جو کچھ بھی ہے سب تمہارے لئے بنایا گیا ہے لیکن تمہیں اپنی معرفت اور محبت کیلئے بنایا گیا ہے۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآنِ کریم میں یہ تمام حقائق اس لئے بیان فرما دیئے تا کہ انسان کو اپنا مقام معلوم ہو جائے اور کائنات کے اندر اُس کو جو مرکزی اہمیت حاصل ہے وہ اس پر واضح ہو جائے اور وہ اپنے فرائض سے عہدہ برآ ہونے کیلئے عزم بالجزم کر لے۔

قرآن کریم اور احادیثِ رسول کریم ﷺ کے ذریعے انسان کو اس حقیقت سے بھی آگاہ کر دیا گیا کہ زندگی رحِم مادر اور لحدِ قبر کے درمیانی وقفے تک ہی محدود نہیں ہے۔بلکہ انسانی ارواح کو تو صدیوں پہلے پیدا کر دیا گیا تھا اور جس عالم میں وہ رہتی ہیں اس کا نام روحِ بسیط ہے۔وہاں سے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اپنی اپنی باری پر اس کرہ زمین پر مختصر سا عرصہ گذارنے کے لئے آتی ہیں۔یہاں سے جانے والی روحیں صدیوں سے عالم برزخ میں جمع ہو رہی ہیں اور جب اللہ تعالیٰ

کے حکم کے مطابق قیامت برپا ہوگی تو تمام انسانوں کو مادی جسموں کے ساتھ میدان محشر میں اکٹھا کیا جائے گا۔ حساب کتاب کا یہ اللہ کا دن بھی سینکڑوں برسوں پر محیط ہوگا۔ اس کے بعد لوگوں کے اپنے اپنے اعمال کے مطابق دوزخ یا جنت میں ڈالا جائے گا اور آخرت کی نہ ختم ہونے والی زندگی شروع ہو جائے گی۔ اِس تناظر میں دیکھا جائے تو انسان کے اس طویل سفر میں حیاتِ ارضی کا وقفہ مختصر ترین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ بھی فرمایا ہے کہ ہمارا ایک دن تمہاری گنتی کے مطابق ایک ہزار سال کے برابر ہے۔ اس حساب سے دیکھا جائے تو زمین پر گذاری گئی ستر، اسّی یا سو سال کی زندگی کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایک مکالمہ کی صورت میں اس گتھی کو سلجھایا ہے۔

قَالَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَo قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَادِّيْنَo قَالَ اِنْ لَبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَo (مومنون:112 تا 114)

''اللہ پوچھے گا کہ تم زمین میں کتنے برس رہے۔ وہ کہیں گے کہ ہم ایک روز یا ایک روز سے بھی کم رہے تھے شمار کرنے والوں سے پوچھ لیجئے۔ اللہ فرمائے گا کہ وہاں تم بہت ہی کم رہے کاش تم جانتے ہوتے۔''

جو لوگ اِس زندگی ہی میں زندگی کی حقیقت جان لیتے ہیں وہ مان لیتے ہیں کہ حیاتِ ارضی کا مختصر سا عرصہ اللہ تعالیٰ کی عطا کی گئی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے اور سپرد کی گئی امانت اور ذمہ داری کو نباہنے کے لئے امتحان گاہ ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ''یہ زندگی تو ایسے ہی ہے جیسے کوئی مسافر راستے میں کسی درخت کے سایہ میں تھوڑی دیر رُک کر آرام کرلے اور پھر اپنی منزل کی طرف چل پڑے۔'' ایسے لوگ دنیا کے دلفریب مناظر، مادی لذات اور نفس کی خواہشات کے پیچھے نہیں بھاگتے اور نہ ہی مردود شیطان کے دھوکے میں آکر اپنے رب سے کئے ہوئے عہد کو پس پشت ڈالتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے عشق کے بُراق پر سوار جادۂ شریعت پر گامزن رہتے ہیں۔ وہ جہدِ مسلسل پر یقین رکھنے والے شاہین ہوتے ہیں جو پرواز میں کوتاہی اور راستے کے آرام کو حرام جانتے ہیں۔ وہ ان لوگوں کی طرح نہیں ہوتے جو اللہ تعالیٰ اور اِس سے کئے گئے عہد کو بھول کر اور مادی لذات میں کھو کر صرف دنیا ہی کے ہو کر رہ گئے۔

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اِس میں ہیں آفاق

کسی مومن کیلئے یہ رویہ اسکی شایانِ شان نہیں ہے کہ لذاتِ کام و دہن میں اس طرح پھنس جائے کہ اسے اللہ اور آخرت یاد ہی نہیں رہے۔ وہ کھانے پینے اور دیگر جبلّی خواہشات کی تسکین ہی کو مقصود و مطلوبِ حیات سمجھ بیٹھے اور **اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ** (اعراف:179) کا مصداق بن کر حیوانیت کی سطح سے بھی نیچے گر جائے۔ اور نہ ہی اسے یہ زیب دیتا ہے کہ اشرف المخلوقات کی خلعتِ فاخرہ زیبِ تن کئے اور سر پر مسجودِ ملائکہ کا تاج سجائے ہوئے ہو اور پھر عالمِ نبات و جماد سے اپنے لئے معبود تراشنے میں لگ جائے۔ یا پھر اپنے جیسے انسانوں کی شان میں غلو کر کے انہیں نفع و نقصان کا مالک قرار دے لے اور ان کے سامنے سر بسجود ہو جائے۔ تو گویا اس نے اللہ تعالیٰ کے عطا کئے ہوئے اعزازات کی ناقدری کی اور اپنی عزت اپنے ہی ہاتھوں خاک میں ملا دی۔ اس کفرانِ نعمت کا ہیبت ناک انجام ملاحظہ ہو:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ o خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ o (بقرہ:161۔162)

''جو لوگ کافر ہوئے اور کافر ہی مرے ایسوں پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور لوگوں کی سب کی لعنت۔ وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ ان سے نہ تو عذاب ہی ہلکا کیا جائے گا اور نہ انہیں کچھ مہلت ملے گی''۔

اللہ تعالیٰ کے آخری رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے بعد آپ کے سچے جانشین، انسانوں کو مٹی کا کیڑا بننے کی بجائے طائرِ لاہُوتی بننے کی ترغیب دلاتے رہے اور انہیں آگاہ کرتے رہے کہ حیاتِ ارضی کا مختصر عرصہ تو متاعِ غرور ہے اس کے دھوکے میں ہرگز نہ آؤ کیونکہ مومن کی منزل تو چرخِ نیلی فام سے بھی آگے ہے۔ اس لئے راستے کی کسی بھی چیز سے ہرگز دل نہ لگاؤ اور سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ اور اسکے بعد رسول مقبول ﷺ سے کرو۔ اور حضور کے اتباع میں اللہ تعالیٰ کے قرب و دیدار کی منزل کی طرف مسلسل پرواز کرتے چلے جاؤ کہ یہی کامیابی کی

ضمانت ہے۔ کیونکہ زندگی ذوقِ پرواز ہی کا نام ہے۔قرآن وسنت کی تعلیم کے عین مطابق بانیِ سلسلہ رحمۃ اللہ نے ارشاد فرمایا! کہ توحیدیہ سلوک کی انتہا اللہ تعالیٰ کی ذات کا دیدار ہے اور سالک کو چاہیے کہ راستے میں کسی جگہ نہ رُکے اور برابر آگے بڑھتا جائے۔اسی طرح حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے بھی حریمِ ذات ہی کو مردِ مومن کی منزل قرار دیتے ہوئے فرمایا۔

مقام بندۂ مومن کا ہے ورائے سپہر
زمیں سے تا بہ ثریّا تمام لات و منات
حریمِ ذات ہے اس کا نشیمن ابدی
نہ تیرہ خاکِ لحد ہے نہ جلوہ گاہِ صفات

(ارمغانِ حجاز)

یہ ہے وہ تعلیم جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اس کو بلند مقام سے آگاہ کیا۔اِس سے انسان میں نہ صرف عزتِ نفس کا قوی جذبہ پیدا ہوا بلکہ دوسری مخلوقات پر اِسے جو شرف حاصل ہے اس کا شعور بھی ملا۔برتری کے اس احساس کی وجہ سے نہ صرف اس میں عالمِ خاک سے اُوپر اُٹھ کر اللہ تعالیٰ کے قرب ورضا کی منزل کی طرف محوِ پرواز ہونے کا ذوق بیدار ہوا بلکہ اپنے ہم جنسوں سے عزت واکرام سے پیش آنے اور ان کی خدمت کرنے کے جذبہ کو بھی تقویت ملی۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کے دین میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور مخلوقِ خدا کی خدمت کے جذبے ساتھ ساتھ ہی پروان چڑھتے ہیں۔جو انسان جتنا اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے وہ اسی قدر انسانوں سے محبت کرتا ہے۔

اِعتِصام بِاللّٰہ

1۔محبت کی ترجیحات

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنی عبادت کیلئے پیدا فرمایا جس سے مراد اس کی معرفت اور محبت والی بندگی ہے۔طریقت توحیدیہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ سب سے زیادہ محبت درحقیقت اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ سے کرنی چاہیے یا اُن کے بعد اپنے شیخ سے۔عالمگیر محبت کے اصول کے تحت مخلوق سے محبت بھی ضروری ہے کیونکہ وہ خدا کی بنائی ہوئی ہے اور اس کی سب سے پیاری نشانی اور انگنت صفات کی مظہر ہے۔چنانچہ مومن کی زندگی میں

محبت کی اہمیت کو اُجاگر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ط (بقرہ۔165)

''اور بعض لوگ ایسے ہیں جو غیر اللہ کو اللہ کے برابر ٹھہرا کر ان سے اللہ کی سی محبت کرتے ہیں لیکن جو ایمان والے ہیں وہ اللہ سے شدید محبت کرتے ہیں''۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ o (توبۃ۔24)

''آپ کہہ دیں کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور خاندان کے آدمی اور مال جو کماتے ہو اور تجارت جس کے بند ہونے سے ڈرتے ہو اور مکانات جن کو پسند کرتے ہو، اللہ اور اس کے رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے تمہیں زیادہ عزیز ہیں تو ٹھہرے رہو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم یعنی عذاب بھیجے۔ اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا''۔

اِن آیات مبارکہ سے واضح ہو گیا کہ ایمان لانے کا اولین تقاضہ یہ ہے کہ انسان محبت کی ترجیحات کو یکسر بدل دے اور کسی بھی شے کی محبت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں حائل نہ ہو سکے۔ اُمّتِ مُسلمہ تو اللہ سے پیار کرنے والی جماعت کا نام ہے جس کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ یعنی وہ قوم جن سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ جاں نثاروں کے اس گروہ میں شمولیت کے ساتھ ہی آئینِ محبت کی یہ اہم ترین شِق نافذ کر دی جاتی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ط (توبہ۔111)

''اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لئے ہیں اور اس کے عوض میں ان کیلئے جنت ہے''۔

اِسی آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے کہ ''جو سودا تم نے اللہ سے کیا ہے اس پر خوش ہو جاؤ کہ یہ تو بہت بڑی کامیابی ہے'' کیونکہ جان اور مال تو اللہ نے خود ہی عطا کئے تھے اور خود ہی اچھی قیمت دے کر خرید لئے ۔اور مزید کرم یہ فرمایا کہ دونوں کو مومن کے قبضے ہی میں رہنے دیا۔لیکن یہ سودا طے ہو جانے کے بعد مومن کے پاس اپنا کچھ نہ رہا۔ نہ جان اپنی نہ مال اپنا۔اب یہ دونوں اللہ تعالٰی کی ملکیت اور اس کی امانت ٹھہرے ۔مومن کو اپنی خواہشات پر عمل کی آزادی رہی نہ اپنے مال پر تصرف کا حق باقی رہا۔علامہ اقبالؒ نے اِسی لئے مسلمان ہو جانے کو شہادت گاہِ اُلفت میں قدم رکھنا قرار دیا ہے ۔اب مومن اللہ کا اور اللہ اس کا ہو گیا۔مومن نے جان و مال بیچ دیا تو اب ہوسِ جاہ و اقتدار اور درہم و دینار کا بندہ نہ رہا۔نفس بک گیا تو اب **اَمّارہ** نہ رہا بلکہ **مُطمئِنّہ** ہو کر اسکی رضا پر راضی ہو گیا۔اب وہ اللہ کا بندہ بن گیا اور اللہ کے بندوں میں شامل ہو گیا کہ یہی طریق جنت ہے بلکہ عین جنت ہے۔یہی فرمانِ الٰہی ہے:

یٰاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُo ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةًo فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْoوَادْخُلِیْ جَنَّتِیْo (فجر۔27تا30)

''اے اطمینان پانے والے نفس ۔اپنے رب کی طرف لوٹ چل،تو اُس سے راضی وہ تجھ سے راضی ۔تو میرے بندوں میں داخل ہو جا۔اور میری جنت میں داخل ہو جا''۔

2۔خواہشات کی پیروی

اللہ تعالٰی کے احکام کو نظر انداز کر کے نفس کی خواہشات کے پیچھے دوڑنے کے چلن نے ہی نہ صرف انسانوں کی دنیا کو جہنم بنا رکھا ہے بلکہ آخرت میں دوزخ میں لے جانے کا سبب بھی بنے گا۔حضور نبی کریمﷺ کا فرمان ہے کہ دوزخ خواہشات میں اور جنت مشکلات میں گھری ہوئی ہے۔جو خواہشات کے پیچھے چلے گا وہ سیدھا دوزخ میں جا گرے گا۔ آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اپنی خواہشات کے ساتھ اِسی طرح جہاد کرو جس طرح اپنے دُشمنوں کے ساتھ جہاد کرتے ہو۔خواہشات کی پیروی کرنے والوں کے بارے میں قرآن کریم

میں ارشاد ہوا:

وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ o (ص۔26)

''اور خواہش کی پیروی نہ کرنا وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی۔ جو لوگ اللہ کے راستے سے بھٹک جاتے ہیں ان کیلئے سخت عذاب ہے کہ انہوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا''۔

فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ o (قصص۔50)

''اگر تمہاری بات قبول نہ کریں تو جان لو کہ یہ صرف اپنی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں۔ اور اس سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہش کے پیچھے چلے۔ بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا''۔

اِس آیت مبارکہ سے یہ حقیقت کھلی کہ جو لوگ اِتباع ہوا کا شکار ہو گئے وہ اتباع مصطفیٰ ﷺ سے محروم کر دیے گئے۔ اِس لئے اہل ایمان پر لازم ہے کہ وہ اپنی خواہشات کا غلام بننے کی بجائے محاسب بنیں۔ جو بھی خواہش سر اٹھائے اسے پہلے شریعت کی کسوٹی پر پرکھیں۔ اگر اس کے جواز کی سند مل جائے تو قرآن وسنت کی مقرر کردہ حدود اور طریقے کے مطابق اس پر عمل کریں اور اگر اس سے منع کیا گیا ہے تو پوری قوت ایمانی سے اس کو توڑ دیں۔ اس طرز عمل ہی سے روحانی قوت اور بلندیِ درجات نصیب ہوتی ہے۔ مومن کو چاہیے کہ ہر نعمت کے حصول کیلئے اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرے۔ اِس کے سوا نہ تو کسی سے ڈرے نہ کوئی توقع رکھے۔ اللہ کی رزق کی تقسیم پر راضی رہے اور اپنی مرضی کو اُس کی مرضی کے تابع کر دے اور ہمیشہ خوش رہے۔ اپنے دل کو مال و متاع اور جاہ ومنصب کی ہوس سے خالی رکھے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے بھر پور سادہ زندگی گذارنے ہی میں آسودگی اور اطمینان قلب کا سامان ہے۔ لیکن من کی یہ دولت تبھی مل سکتی ہے جب بندہ اللہ تعالیٰ کو اپنے دل میں بسا لے۔ اِس کے ہر سانس پر اپنے محبوب کا نام رواں ہو اور اس کی عطا کی ہوئی نعمتوں کے شکر کیلئے اِس کا رُواں رُواں نغمہ خواں ہو۔ اور کبھی بھی اپنی زبان پر حرف شکایت

نہ لائے۔ یہاں مجھے حضور نبی کریم ﷺ کے یارِ غار اور سلسلۂ توحیدیہ نقشبندیہ کے سالار حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک ایمان افروز واقعہ یاد آ گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں بارگاہِ رسالت میں حاضر تھا۔ حضرت ابو بکرؓ بھی وہاں بیٹھے تھے۔ آپ نے عبا پہنی ہوئی تھی اور اس کو آگے سے باندھا ہوا تھا۔ جبریل امین آئے اور عرض کیا اے اللہ کے نبیؐ یہ کیا بات ہے کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ ابو بکرؓ نے ایسی عبا پہنی ہوئی ہے جسے سامنے سے کانٹوں سے بخیہ کیا ہوا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا اس نے سارا مال مجھ پر خرچ کر دیا ہے۔ جبریل نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپؐ اللہ تعالیٰ کا سلام ابو بکر کو پہنچائیں اور ان سے پوچھیں کہ یہ اس فقر و تنگ دستی پر خوش ہیں یا ناراض۔ رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر صدیقؓ کو سلام پہنچایا اور یہ سوال پوچھا۔ اس پیکرِ تسلیم و رضا نے کتنا پیارا جواب دیا۔ عرض کیا: "میں اپنے رب پر کیسے ناراض ہو سکتا ہوں۔ میں اپنے رب سے راضی ہوں، میں اپنے رب سے راضی ہوں، میں اپنے رب سے راضی ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں تجھ پر راضی ہوں جس طرح تُو مجھ سے راضی ہے۔ یہ سن کر حضرت ابو بکرؓ رو پڑے۔ حضرت جبریل نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ! اس خدا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے تمام حاملین عرش اسی قسم کی عبائیں پہنے ہوئے ہیں اور اسی طرح کانٹوں سے خلال کئے ہوئے ہیں جس طرح آپ کے اس یار نے کیا ہے۔

(بحوالہ تفسیر ضیاء القرآن جلد پنجم)

ایسے ہوتے ہیں انداز مقربین کے جو عشق میں کھو جاتے ہیں اور یہ ہے اللہ رحیم و وَدُود کی رحمت کی ایک جھلک جس سے وہ اپنے پیاروں کو نوازتے ہیں۔ مولانا رومیؒ نے غالباً اسی واقعہ سے متاثر ہو کر فرمایا:

معدہ را بگذار سُوئے دلِ خرام
تا کہ بے پردہ زحق آید سلام

"یعنی معدے کی غلامی اور روٹی کی فکر سے آزاد ہو کر دل کی دنیا کی طرف سفر کر۔
اس طرح اللہ تعالیٰ سے تمہارے لئے محبت اور رحمت بھرے واضح سلام آنے لگیں گے"

3۔ تعلّق باللہ

اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کے طلبگاروں کو بلند درجات تک رسائی حاصل کرنے کے لئے ”اعتصام باللہ“ کی تاکید فرمائی ہے جس کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کو مضبوطی سے پکڑنا۔ کیونکہ بندہ مومن کی کامرانی اللہ تعالیٰ سے شدید محبت کرنے، اسے رگِ جاں سے بھی قریب جاننے، اسے اپنے رُوبرُو دیکھنے کو کمال بزرگی جاننے، تمام امیدیں اسی کی ذات سے وابستہ کرنے اور اس کے دامن کو پختگی کے ساتھ تھامے رکھنے ہی میں ہے اور اسی کا نام وعنوان اِعتصام باللہ ہے۔ اس لئے اس عقیدہ پر یقین کامل رکھیں کہ نفع ونقصان پہنچانے کی طاقت صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جسے چاہے بنائے بگاڑے، عزت بخشے، ذلت دے، صحت، بیماری، امیری غریبی سب اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ اس حقیقت کو اپنے دل میں بٹھالیں کہ تم خواہ کہیں بھی ہو اللہ ہر وقت تمہارے ساتھ اور تمہارے اعمال دیکھ رہا ہوتا ہے۔ وہ تمام کائنات کا رب ہے اور اسے کسی مشیر، وزیر یا شریک کی حاجت نہیں۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور وہ جو چاہے کرتا ہے۔ اگر آپ کی طلب پر خلوص اور لگن سچی ہے اور آپ اس کے مقربین میں شامل ہونے کی آرزو رکھتے ہیں تو اللہ کو ایسا مانو جیسا اس کو ماننے کا حق ہے۔ شرک کے شائبہ اور سایہ سے بھی دور رہو اور اِعتصام باللہ کے بارے میں قرآن کریم میں فرمائے گئے مندرجہ ذیل احکام کو حرزِ جان بنا کر اللہ تعالیٰ کے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نقوش پا پر برابر آگے بڑھتے چلے جاؤ کہ یہی کامیابی کا راستہ ہے۔ بقول حکیم الامت:

مقامِ خویش گر خواہی دریں دیر
بحق دِل بند و راہِ مصطفٰےؐ رَو

”اس دنیا کے صنم کدہ میں اگر تو اپنا مقصود حاصل کرنا چاہتا ہے تو اپنے دل کو اللہ کی محبت کے لئے مخصوص کر لے۔ اور رسول اللہ کے طریقہ اور ان کی سُنت کو اپنا لے“

اب چند قرآنی آیات اور ان کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

وَ مَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ٥
(آل عمران۔101)

''اور جس نے اللہ کو مضبوط پکڑ لیا وہ صراط مستقیم پر لگ گیا''۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًاo (نساء۔146)

''منافقین جنہوں نے توبہ کرلی اور اپنی حالت درست کر لی اور اللہ کو مضبوط پکڑا اور اپنے دین کو اللہ کیلئے خالص کر لیا تو ایسے لوگ مومنوں کے زُمرے میں ہوں گے اور اللہ عنقریب مومنوں کو اجرِ عظیم عطا فرمائے گا''۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْ بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْ خِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًاo (نساء۔175)

''جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اس کو مضبوط پکڑے رہے ان کو وہ اپنی رحمت اور فضل میں داخل کرے گا اور اپنی طرف پہنچنے والے سیدھے راستے پر چلائے گا''۔

اگلی آیت میں ملّت ابراہیم پر عمل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی محبت کی راہ میں اسطرح جہاد کرنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ جہاد کا حق ہے اور آخر میں اس جدوجہد کا منشور اس طرح بیان فرمایا ہے:

فَاَقِيْمُو الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ هُوَ مَوْلٰكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِيْرُo (حج۔78)

''اور نماز ادا کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ کو مضبوطی سے پکڑے رہو۔ وہی تمہارا دوست ہے، اور وہ خوب دوست اور خوب مددگار ہے''۔

شیطان کے حربے

1۔شیطان کا کردار

اللہ تعالیٰ نے انسان کو خلافتِ ارضی عطا کی تو اِسے مطلوبہ صلاحیتوں سے نوازنے کے ساتھ ساتھ نفس بھی عطا فرمایا۔ یہ بھی ایک اہم صلاحیت ہے جس سے خواہشات جنم لیتی ہیں۔ نفس کی وجہ سے ہی عالمِ امر سے آئی ہوئی روح کو مادی دنیا سے دلچسپی پیدا

ہوئی اوراس کی تسخیر وتعمیر کے سفر کا آغاز ہوا۔لیکن انسان کی اصل منزل چونکہ حریم کبریاء ہے اسلئے اگر وہ نفس کے دھوکے میں آکر دنیا کی رنگینیوں میں پھنس گیا اور اللہ اور آخرت کو فراموش کر بیٹھا تو اِسی کا نام کفراور انجام نارِ جہنم ہے۔شیطان کا باطنی تعلق نفس انسانی کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ اسی کے ذریعے انسان کے دل میں وسوسے ڈالتا ہے اور اپنے حیلوں حربوں سے اللہ کی بندگی کے راستے سے ہٹنے کی ترغیب دیتا ہے۔اس نے روزِ اول ہی یہ اعلان کر دیا تھا کہ ''میں زمین میں لوگوں کیلئے گناہوں کو آراستہ کر کے دکھاؤنگا اور تیرے مخلص بندوں کے سواسب کو بہکاؤں گا''۔

(حجر۔39تا40)

اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے چونکہ اس کی محبت اور بندگی میں کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے اور آخرت کی زندگی پر پختہ یقین رکھتے ہیں اِس لئے وہ خواہشات کے پیچھے دوڑنے کی بجائے اپنے نفس کو لگام دے کر رکھتے اور اپنے پروردگار کی رضا پر راضی رہتے ہوئے صراط مستقیم پر چلتے رہتے ہیں۔یہ بات ہمیں اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اِس کارزارِ حیات میں اِبلیس کا ایک خاص کردار ہے اور اللہ تعالیٰ نے اِسے اِنسانوں کے خلوص اور ایمان کی پختگی کے امتحان کیلئے کھڑا کیا ہے۔ قرآنِ کریم میں فرمایا گیا ہے کہ ''شیطان کو ان پر کچھ زور نہ تھا مگر مقصود یہ تھا کہ ہم تمیز کر لیں ان لوگوں کو جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ان لوگوں سے جو اس میں شک رکھتے ہیں''۔(سباء۔21) اللہ تعالیٰ کے قدرت کے کارخانے میں تو کوئی بھی چیز عبث اور بیکار نہیں بنائی گئی تو پھر انسان کو چیلنج کرنے والی قوت کی تخلیق بھلا کیسے بے مقصد ہو سکتی ہے۔حکیم الامت ؒ نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ شیطان کی عدم موجودگی میں زندگی بے مزہ ہو کر رہ جاتی۔

مزی اندر جہانے کور ذوقے

کہ یزداں دارد و ابلیسے نہ دارد

اللہ تعالیٰ نے حضور رحمۃ اللعالمین ﷺ کو پوری انسانیت کیلئے رسول بنا کر بھیجا تو اپنے آخری آئین قرآن کریم میں تمام انسانوں کو خطاب فرماتے ہوئے دنیا کی عارضی زندگی اور شیطان کے حربوں کے متعلق پوری طرح آگاہ فرما دیا۔اب یہ انسان پر منحصر ہے کہ وہ کونسا راستہ اختیار کرتا ہے۔

یٰاَیُّھَاالنَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمْ وَاخْشَوْا یَوْمًا لَّا یَجْزِیْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِہٖ

وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْئًا اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُo (لقمان۔33)

''اے لوگو اپنے رب سے خوف کھاؤ اور ڈرو اس دن سے کہ نہ تو باپ بیٹے کے کچھ کام آئے اور نہ بیٹا اپنے باپ کے کچھ کام آ سکے۔ بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ پس دُنیا کی زندگی تم کو دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ فریب دینے والا شیطان تمہیں اللہ کے بارے میں کسی طرح کا فریب دے''۔

اللہ تعالیٰ نے مال اور اولاد کو دنیا کی زندگی کیلئے زینت قرار دیا ہے اور انسان کے دل میں ان کیلئے خود ہی کشش بھی پیدا کی ہے لیکن دُنیا کی عارضی متاع اور آخرت کی ہمیشہ رہنے والی زندگی کی حیثیت اور ترجیح بھی واضح فرما دی۔

''لوگوں کیلئے عورتوں، بیٹوں اور سونے چاندی کے بڑے بڑے ڈھیروں اور نشان لگے گھوڑوں اور مویشیوں اور کھیتی باڑی کی خواہشات بڑی مرغوب بنا دی گئی ہیں۔ مگر یہ سب تو دنیا کے سامان ہیں اور اللہ کے پاس بہت اچھا ٹھکانا ہے۔ آپ ان سے کہہ دیں کہ ہم تم کو ایسی چیز بتائیں جو ان چیزوں سے کہیں اچھی ہو۔ وہ ان لوگوں کیلئے ہے جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا۔ ان کیلئے اللہ کے ہاں باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور پاکیزہ عورتیں ہیں اور سب سے بڑھ کر اللہ کی خوشنودی ہے اور اللہ اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے''۔

(آل عمران۔14 تا 15)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے ذریعے بنی نوع آدم کو احترامِ آدمیّت، وحدتِ انسانیت اور باہمی خدمت کا راستہ دکھایا۔ ایک حدیثِ قدسی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو اپنا کنبہ قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اور آپ نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ ملّتِ ابراہیم کا اتباع کروں۔ اہل ایمان کو تمام گذشتہ انبیاء اور ان کی کتابوں پر ایمان لانے اور اس کا برملا اعلان کرنے کا حکم دیا گیا تا کہ دوسری اُمتوں کے افراد اس دعوت میں غیریت اور اجنبیت محسوس نہ کریں۔ ارشاد ہوا ہے۔

”اے اہل ایمان! آپ کہہ دیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو کتاب ہم پر اُتری اور جو کچھ ابراہیم، اسحٰق، یعقوب اور انکی اولاد پر نازل ہوا اور جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ کو عطا ہوا اور جو دوسرے انبیاء کو انکے رب کی طرف سے ملا ان سب پر ایمان لائے اور ہم ان میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے۔ اور ہم اللہ کے آگے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں“۔ (یہ آیت مبارکہ دو مرتبہ آئی۔

بقرہ 136 اور آل عمران 84)

اہل کتاب کے بارے میں اللہ نے یہ ہدایت بھی فرمائی کہ ”ان کے ساتھ جھگڑا (بحث) ہرگز نہ کرو مگر ایسے طریق سے کہ نہایت اچھا ہو اور کہو کہ جو کتاب ہم پر اُتری اور جو تم پر اتریں ہم سب پر ایمان رکھتے ہیں۔ ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اِسی کے فرماں بردار ہیں“۔

(عنکبوت۔46)

یہ ہے دین اسلام اور راہ اسے قبول کرنے کیلئے دعوت عام۔ جو کوئی اس ہدایت اور نور کو قبول کرے گا وہ کامیاب و کامران ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اللہ تعالیٰ سے جوڑنے اور صراط مستقیم پر چلنے کی دعوت دینے کے مقدس کام کو انسانیت کا مشترکہ مشن قرار دیا ہے۔ ایک حدیث شریف کا مفہوم کچھ اس طرح ہے کہ حضور رحمۃ اللعالمینؐ نے فرمایا کہ میرے آنے کے بعد بھی اگر انسان دوزخ میں جائیں تو یہ افسوس کی بات ہوگی۔ دعوت الی اللہ کے اس کام کی اتنی عظمت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تمہارے توسُّل سے ایک انسان کی بھی اصلاح ہو جائے تو وہ دُنیا و مافیہا کی دولت سے بھی بہتر ہے۔ اس لئے اہل ایمان کو ”اُمّتِ وَسطیٰ“ کا منصب عطا کرکے اِسے ہمیشہ کے لئے دعوتِ دین کا فریضہ سونپ دیا۔ اللہ تعالیٰ کی منشا یہ ہے کہ انسان بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کریں۔ باہمی جنگ و جدل اور دشمنی کی روش ترک کردیں اور انسانیت کے حقیقی دشمن شیطان کو پہچان لیں اور اس کو ناکام بنانے کیلئے مشترکہ محاذ قائم کریں۔ چنانچہ پوری انسانیت کو آگاہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ٥ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ٥ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ

عَذَابٌ شَدِيۡدٌ ؕ وَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّ اَجۡرٌ كَبِيۡرٌ ۝ (فاطر۔5 تا 7)

''اے لوگو! اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ تو تم کو دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈال دے اور نہ شیطان فریب دینے والا تمہیں فریب دے۔ بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اُسے دشمن ہی سمجھو۔ وہ اپنے گروہ کو بلاتا ہے تاکہ وہ دوزخ والوں میں ہو جائیں۔ جنھوں نے کفر کیا ان کے لئے سخت عذاب ہے اور جو ایمان لائے اور عمل نیک کرتے رہے ان کے لئے بخشش اور بڑا ثواب ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے تو قرآن کریم میں اہل کتاب کو یہ دعوت بھی دی ہے کہ اہل ایمان کے ساتھ توحید کے عقیدہ کی بنیاد پر اشتراک عمل کر لیں کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔ تاکہ رنگ، نسل، زبان اور ملک کی بنیادوں پر قائم کی گئیں نفرت کی دیواریں منہدم ہو جائیں اور جمعیت آدم اور فلاحِ انسانیت کی سیاست کو فروغ ملے۔ تاکہ بنی نوع انسان اس مقصد کو پالے جسکے لئے اسے پیدا کیا گیا لیکن شیطان نے گمراہ کر کے منزل اس کی آنکھوں سے اوجھل کر دی ہے۔

جس کام کے لئے تجھے پیدا کیا گیا
خانہ خراب تجھ سے وہی کام رہ گیا

2۔ شیطان کے حربے

آیئے اب قرآنی آیات کی روشنی میں اس بات پر غور کریں کہ انسانیت کا دشمن انسانوں کو ناکام بنانے کیلئے کیسی کیسی چالیں چل رہا ہے۔ یہ بھی دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف اہل ایمان کو نہیں بلکہ پوری نسل انسانی کو حکم دیا ہے کہ وہ شیطان کے قدموں پر ہرگز نہ چلیں:۔

''اے لوگو! جو چیزیں زمین میں حلال و طیب ہیں وہ کھاؤ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو۔ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ وہ تم کو برائی اور بے حیائی کے کام کرنے کو کہتا ہے۔ اور یہ بھی کہ اللہ کی نسبت ایسی باتیں کہو جن کا تمہیں کچھ بھی علم نہیں ہے۔''(بقرہ۔168 تا 169)

''فضول خرچی سے مال اڑانے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔'' (بنی اسرائیل ۔27) ''وہ اولاد آدم کو بھی شکر گذاری سے ہٹانے کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔'' (اعراف ۔16 تا 17)

''اے ایمان والو شراب اور جُوا اور صنم سازی اور پاسے یہ سب شیطانی عمل کا پیدا کردہ گند ہے۔ سو اس سے بچ جاؤ تا کہ تم فلاح پا سکو۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جُوئے کے سبب تمہارے درمیان دشمنی اور رنجش ڈلوا دے۔ اور تمہیں اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دے۔ تو تم کو چاہئے کہ ان کاموں سے باز رہو۔ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور ڈرتے رہو۔ اگر تم منہ پھیرو گے تو جان رکھو کہ ہمارے رسول کے ذمے تو صرف پیغام کا کھول کر پہنچا دینا ہے۔''
(مائدہ ۔90 تا 92)

''شیطان کا کہنا نہ ماننا وہ تمہیں تنگ دستی کا خوف دلاتا ہے اور بے حیائی کا کام کرنے کو کہتا ہے۔ اور اللہ تم سے اپنی بخشش اور رحمت کا وعدہ کرتا ہے اور اللہ بڑی کشائش والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔'' (بقرہ ۔268)

''شیطان نے ان کو قابو میں کر لیا ہے اور اللہ کا ذکر ان کو بھلا دیا ہے یہی حزب الشیطان ہے اور سُن رکھو کہ شیطان کا لشکر ہی خسارہ اٹھانے والا ہے''۔ (مجادلۃ ۔19)

o ''بے شک شیاطین اپنے دوستوں کے دلوں میں یہ بات ڈالتے ہیں کہ تم سے جھگڑا کریں ۔ اور اگر تم لوگ ان کے کہنے پر چلے تو بے شک تم بھی مشرک ہوئے''۔ (انعام ۔121)

اس ضمن میں ایک اور بات آپ بھائیوں کے گوش گذار کرنی ہے ۔ قرآن کریم میں مختلف مقامات پر کچھ لوگوں کے بارے میں یہ ارشاد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا نافرمانوں، ناشکر گذاروں، گنہگاروں، دغا بازوں، تکبر کرنے والوں، فساد کرنے والوں، فضول خرچی کرنے والوں، بخل کرنے والوں، سرکشی کرنے والوں اور بُری باتوں کے پھیلانے والوں کو، یہ سارے گروہ وہ ہیں جو شیطان کے نقش قدم پر چلنے والے تھے کیونکہ یہ قرآن مجید ہی سے ثابت ہے کہ یہ سب عیب ابلیس لعین کے کردار کا جزو ہیں ۔ آپ دیکھیں کہ اس وقت دُنیا میں نیکی، پارسائی اور اخلاق حسنہ کو وجہ فضیلت قرار دینے کی بجائے رنگ و نسل کو وجہ افتخار بنانے کی وجہ سے کس طرح عدل و انصاف کا خون کیا جا رہا ہے ۔ اس نظریہ کا موجد ابلیس ہی ہے جس نے حضرت آدم علیہ

السلام کو سجدہ نہ کرنے کہ وجہ یہ بتائی کہ اسے تو نے مٹی سے پیدا کیا جو گھٹیا ہے اور مجھے آگ سے اِس لئے میں افضل ہوں۔

o آدم علیہ السلام کو جنت سے نکلوانے کیلئے اُسی نے بہکایا۔ اور اللہ کی عائد کی ہوئی پابندی کو توڑنے کی راہ دکھا کر تقویٰ کی دیوار میں پہلی نقب لگائی۔ اب بھی محرمات کو حلال اور جائز بنا دینے کیلئے دن رات کوشاں ہے۔ دُنیا میں انسان کا جو پہلا قتل ہوا اس کے پس پردہ ابلیس ہی تھا جسنے قابیل کے نفس کو تحریک دی۔ "فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ۔ پھر اس کے نفس نے اُس کو اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر لیا"۔ لیکن اس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے حضرت ہابیل نے یہ کہا کہ اگر تو مجھے قتل کرنے کیلئے ہاتھ چلائے گا تب بھی میں تجھے مارنے کیلئے ہاتھ نہیں ہلاؤں گا کہ میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ (مائدۃ۔ 29 تا 30)

بنی اسرائیل میں گوسالہ پرستی کیلئے بچھڑا اپنانے والے سامری کو بھی شیطان ہی نے یہ راستہ دکھایا۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے اس سے پوچھا کہ تو نے یہ حرکت کیوں کی تو اس نے جواب دیا: "كَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ۔ میرے نفس نے مجھے اسی طرح کرنے کو اُکسایا"۔ (طٰہٰ۔96) اس سے پہلے برگزیدہ بندوں کی محبت کی آڑ میں اُن کے بت بنانے اور ان پر نذر و نیاز چڑھانے کا فن بھی عقیدتمندوں کو اسی نے سکھایا اور صریح شرک کو تقدس کا لبادہ پہنا دیا۔

اہل نظر جانتے ہیں کہ ہر تخریبی کام میں خفیہ ہاتھ ابلیس ہی کا ہوتا ہے۔ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے جو کچھ ان کے ساتھ کیا اس کی تفصیل قرآن کریم میں محفوظ ہے۔ لیکن جب ان کے جھوٹ اور کرتوت ظاہر ہو گئے تو ان کی دشمنی اور غلط روش کو بھی حضرت یوسف علیہ السلام نے ابلیس کی کارستانی قرار دیتے ہوئے فرمایا "اس کے بعد کہ شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں فساد ڈال دیا تھا آپ کو گاؤں سے یہاں لے آیا"۔ (یوسف:100)

o گذشتہ اُمتیں اپنے انبیاء کی تعلیم گم کر بیٹھیں تو انکے عقیدوں میں بگاڑ اور عمل میں فساد پیدا ہو گیا۔ ان کی اکثریت اللہ تعالیٰ کی محبت اور اسکی مخلوق کی خدمت والے دین کو بھول چکے ہیں۔ ان کے دلوں میں بغض اور عداوت نے ڈیرے ڈال رکھے ہیں۔ شیطان کی چالوں نے انہیں مادی دولت کی محبت میں اس قدر دیوانہ بنا رکھا ہے کہ وہ مفادات کی خاطر زمین پر فساد برپا کرتے اور قوموں کو لڑانے کیلئے جنگ کے شعلے بھڑکاتے رہتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ جنگ کے شعلوں کو بجھانا اور انسانوں کو عدل و انصاف، محبت و مودّت اور دولت کی منصفانہ تقسیم کا حکم دیتا ہے۔

كُلَّمَا اَوْقَدُوْانَارًا لِلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا وَاللّٰهُ لَايُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَo (مائدۃ۔64)

''وہ جب لڑائی کیلئے آگ جلاتے ہیں تو اللہ اس کو بجھا دیتا ہے۔وہ زمین میں فساد برپا کرنے کیلئے دوڑے پھرتے ہیں اور اللہ فساد کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا''۔

اب آپ غور فرمائیں۔ذرا اپنے اندر بھی جھانکیں اور باہر کی دنیا میں بھی دیکھیں کہ ابلیس کی ان چالوں نے کس طرح پوری انسانیت کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے۔اس نے لہولعب کیلئے ایسے ایسے سامان اور کھیل تماشوں کیلئے ایسی دلچسپ مشینیں ایجاد کرائی ہیں کہ انسان کی نگاہیں ان کی جھوٹی چکا چوند سے چندھیا گئی ہیں اور وہ ان عارضی لذتوں اور وقتی سکون کے جال میں اس طرح پھنس گیا ہے کہ نماز، اللہ کے ذکر اور حیاتِ آخرت کو بھول ہی گیا ہے۔وہ شراب اور جوئے کے کلبوں، لاٹریوں، انعامی سکیموں، جھوٹ پر مبنی فلموں،فرضی کہانیوں ،نوادرات کی گیلریوں، فیشن پریڈوں اور انسانیت کش ایٹمی ہتھیاروں پر تو اربوں روپے بخوشی خرچ کر رہا ہے لیکن فاقوں سے تڑپتے اور علاج کیلئے سسکتے کروڑوں انسانوں کیلئے اس کے دل میں کوئی نرم گوشہ نہیں رہا۔اس وقت سائنس کی ترقی کے باوجود دنیا پر خوف کے سائے منڈلا رہے ہیں۔مغربی تہذیب نے وحیِ الٰہی سے روگردانی کر کے انسانی زندگی کے روحانی پہلو کو نظر انداز کر کے فاش غلطی کی ہے۔اس نے اپنی ساری علمی صلاحیت جسمانی لذتوں اور مادی آسائشوں کے سنہرے جام کو چمکانے اور اسے رنگ و روغن سے آراستہ کرنے میں صرف کردی ہے جس کے اندر خوش رنگ اور خوش ذائقہ زہر بھرا ہوا ہے۔مغرب ہی نے وطن پرستی کے بت تراش کر انسانیت کو متحارب گروہوں میں تقسیم کیا ہے اور ہر قوم اپنے افراد کے چہروں کی لالی اور خوشحالی کی خاطر دوسرے انسانوں کا خون بہانے سے بھی دریغ نہیں کرتی۔

اس نظام کو تہ و بالا کرنے اور شیطان کے داؤ فریب کو توڑنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی محبت اور اسکی مخلوق کی خدمت والے نظامِ حیات کو غالب کرنا ہوگا۔

ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوعِ انساں کو
اخوت کا بیاں ہو جا، محبت کی زباں ہو جا

(اقبال)

''میرے بندوں سے کہہ دو کہ لوگوں سے ایسی باتیں کہا کریں جو بہت پسندیدہ ہوں۔ شیطان بری باتوں سے ان میں فساد ڈلواتا ہے۔کچھ شک نہیں کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔

تمہارا رب تم سے خوب واقف ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم پر رحم کرے یا اگر چاہے تو تمہیں عذاب دے۔ اور ہم نے تم کو ان پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجا''۔ (بنی اسرائیل۔52 تا 53)

یہ شیطان ہے جو تلخ کلمات اور اشتعال انگیز باتوں کے ذریعے افراد و اقوام کے درمیان جھگڑے کھڑے کرتا اور انہیں ہوا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کے بندے نرم الفاظ اور شستہ زبان میں گفتگو کیا کریں۔ احترامِ انسانیت پر عمل پیرا رہیں اور کبھی دِل آزاری کی باتیں نہ کیا کریں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اعمال سے خوب واقف ہے اور وہ جیسا چاہے گا ان سے معاملہ فرمائے گا۔

''میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے اور میں اِسکو اور اسکی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں''۔ (آل عمران۔36)

اس نظر نہ آنے والے مکار دشمن سے بچاؤ اللہ تعالیٰ کی پناہ کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اس لئے مومنین کو چاہیے کہ وہ بھی حضرت مریم کی والدہ ماجدہ کی طرح اپنے لئے اور اپنی اولاد کیلئے اللہ سے پناہ طلب کرتے رہا کریں۔ تا کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے انہیں راہِ راست پر قائم رکھے اور دنیا و آخرت میں سرخرو فرمائے۔ ایک ہی باپ کی اولاد بنی نوع انسان جسے اللہ تعالیٰ نے اپنا کنبہ فرمایا اور انبیاء کے تاجدار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپس میں بھائی قرار دیا انہیں برسر پیکار کر دینا شیطان کی تعلیم کا کرشمہ ہے۔ یہ اس کی سعی کا نتیجہ ہے کہ ہر طاقتور گروہ نے پسماندہ اقوام کا استحصال کر کے ان کے خون چوسنے کے مکروہ فعل کو تجارت اور حکمت کا خوشنما نام دے رکھا ہے۔ جب تک یہ انسانیت کُش نظام اپنے انجام کو نہیں پہنچتا اللہ تعالیٰ کے رحمت بھرے دین کی برکات سے انسانیت مستفیض نہ ہو سکے گی۔ بقول اقبالؒ

از ضعیفاں ناں رُبودن حکمت است
از تن شاں جاں رُبودن حکمت است
شیوہ تہذیب نو آدم دری است
پردہ آدم دری سوداگری است
تاتہ و بالا نہ گردد ایں نظام
دانش و تہذیب و دین سودائے خام

ذکرِ الٰھی کا قلعہ

1۔فضائل ذکر

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی محبت کے طلبگاروں کو اِبلیس لعین کے حملوں سے بچنے کیلئے جو تعلیم دی ہے ہم اِسے اختصار کے ساتھ بیان کریں گے۔سب سے پہلے ایک بنیادی اصول یہ بتایا کہ "شیطان کا زوران لوگوں پرنہیں چلتا جو ایمان لائے اوراپنے رب پرتوکل کرتے ہیں ۔اس کا زوران پر چلتا ہے جو اس کے ساتھ دوستی لگاتے ہیں اور اللہ کےشریک مقرر کرتے ہیں"۔ (نحل ۔ 99تا 100) اس سے معلوم ہوا کہ ایمان باللہ کے علاوہ **اِعتصام باللّٰہ** پر ثابت قدم رہنا ہوگا ۔اس کے ساتھ سب سے کارگرنسخہ یہ بتایا گیا ہے کہ نماز اور ذکر کے ذریعےتعلّق باللہ کو مضبوط اور ہر دم تازہ رکھا جائے ۔کثرت ذکر کے بارے میں حضور نبی کریمﷺ کے چند ارشادات ملاحظہ فرمائیں:۔

"شیطان ہر انسان کے دل پر ایک پرندے کی طرح اپنے پنجے گاڑے ہوئے بیٹھا ہے اور اس میں اپنی چونچ داخل کرکے وسوسے ڈالتا رہتا ہے۔جس وقت بندہ اللہ کے ذکر میں مشغول ہوتا ہےتو شیطان اس کے دل سے اپنی چونچ نکال لیتا ہےاور بے بس ہوجاتا ہے۔جب بندہ اللہ کا ذکر بند کردیتا ہےتو وہ پھر چونچ داخل کرکے وسوسے ڈالنا شروع کردیتا ہے"۔

"حضرت یحیٰی بن زکریا علیہما السلام نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پانچ باتوں کا حکم دیا ہے کہ ان پر خودبھی عمل کروں اور تم کو بھی عمل کرنے کا حکم دوں۔(اُن میں پانچویں بات یہ تھی)اور میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اللہ کو یاد کرو کیونکہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کے تعاقب میں اس کے دشمن تیزی سے نکل پڑے ہوں۔ یہاں تک کہ وہ ایک مضبوط قلعے تک پہنچ گیا اور اس میں داخل ہوکر اس نے اپنی جان بچالی ۔اسی طرح بندہ شیطان کی چالوں سے اپنی جان بغیر ذکرِ الٰہی کے نہیں بچاسکتا"۔

"دِلوں کی صفائی اور صیقل اللہ کا ذکر ہے"۔

"ذکر کرنے والے اور نہ کرنے والے کی مثال ایسے ہے جیسے زندہ اور مُردہ"۔

"جو اللہ کا ذکر کرتا ہے اللہ اس کا ہم نشین ہوتا ہے"۔

"اپنے نفسوں کو **لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ** کے ذکر سے کمزور کیا کرو"۔

"**لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ** کے ذکر سے اپنے ایمان کو تازہ کرتے رہا کرو"۔

فضائل ذکر کے بارے میں احادیث کی کثیر تعداد موجود ہے لیکن وقت کی کمی کی وجہ سے ہم انہی پر اکتفا کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے بار بار کثرت سے ذکر کرنے کا حکم دیا ہے اور بار بار تاکید فرمائی ہے کہ اُٹھتے بیٹھتے اور اپنی کروٹوں کے بل لیٹے ہوئے یعنی ہر وقت اللہ کا ذکر کیا کرو۔ قارئین کی یاددہانی کیلئے چند آیات مبارکہ لکھی جاتی ہیں۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اذْکُرُوا اللّٰهَ ذِکْرًا کَثِیْرًاo(احزاب۔41)

"اے ایمان والو اللہ کا کثرت سے ذکر کیا کرو"۔

فَاذْکُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ وَاشْکُرُوْلِیْ وَلَا تَکْفُرُوْنِo (بقرہ۔152)

"تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔ میرا شکر کرو اور ناشکری نہ کرو"۔

فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْکُرُوا اللّٰهَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِکُمْo
(نساء۔103)

"جب نماز ادا کر چکو تو اللہ کا ذکر کیا کرو کھڑے اور بیٹھے اور پہلو کے بل لیٹے ہوئے"۔

اُتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْکِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَلَذِکْرُ اللّٰهِ اَکْبَرُ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَo
(عنکبوت۔45)

"جو کتاب تمہاری طرف وحی کی گئی ہے اس کو پڑھا کرو۔ اور نماز کے پابند رہو۔ کچھ شک نہیں کہ نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے۔ اور اللہ کا ذکر سب سے بڑی بات ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے جانتا ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے مخلص بندوں کو شیطان کے اثرات سے محفوظ رکھنے کے لئے نماز اور ذکر کا مضبوط نظام قائم فرما دیا۔ اللہ نے تاکید فرما دی کہ اپنے دلوں کے تار میرے ساتھ ملا کر رکھو گے تو پھر شیطان اس میں خلل ڈالنے کی جرات نہیں کر سکے گا تم چوبیس گھنٹے میرے ذکر میں رہو تو تمہارا دشمن بے بس اور مایوس ہو جائے گا۔

2۔اللہ کو بھول جانے والے

اسی لئے تاکید فرمادی کہ میرے ذکر سے کبھی غافل نہ ہونا کہ اس طرح تم اس محفوظ قلعے سے باہر نکل جاؤ گے اور شیطانی لشکر تمہیں آسانی سے شکار کرلیں گے۔

''اوران لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسا کردیا کہ وہ خود اپنے تیئں بھول گئے۔یہ بدکردار لوگ ہیں۔'' (حشر۔19)

''اے ایمان والو تمہارا مال اور اولاد تم کو اللہ کے ذکر سے غافل نہ کردے۔اور جو ایسا کریں گے تو وہ خسارہ اٹھانے والے ہونگے۔'' (منافقون۔9)

''جو اللہ کے ذکر سے آنکھیں بند کرلے ہم اس پر ایک شیطان مقرر کردیتے ہیں تو وہ اس کا ساتھی ہوجاتا ہے۔'' (زخرف۔36)

''اور جو میرے ذکر سے منہ پھیرلے گا تو اُس کے لئے تنگی کا جینا ہوگا اور قیامت کے روز ہم اس کو اندھا کرکے اٹھائیں گے۔''(طہ۔124)

شیطان **فحشاء ومنکر** کی ترغیب دیتا ہے۔اہل ایمان کو ان سے بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے نماز فرض کردی اور فرمایا کہ یہ تمہیں **فحشاء ومنکر** سے بچالے گی۔

حضور علیہ السلام نے نماز کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ''نماز دین کا ستون ہے جس نے اِسے قائم رکھا اس نے دین کو قائم رکھا اور جس نے اِسے گرا دیا اس نے دین کو گرا دیا''نماز کی اہمیت دیکھئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی:

''**رَبِّ اجْعَلْنِىْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ** اے اللہ مجھے اور میری اولاد کو نماز پر قائم رکھیو''اور حضور رحمتہ اللعالمین نے یہ دُعا تلقین فرمائی: **اَللّٰهُمَّ اَعِنِّىْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ** ''اے اللہ تو میری مدد فرما کہ تیرے ذکر، تیرے شکر اور حسن عبادت پر قائم رہوں''

اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی روح کی غذا ہے نہ کہ گلوکاروں کے گانے۔اُن سے تو جسم ہی ناچتے ہیں لیکن اللہ کے ذکر سے قلب کو اطمینان اور روح کو کیف وسرور ملتا ہے اور بندہ عشق جب

سربسجود ہوتا ہے تو اس کے سوز و گداز سے زمین و آسماں وجد میں آ جاتے ہیں۔ذکر ہی سے دل کی بیٹری چارج ہوتی ہے۔جس طرح موبائل فون کی بیٹری کمزور یا ڈیڈ (Dead) ہو جائے تو رابطے منقطع ہو جاتے ہیں پھر اسے چارجر کے توسط سے مین لائن کے ساتھ تعلق جوڑ کر چارج کرتے رہتے ہیں اسی طرح قلب کی چارجنگ کلمہ طیبہ کے مین سسٹم سے کی جاتی ہے جو کہ دلوں کو روشن کرنے والا ایک عظیم روحانی برقی نظام ہے جس کی وسعت کے اظہار کیلئے اُسے ایسے درخت سے تشبیہ دی گئی ہے جس کی جڑیں زمین میں اور شاخیں آسمان میں پھیلی ہوئی ہیں۔قبلہ حضرت بانی سلسلہ رحمۃ اللہ علیہ کی بلاغت دیکھئے کہ آپ نفی اثبات یعنی **لَااِلٰـہ اِلّااللّٰـہ** کے ذکر کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ یہ تو بیٹری چارجنگ ہے اصل ذکر تو پاس انفاس ہے۔چوبیس گھنٹے کے بعد بیٹری چارج کرلو تو پھر آپ کا دل سارا دن اللہ اللہ کرتا رہے گا۔

3۔حلقہء احباب

اللہ تعالیٰ نے سورۃ اعلیٰ کے آخر میں فرمایا:

قَدْاَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰیo وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰیo

''بے شک مراد کو پہنچ گیا جو پاک ہوا۔اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔'' فلاحِ انسانیت کو یہاں جن تین چیزوں سے مشروط کیا گیا ہے وہ ہیں تزکیہ، ذکر اور نماز۔یہاں تزکیہ کو نماز اور ذکر سے بھی مقدم رکھا گیا ہے کیونکہ جب تک دل کا کوڑا کرکٹ صاف نہ کیا جائے اس وقت تک وہ ذکر کے نور سے روشن نہیں ہوسکتا۔دلوں کا تزکیہ کرنا حضورؐ کے منصب رسالت کے فرائض میں شامل ہے اور صحابہ کرامؓ کو جو روحانی بلندی نصیب ہوئی وہ نُورِ رسالت کے فیضان کے سبب تھی۔اس لئے اللہ تعالیٰ کے قرب کو اپنی منزل قرار دینے والوں کے لئے جہاں کسی کامل شیخ سے نسبت لازمی ہے وہاں اللہ کے ذکر کی مجالس اور صحبتِ صالحین میں بیٹھنا بھی کسی نعمت سے کم نہیں۔حضورؐ نے فرمایا کہ جب جنت کے باغوں سے گذرو تو خوب چرا کرو۔جب پوچھا گیا کہ جنت کے باغ کون سے ہیں تو ارشاد ہوا کہ ذکر کے حلقے۔ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جب بھی کوئی جماعت ذکر کے لئے بیٹھتی ہے تو فرشتے اُس کو گھیر لیتے ہیں اور رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور سکینت ان پر نازل ہوتی ہے۔اور اللہ کا ذکر کرنے والوں

کے جو پاس بیٹھتا ہے وہ بد بخت نہیں رہ سکتا۔ برادرانِ کرام ذکر کی محفلوں کو غنیمت جانتے ہوئے پورے اہتمام کے ساتھ ان میں شرکت کیا کریں۔ اس ضمن میں نہایت ہی عمدہ مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ میرے بھائی ہارون کو نبوت کے کام میں میرا مددگار بنادیں۔ اور اس کا مقصد یہ بیان فرمایا:

كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًاo وَّ نَذْكُرَكَ كَثِيْرًاo (طٰه۔33 تا 34)

''تا کہ ہم دونوں تیری بہت سی تسبیح کریں اور تجھے کثرت سے یاد کریں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ اگر ایک بھی مومن ساتھی میسر آجائے تو تسبیح و ذکر کے کام میں سہولت اور برکت شامل ہو جاتی ہے۔ اللہ والوں کی مجالس میں بیٹھو گے تو دلوں میں اللہ کی محبت پیدا ہوگی اور راضی برضا رہنے کا ذوق پیدا ہوگا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ نیک لوگوں کی صحبت عطار کی دکان کی مانند ہے کہ وہاں سے تمہیں عطر عطا ہوگا۔ اگر عطر نہ بھی ملا تو جتنی دیر وہاں بیٹھو گے خوشبو سے تو لطف اندوز ہو گے۔ اور بری صحبت لوہار کی بھٹی کی مانند ہے۔ اوّل تو چنگاریوں کے اڑنے سے آپ کا کوئی کپڑا جلے گا۔ نہ بھی جلا تو جب تک وہاں بیٹھو گے گرمی اور دھوئیں ہی سے واسطہ پڑے گا۔ انسان کی شناخت اس کے حلقہ احباب ہی سے ہوتی ہے۔ کیونکہ کوئی بھی انسان اپنے ماحول اور سوسائٹی کے رنگ سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے نصیحت فرمائی۔

اَلْمَرْءُ عَلٰى دِيْنِ خَلِيْلِهٖ فَلْيَنْظُرْ مَنْ يُّخَالِلُ۔

''آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے اسلئے چاہیے کہ دوست دیکھ بھال کر بنائے۔''

جو دوستی دُنیوی اغراض و مقاصد کے لئے قائم ہوگی وہ بے بنیاد ثابت ہوگی۔ جب یہ دنیا نہ رہے گی تو دوستی کیسے باقی رہ سکتی ہے۔ بلکہ جو یہاں گہرے دوست تھے وہاں ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے اور اس باہمی تعلق پر نادم اور پریشان ہونگے لیکن جو دوستی محض اللہ کی خاطر ہوگی۔ وہ قیامت میں بھی باقی رہے گی بلکہ اللہ تعالیٰ ایسے مخلص بندوں کو نور کے منبروں پر بٹھائے گا جن کی آپس میں نہ تو رشتہ داری تھی، نہ تجارتی لین دین تھا، نہ کسی کا کسی پر کوئی احسان تھا لیکن وہ اپنے پیارے اللہ کی خاطر آپس میں پیار کرتے اور میل ملاقات رکھتے تھے۔ اس سلسلے میں قرآنی

آیات ملاحظہ فرمائیں:

''اُس دن کوئی دوست کسی دوست کا پرسان حال نہ ہوگا'' (معارج۔10)

''اُس دن ظالم اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کھائے گا کہ اے کاش میں نے پیغمبر کے ساتھ رشتہ اختیار کیا ہوتا۔اے شامت کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا۔اُس نے مجھ کو نصیحت کے میرے پاس آنے کے بعد بہکا دیا۔اور شیطان انسان کو وقت پر دغا دینے والا ہے۔''
(فرقان۔27 تا 29)

''جو آپس میں دوست ہیں اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہونگے مگر پرہیز گار لوگ کہ وہ باہم دوست ہی رہیں گے۔'' (زخرف۔67)

اس لئے آپس میں اپنے پیر بھائیوں کی محبت کو قدر کی نگاہ سے دیکھا کریں۔بانی سلسلہؒ فرمایا کرتے تھے کہ یہی تمہارے حقیقی بھائی ہیں۔بلکہ ان سے حقیقی بھائیوں سے بھی زیادہ پیار کیا کرو۔

مقربین کا معیار

1۔ذکر اور تزکیہ اخلاق

یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ جو لوگ بھی تصوف کے سلسلوں میں بیعت ہوتے ہیں ان کا مقصود یہی ہوتا ہے کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کے مقربین میں شامل ہو جائیں۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں تو خاص طور پر یہ بتایا جاتا ہے کہ ہمارا مقصود کیف وسرور، کشف القبور،تعویذ گنڈوں سے علاج،سلب امراض اور کشف وکرامات کا حصول ہرگز نہیں بلکہ ان سب سے کہیں آگے اللہ کی معرفت اور قُرب ولقاء ہے۔قربِ خداوندی کے اس سفر کی ابتداء تو یہ شریعت کی پابندی اور کثرتِ ذکر سے ہوتی ہے لیکن انتہا یہ ہے کہ بندہ قلبی طور پر سب سے تعلق توڑ کر اللہ کا ہو کر رہ جائے۔قرآن کریم کی بلاغت کا کمال دیکھئے کہ راہِ فقر کی ابتدا اور انتہا دونوں کو ایک چھوٹی سی آیت میں سمو دیا ہے:

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَ تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًاo (مزمل۔8)

''اپنے رب کے نام کا ذکر کر۔اور سب کو چھوڑ کر اُسی کا ہو جا۔''

اوران دونوں کے درمیان بہت محنت طلب کام تزکیہ اخلاق اور قطع ماسوی اللہ کا ہے۔ ذکر کی گرمی اور روحانی اثرات بدن کے ایک ایک رُوئیں اور خون کے ایک ایک ذرے میں سما جاتے ہیں۔ جس طرح لوہا گرم ہو کر نرم ہو جاتا ہے تو پھر اسے جس صورت میں چاہیں ڈھال یا موڑ سکتے ہیں اسی طرح ذکر کی گرمی سے بھی نرمی پیدا ہوتی ہے جس سے نفس کی اصلاح آسان ہو جاتی ہے۔ اس کے لئے طریقت توحیدیہ میں دو چیزیں چھوڑ دینے اور دو کو اختیار کرنے کا حکم ہے۔ چھوڑنے والی چیزیں ہیں غصہ اور نفرت۔ اور اختیار کرنے والی ہیں محبت اور صداقت۔ ان کی تفصیل جاننے کے لئے تعمیر ملّت، چراغ راہ اور طریقت توحیدیہ کا مطالعہ فرمائیں۔

یہ بات آپ سب کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ ذکر کا حسب دلخواہ فائدہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب قطع ماسوائے اللہ اور تسلیم و رضا کا شیوہ اختیار کیا جائے۔ قبلہ حضرت بانی سلسلہؒ کا فرمان ہے کہ "فکر اور فقر کا آپس میں بیر ہے اگر فکر کرو گے تو فقیری نہیں ملے گی۔"

2۔ قطع ماسوائے اللہ

بزرگی کے اعلیٰ مراتب اور قرب خداوندی حاصل کرنے کے لئے تزکیہ اخلاق کے علاوہ قطع ماسوائے اللہ میں کمال پیدا کرنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سالک کا دلی تعلق اللہ تعالیٰ کے سوائے دُنیا کی کسی بھی چیز سے سُوت کے دھاگے کے برابر بھی قائم نہ رہے۔ لیکن حقوق العباد کما حقہ خوشدلی کے ساتھ ادا کرنے پڑتے ہیں۔ اس مقام پر کئی بھائی کمزوری دکھاتے اور مالی اور دیگر پریشانیوں کی وجہ سے ہمت ہار جاتے ہیں جس کی وجہ سے مطلوبہ ترقی نہیں کر سکتے۔ ان میں کئی ایک سینئر بھائی بھی ہیں جن کو قبلہ حضرت بانی سلسلہؒ سے براہ راست بیعت ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اس لئے ان سے بالخصوص اور دوسروں سے بالعموم یہ گذارش کرونگا کہ جب آپ نے اللہ کی توفیق سے اُس کی محبت کے میدان میں قدم رکھ ہی لیا ہے تو اب مرد میدان بنیں۔ اور دُنیا کے تمام تفکرات و آلام کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کے بے فکر ہو جائیں کہ جو کچھ اس کو کرنا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ اور وہ جو کچھ کرتا ہے اچھا ہی کرتا ہے اور اسی میں ہمارا فائدہ ہے۔ لہٰذا اپنی مرضی کو اس کی مرضی کے سپرد کر دیں اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے خوش

رہیں ۔آج تک جو کچھ ہوا اس کی مرضی سے ہوا ۔آگے بھی جو وہ چاہے گا وہی ہو گا تو پھر تمہارے فکر کرنے کا کیا فائدہ؟ یہ کام اگر چہ بہت مشکل اور دشوار ہے لیکن سچی طلب ،بلند ہمت اور پیہم عمل سے سب کچھ ہو سکتا ہے ۔اہل عزم ہر دور میں اس پر عمل پیرا رہے ہیں اور آئندہ بھی سرخرو ہوتے رہیں گے ۔قطع ماسوائے اللہ کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سالک میں تسلیم و رضا کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے ۔یعنی جو کچھ بھی واقعات اُس کو پیش آتے ہیں خواہ اس کی مرضی کے مطابق ہوں یا مخالف وہ پہلے اُن پر صبر کرنا سیکھتا ہے اور بعد میں بدترین سے بدترین حالات میں بھی اس کو خوشی حاصل ہونے لگتی ہے ۔یہی تسلیم و رضا کی انتہا ہے ۔اللہ تعالیٰ کے نظام میں بہت کچھ پہلے ہی طے کر لیا جاتا ہے اور یہ حقیقت مومنین کو بتا دی گئی تاکہ وہ دنیا میں باوقار اور صاحب کردار انسان بن کر جئیں ۔

''آپ فرما دیجئے کہ ہمیں کوئی مصیبت پہنچ ہی نہیں سکتی مگر وہی جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ رکھی ہے ۔''(توبہ ۔51)

''نہ تو زمین پر کوئی حادثہ ہوتا ہے نہ ہی تم پر کوئی مصیبت آتی ہے مگر قبل اس کے کہ وہ واقع ہو ہم نے اسے کتاب میں لکھ رکھا ہے ۔یہ کام اللہ کو آسان ہے تاکہ جو مطلب تم سے فوت ہو جائے اس کا غم نہ کھایا کرو ۔اور جو اس نے تمہیں دیا ہے اس پر اترایا نہ کرو ۔اور اللہ کسی اترانے والے اور شیخی بگھارنے والے کو دوست نہیں رکھتا ۔''(الحدید ۔22 تا 23)

قبلہ حضرتؒ نے اپنے آخری خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ ''ان آیات سے تم کو ذہنی اور قلبی تقویت ملنی چاہیئے ۔تم کو سوچنا چاہیئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ مصیبت ہمارے نام پہلے ہی لکھ رکھی ہے تو اس پر گھبرانا ،رنج کرنا ،مایوس ہونا انتہائی ناشکری ،کفرانِ نعمت بلکہ ایک قسم کی بغاوت ہے ۔اگر تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی مصیبتوں کو نعمت سمجھ لو تو تم کو دائمی مسرت جیسی نعمت حاصل ہو جائے جو کروڑوں اور اربوں روپے میں بھی حاصل نہیں ہو سکتی ۔''

یہاں میں ایک امریکن عورت کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جس نے مصیبتوں کو حقیقتاً اللہ کی نعمتیں جانا ۔اس کا نام ''ہیلن کیلئے'' تھا اور وہ نہ صرف گونگی بہری تھی بلکہ اندھی بھی تھی ۔اس نے جسمانی لمس کو رابطے کا ذریعہ بنالیا اور علم حاصل کیا ۔اس نے چار کتابیں لکھ کر دنیا بھر میں شہرت حاصل کی ۔وہ اپنی خودنوشت سوانح حیات میں ایک کمال کی بات لکھتی ہے کہ ''دیکھو میں بہت خوش ہوں کہ میرے خدا نے میرے اوپر بڑا اکرم کیا ہے اگر یہ ساری چیزیں ،یہ ساری نعمتیں یعنی اندھا ہونا ،بہرہ

اھوتا ، کونگا ہوتا مجھے نہ ملی ہوتیں تو میں دنیا کی ایک نامور عورت نہ ہوتی بلکہ ایک معمولی سی گھریلو عورت ہوتی ۔''

سبحان اللہ! اس کے بندوں کے سوچنے کے انداز بھی کیسے پیارے اور ایمان افروز ہیں۔
اب آپ حضرت عمر ابن خطابؓ کا ایسا ہی ایک بیان سماعت فرمائیں اور غور کریں کہ اللہ کے بندے قرآن کریم کی آیات بیّنات سے کس طرح روشنی اور راہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جب سے میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سنا کہ ''عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بھلی لگے اور وہ تمہارے لئے مضر ہو۔ اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے اور تم نہیں جانتے''۔ (بقرۃ۔216)
تب سے میں اس فکر سے آزاد ہو گیا ہوں کہ میری صبح کس شے سے ہوتی ہے۔ اُس سے جو مجھے پسند ہے یا اس سے جو مجھے ناگوار ہے۔ کیونکہ مجھے معلوم نہیں کہ میرے لئے بھلائی کس میں ہے یہ صرف اللہ کو معلوم ہے۔ برادران کرام آپ سب کو بھی یہی اندازِ فکر اور طرزِ حیات اپنانا ہوگا۔ آپ اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنا سیکھ جائیں گے تو وہ بھی آپ سے راضی ہو جائے گا۔ اپنی خواہشات کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع کرنے ہی سے دائمی مسرت کا گوہر ہاتھ آسکتا ہے۔ جب تک زندگی کی باگ ڈور صدقِ دل کے ساتھ اپنے مالک حقیقی کے سپرد نہ کی جائے تب تک غم والم اور خوف وحزن سے رہائی ممکن نہیں ہے۔
بانی سلسلہ کبھی کبھی ایک جملے میں ہی پورا نصاب بتا دیا کرتے تھے۔ کئی مرتبہ آپ سے سنا کہ ''فقیر بننا چاہتے ہو تو سنو۔ فقیری یہی ہے کہ گالیاں سنو اور دعائیں دو۔'' یعنی اپنے ساتھ پیش آنے والے تمام معاملات کو اپنے پیارے اللہ کی طرف سے جانو اور اس پر خوش رہو۔ فاعلِ حقیقی اللہ تعالیٰ کو جانتے ہوئے مخلوق کی طرف سے ہونے والی بدسلوکی کو بھی نظر انداز کر دو۔ مکمل خود سپردگی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے قدموں میں گر جانا ہی وہ سجدہ ہے جو آپ کو ہزار سجدے سے نجات دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے ہی دل کے خلوت کدے کو جلوہ گر ہونے کے لئے پسند فرماتے ہیں جس میں کوئی دوسرا شریک نہ ہو۔ یہاں خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ کا قطع ماسوائے اللہ کی کیفیت کا حامل ایک شعر آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں جو میں نے بانی سلسلہؒ سے سنا تھا۔

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی
اب تو آجا اب تو خلوت ہو گئی

3۔ متاعِ دنیا اور قناعت

بانی سلسلہ قبلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں چاہتا ہوں کہ سارے توحیدی اللہ کے مقربین کے زمرہ میں شامل ہوں جس کے لئے خاصانِ خدا کے اخلاقی معیار پر پورا اترنا لازمی ہے۔ اسی لئے قطع ماسوائے اللہ اور تسلیم و رضا کا مجاہدہ کرایا جاتا ہے تاکہ ہر سالک اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی کے تابع کر کے خوف و حزن اور فکر و الم سے نجات پا سکے۔ اللہ تعالیٰ اپنی راہ پر چلنے والوں کو طرح طرح کی مصیبتوں کے ذریعے آزماتا ہے۔ جب تک ذکر اور مجاہدے کی برکت سے ایمان دلوں کے اندر راسخ نہ ہو جائے نفس شرارتوں سے باز نہیں آتا اور ہوس مال کی اندھا دھند دوڑ میں شریعت کی حدود توڑنے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ حالانکہ قرآن کریم میں یہ سب واضح کر دیا گیا ہے کہ رزق میں کمی بیشی حکمت کے تحت اللہ تعالیٰ کی مرضی سے کی جاتی ہے اور یہ بھی کہ متاع دنیا کی فراخی اللہ کے ہاں مقبولیت کی علامت نہیں ہے۔

''کہہ دیں کہ میرا رب جس کے لئے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اور تمہارا مال اور اولاد ایسی چیز نہیں کہ تم کو ہمارا مقرب بنا دیں۔ ہاں جو ایمان لایا اور نیک کام کرتا رہا ایسے ہی لوگوں کو ان کے اعمال کے سبب کئی گنا بدلا ملے گا اور وہ خاطر جمع سے بالاخانوں میں بیٹھے ہوں گے۔'' (سباء۔37)

''اُس دن نہ مال ہی فائدہ دے سکے گا اور نہ بیٹے۔ ہاں جو شخص اللہ کے پاس قلب سلیم (یعنی شرک سے پاک دل) لے کر آیا وہ بچ جائے گا۔''(شعراء۔87 تا 88)

اب یہ اللہ خالق و مالک کی مرضی ہے کہ وہ جس طرح چاہے اپنے بندے کا امتحان لے۔ انسان کو جو خلافت ارضی کا اعزاز عطا کیا گیا ہے اس کی درست تشریح یہی ہے کہ دُنیوی زندگی کے دوران ہر انسان کو کچھ عرصہ کے لئے اپنے امور چلانے کا اختیار دیا جائے گا۔ کچھ افراد اور امور اس کے تحت ہونگے جن پر اس کا بس چلتا ہوگا۔ یہ بادشاہی بہت بڑی ہو یا بہت چھوٹی لیکن اللہ نے جو کچھ اس کو دیا ہوگا اسی کے بارے میں اس سے پرسش ہوگی۔ حضورؐ کا بھی ارشاد ہے کہ

"كُلُّكُمْ رَاعٍ وَ كُلُّكُمْ مَسْئُولٌ "تم میں سے ہر ایک حکمران ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہو گا۔ یہاں تک کہ ایک غلام جو بکریاں چرانے پر مامور ہے اس سے ان بکریوں کے بارے میں ہی پوچھا جائے گا۔اس لئے انسان کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی مناصب اور رزق کی تقسیم پر اعتراض کرنے کی بجائے اس کے احکام کی بجا آوری اور اپنی رعایا کے بارے میں جوابدہی کی فکر کرے۔

خلافت کی اس مشترکہ ذمہ داری کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی ہدایت ملاحظہ ہو۔

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌo(الانعام۔165)

"اور وہی تو ہے جس نے تمہیں خلیفے بنایا زمین میں۔اور ایک دوسرے پر درجے بلند کئے۔ تا کہ جو کچھ اس نے تمہیں بخشا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے۔ بے شک تمہارا رب جلد عذاب دینے والا ہے اور بے شک وہ بخشنے والا مہربان بھی ہے"۔

اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے تحت اپنے بندوں میں سے کسی کا رزق تنگ اور کسی کا کشادہ کر دیتے ہیں اور دونوں حالتوں سے مقصود آزمائش ہی ہوتی ہے۔اگر کسی سالک کو عُسرت یعنی مالی تنگی سے واسطہ پڑ جائے تو بھی اِسے ہرگز مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ ہمارے ہادی و مُرشد قبلہ حضرت بانیٔ سلسلہ نے فرمایا:

"عُسرت کا علاج قناعت ہے۔قناعت کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ خدا نے تم کو دے رکھا ہے اس پر تمہارا دل خوش رہے۔کبھی شکایت کا جذبہ پیدا نہ ہو بلکہ جذباتِ شکر و سپاس سے تم ہمیشہ مسرور رہو۔ بظاہر یہ بات بالکل ناممکن نظر آتی ہے کہ غربت و نکبت میں بھی انسان ایسا ہی خوش رہے جیسے دولت و ثروت میں رہتا ہے۔لیکن فکرِ صحیح اور مشاہدہ وسیع سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ بات ناممکن تو کیا کچھ زیادہ دشوار بھی نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان آپ ابھی سن ہی چکے ہیں کہ اس نے کسی کو نپا تُلا رزق دیا ہے اور کسی کو بے حساب عطا فرمایا ہے۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس

کسی کے پاس جو کچھ ہے اللہ کی مرضی سے ہے۔تو اے سالکانِ راہ خدا تم خدا کی مرضی پر خوش کیوں نہیں رہتے اور اس کی مرضی کو اپنی مرضی کے تابع کیوں کرنا چاہتے ہو"۔

برادرانِ کرام! جو باتیں آپ تک پہنچانے کی سعادت مجھے حاصل ہوئی وہ سب قرآنِ حکیم، حضور نبی کریم ﷺ اور ربانی سلسلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی تعلیم پر مشتمل تھیں۔ یہ میرا فرض تھا جو میں نے اللہ رحیم و کریم کی توفیق سے ادا کیا۔دعا ہے کہ وہ مجھے اور آپ کو عمل کی ہمت دے۔آمین!

اب آخر میں اپنے ہادی و مرشد کے دو خطوط جو ہمارے موضوع کے متعلق ہی ہیں یہاں نقل کرنا چاہتا ہوں۔ یہ خطوط تھری سٹار پریس لاہور کے مالک محمد قاسم خاں کے نام 1965ء میں لکھے گئے تھے۔

1۔"یہ دنیوی اُلجھنیں کبھی ختم ہو کر آپ کو آگے قدم بڑھانے کا موقعہ بھی دیں گی یا ہمیشہ راہ کا پتھر بنی رہیں گی؟ اگر یہ ختم نہیں ہوتیں اور سچ تو یہ ہے کہ کبھی جیتے جی ختم نہیں ہوتیں تو پھر آپ ہی ان کو ختم کر دیں یعنی ان کی پروا نہ کریں۔ چارہ جوئی ضرور کریں مگر دل کو ان سے متاثر نہ ہونے دیں۔اگر یہ نہ کیا تو منزل مراد پر کبھی نہ پہنچ سکو گے۔میرا کام صرف بتادینا ہے آگے آپ کی مرضی۔مستقبل کے لئے کوئی سکیم سوچو، کوئی تدبیر کرو مگر اس کے فکر میں غرق نہ ہو جاؤ، خوش رہا کرو اور اللہ اللہ کیا کرو۔یہی راستہ ہے اس پر چلو نہ چلو۔"

2۔"یہ بات یاد رکھیں کہ دنیا کی پریشانیاں تو مرتے دم تک پیچھا نہیں چھوڑتیں۔یہاں تک کہ ارب پتی سرمایہ دار اور مملکتوں کے بادشاہ اور صدر تک ان سے محفوظ نہیں رہتے۔فقیر لوگ جو خدا سے محبت کر کے راضی برضا ہو جاتے ہیں اور ان کی نفی کر دیتے ہیں وہ البتہ ہمیشہ خوش رہتے ہیں۔"

قارئین کرام! اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآنِ کریم کا موضوع انسان ہے۔ اِس کے ذریعے وہ انسان کو اُس کے مقام و مرتبہ سے آگاہ کرتا اور یہ شعور عطا کرتا ہے کہ یہ کائنات تمہارے لئے بنائی گئی ہے تا کہ زندگی کی قلیل مہلت کا صحیح مصرف کر کے، اِس میں بکھری ہوئی اللہ تعالیٰ کی آیات میں تدبر و تفکر اور کثرتِ ذکر کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب اور اُس کی رضا حاصل کر

سکو۔ یہ کائنات یا یونیورس تمہارے لئے اوپن یونیورسٹی کی حیثیت رکھتی ہے تا کہ تم اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ تعمیر و تسخیر کی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اپنے رب کی بندگی کے صراطِ مستقیم پر مسلسل آگے بڑھتے چلے جاؤ تا کہ آخرت کی دائمی زندگی میں سُرخرو ہو جاؤ۔ جو لوگ اس مادی زندگی کی رنگینیوں میں کھو کر اللہ اور آخرت کو بھول جائیں گے وہ اپنی منزل کھو دیں گے۔

نہ تو زمیں کیلئے ہے نہ آسماں کیلئے
جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کیلئے
مقامِ پرورش آہ و نالہ ہے یہ چمن
نہ سیرِ گل کیلئے ہے نہ آشیاں کیلئے

(اقبالؒ)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

بانیٔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے فرمایا

"مسلمانو! یاد رکھو کہ تمہاری انفرادی اور قومی تباہی کی سب سے بڑی وجہ ہی یہ ہے کہ تم نے قرآن کے خلاف عقیدے گھڑ لئے ہیں اور ان پر قائم ہو کر قرآن اور اللہ کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ آج تم قرآن اور اللہ کی طرف لوٹ آؤ کل تم کو وہی عزت پھر حاصل ہو جائے گی جو قرونِ اولیٰ میں تھی۔ (اقتباس از "تعمیر ملت")

حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ نے فرمایا

خوار از مہجوری قرآں شدی
شکوہ سنج گردش دوراں شدی

"تم تقدیر کو کوستے ہو اور گردشِ دوراں کے عبث شکوے کرتے ہو حالانکہ تمہاری ذلت اور خواری کی اصل وجہ قرآن سے دوری ہے"


Printed By: 0300-7409775